گلے کہ روئے خزاں را کسے نہ خواہد دید ✤ بہ باغ ماست اگر قسمت رسا باشد

باغِ خیال

جسمیں

سینکڑوں نامی شعراء سابق وحال کے کلام کے عمیق مطالعہ کا نچوڑ۔ ساڑھے سات ہزار کے قریب نہایت دلچسپ و نتیجہ خیز اشعار مجلسی، علمی، ادبی، تصوفانہ، ناصحانہ، اور عاشقانہ مختلف ایکسو دس عنوانوں کے تحت جمع کئے گئے ہیں جن سے ہر مذاق کا آدمی بہرہ اندوز ہوسکتا ہے

مُرتبہ

لالہ دیوان چند گڈھوک ساکن بہون - ضلع جہلم

مصنف و مؤلف متعدد کتب نظم و نثر

جو

گیلانی الیکٹرک پریس لاہو میں باہتمام بابو نظام الدین چھپا او شائع ہوا

سال ۱۹۳۰ء

بار اول

پیشکش

بجناب خدمت سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب بہادر بالقابہ ممبر اسمبلی

جناب والا۔ خداوند تعالٰے کے فضل اور اپنی ذاتی لیاقت سے آپ ترقی۔ عزت اور شہرت کے اُس درجہ تک جا پہنچے ہیں۔ جہانتک پہنچنے کی بڑے بڑے حسرت اور تمنّا رکھتے ہیں۔ علم کے ساتھ دلچسپی اور اُس کی قدردانی آپ کو اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملی ہوئی ہے۔ اِن تمام خصوصیات کو جو آپ کی ذات میں موجود ہیں ملحوظ رکھتے ہوئے اِس کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جُرأت کی جاتی ہے۔ منظور فرما کر سرافرازی بخشیں۔

بندہ

دیوان چند گڈھوک مقام ایبٹ آباد

۵/۳۰ ۲۵

فہرست مضامین

(آخر)

Photo of the compiler of the Book

دیوان چند گڈہوک آف بھون
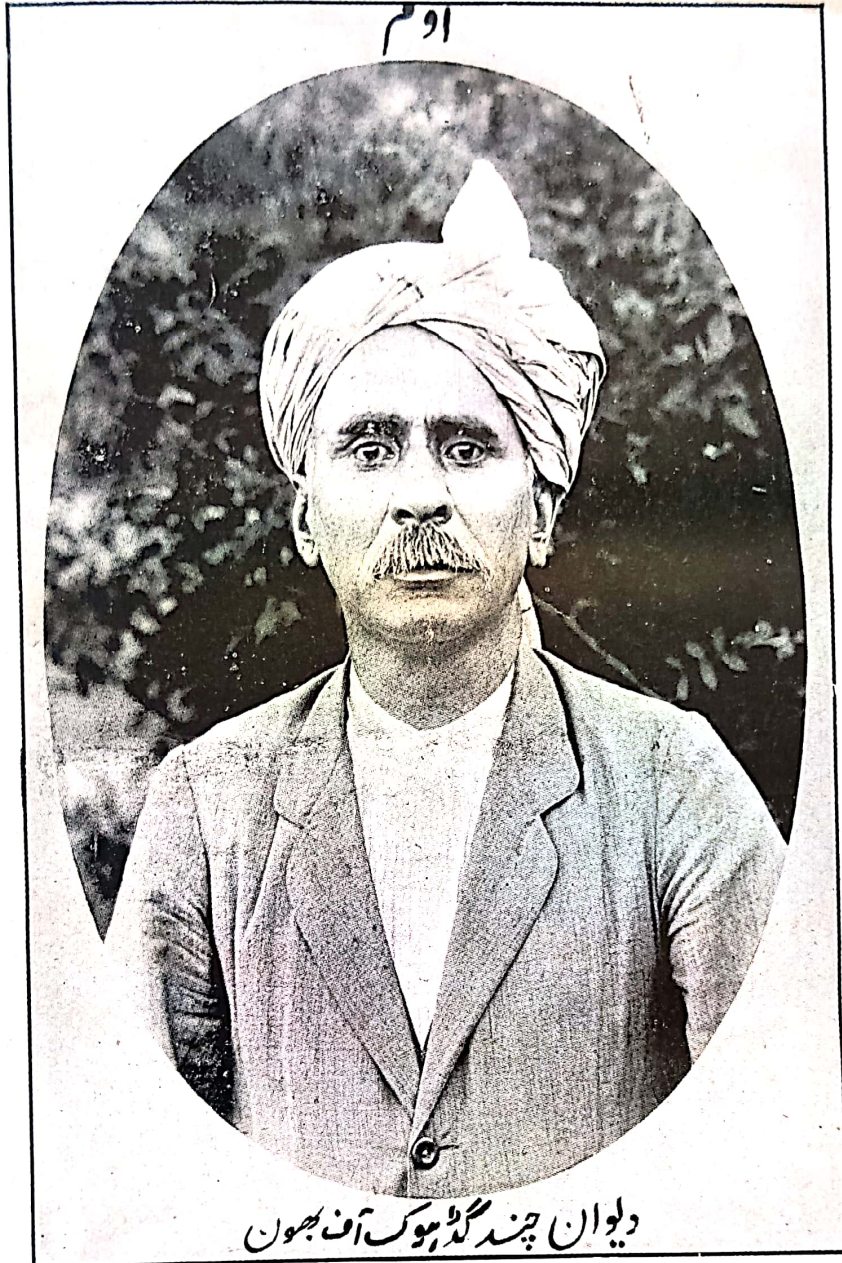
اظہارِ تشکر

چونکہ خاکسار کو بھی خوش قسمتی سے اہلِ تصوّف کے مقدس گروہ سے تھوڑی بہت نیازمندی کا فخر حاصل ہے۔ اس لئے یہ دلچسپ بےنظیر انتخاب اشعار مجھے بیحد پسند آیا۔ جسے لالہ دیوانچند صاحب گڈہوک نے غیر معمولی محنت شاقہ اور جاں فشاں عرقریزی سے سینکڑوں شعرا اور ادبا کی تصنیفات کے ہزاروں اوراق کا مطالعہ کرنیکے بعد طیار کیا ہے۔ یہ لاجواب مجموعہ کسقدر مفید ہے اس کے مطالعہ سے نہیں۔ بلکہ اس کے انڈکس کے مطالعہ سے ہی ناظرین کرام کو معلوم ہو جائیگا۔ میں اس کی توضیح میں پڑنا فعل عبث سمجھتا ہوں۔ ہاں میں اس وقت اوّلاً اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ جس کے فضل کے ماتحت ایسا مفید عام دلچسپ انتخاب میرے زیر اہتمام اشاعت پا رہا ہے۔ اور دوسری طرف انتخاب ہذا کے مؤلف صاحب کا شکرگذار ہوں۔ کہ انہوں نے اپنی برسوں کی محنت کے گرانبہا جواہرات ایک خوبصورت لڑی میں منسلک کرکے نہایت فراخ حوصلگی سے بغرض اشاعت خاکسار کو مرحمت فرمائے۔

امیدوار ہوں۔ کہ ناظرین کرام اس لاجواب اور قیمتی ذخیرہ سے متمتع ہوکر دوسرے احباب کو بھی مستفید ہونے کی تحریک کرکے اس کی عام اشاعت میں حصّہ وافر لیکر مرہونِ منّت فرمادینگے۔

نیازمند

نظام الدّین منیجر گیلانی پریس لاہور

چند کلمات

لکھے گئے بیاضوں میں اشعارِ انتخاب
رائج رہے وُہی کہ جو سکے کھرے ہوئے

نظم کو چونکہ فطرتِ انسانی سے خاص مناسبت ہے۔ اسلئے پندو نصائح جتنا اسکے ذریعہ دلوں پر
اثر پیدا کر سکتی ہیں۔ کسی دوسرے ذریعہ سے ممکن نہیں۔ اگر دنیا میں کوئی سچا جادو ہے۔ یا دل کو قابو
لانے والی کوئی تسخیر ہے۔ تو یہی شعروسخن ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ راگ بھی ایک چلتا ہوا جادو ہے
لیکن اس کی تہ میں بھی اسی کی برکت پائی جاتی ہے۔ اور بغیر نظم کے موسیقی ایک بالکل بیجا
ہے۔ بہرحال پہلا جادو جو انسان پر چلا۔ نظم ہے۔ انسان نے اس کی طاقت کو دیکھتے ہو۔
اس سے عجیب و غریب اور نہایت مشکل کام لئے ہیں۔ میں نے بھی اسی خیال کو لیکر قبل ازیں شع
عالی مقام کے کلام کے مختلف نمونے تیار کئے ہیں۔ جو بجائے خود ایک سے ایک بڑھکر ہیں
لیکن اس مرتبہ ایک عجیب چیز آپ کے پیش کیجا رہی ہے۔ فہرست مضامین پر نظر مار۔
سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کتنے ضروری عنوان تجویز کئے گئے ہیں۔ اور پھر ہر ایک باب کے تحت مخ
شعرا کا کلام کس خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے جس سے یہ مقولہ کہ "سو سیانے ایکو مت
کتنا درست طور پر تصدیق ہو رہا ہے۔ شعروسخن سے ذرا بھی مس رکھنے والے حضرات اس سے
لطف حاصل کرینگے۔ کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ ایڈیٹر۔ واعظ۔ لیکچرار۔ مضمون نویس۔ طا
شاعر۔ پڑھانیوالے غرضیکہ ہر کوئی اس سمندر سے جسکی انہیں ضرورت ہوگی۔ گوہر شاہوار نکا
اپنا مطلب پورا کر لینگے۔ جس مقصد کو لیکر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ خدا اُسے پورا کرے۔

سر نہ مفت نذر ہوں میری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

نیازمند دیوان چند گڈھوک

ہو جو اُس کے نام پر آغاز۔ پورا ہو وہ کام — ہے بر آرندہ وُہی ہر شخص کی اُمید کا — سحر

اسیر ملتی ہیں بے مانگے نعمتیں کیا کیا — بڑا کریم ہے جس کا امیدوار ہوں میں — اسیر

نہیں ہے رنگ تمہارا تو کیا ہے گلشن میں — تمہارا فیض نہیں ہے تو گل میں بُو کیا ہے — آتش

موسٰے کو نظر طُور پر آیا تھا وگرنہ — دیکھا تو ہر اک سنگ میں وہ ایک شرر تھا — پناہ

دونوں کا سر جھکا ہے تری بارگاہ میں — یاں فرق کچھ نہیں ہے گدا اور شاہ میں — اسیر

بے طلب دیتا ہے تو اپنے گدا کو اے کریم — وا نہیں ہوتی ترے آگے لبِ سائل ہنوز — رند

پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ — بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

راہ میں شانِ کریمی ہے تری۔ بھر دیتی — پھر کے خالی کسی در سے ہی جو سائل جاتا — آتش

درِ دولت سے کب محروم ہو کر پھر گیا سائل — کرم تیرا نمونہ ہے خدا کے لطف بیحد کا

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے۔ اے آتش — کریم رد نہیں کرتا۔ سوال سائل کا — آتش

تو جسکو چاہیے خاک سے مسند نشیں کرے — ہے بحساب فیض تیرا۔ کچھ کمی نہیں

اللہ رے دستگیری و پیدا کیئے کی شرم — بخشا اُسیکو۔ جس نے سر اپنا جھکا دیا

خدا کے دین کا موسٰی سے پوچھیئے احوال — کہ آگ لینے جائیں پیغمبری مل جائے

اپنے جس بندے کو چاہے دے چمن آرائے دہر — کچھ اجارہ زاہدوں کا باغ رضواں میں نہیں

(۱۵) عجب سرکار ہے اللہ کی۔ اے طور میں صدقے   ہنرمندوں سے دیکھے جاتے ہیں یاں بے ہنر

(۱۶) دوست دشمن کا نہیں پابند تیرا فیضِ عام   رکھتے ہیں تیرے کرم پر کافر و دیندار آ

(۱۷) ہیں عنایت سے تیری۔ شاہ و گدا مالامال   پرورش۔ کون ہے؟ جس کی تجھے منظور نہیں

(۱۸) تیری درگاہ سے پھرتا نہیں سائل کوئی   دیتی ہے شانِ کریمی۔ اُسے حسبِ دلخوا

(۱۹) کس میں ہے تیرے سوا عاجز نوازی کی صفت   کون ہے؟ مشکل میں بندے کا جو اپنے یار ہو

(۲۰) کافر ہے۔ منکر اُس کی کریمی کی شان کا   خالی پیالہ کب؟ کفِ سائل میں رہ گیا

(۲۱) تمہارے دَر سے نہ مایوس جائیں حاجتمند   قبول ہووے جو توبہ۔ گنہگار کریں

(۲۲) واقف ہوں اس قدر کہ تیری ذات ہے کریم   کچھ جانتا نہیں میں۔ عذاب و ثواب کو

(۲۳) آپکی جبتک عنایت تھی عدو بھی دوست تھے   آپ جب برہم ہوئے ہر آشنا بیگانہ تھا

(۲۴) ڈوبے نہ بحرِ غم میں وہ جس کو بچائے تو   کشتیٔ نوح۔ اُس کے لئے ہر حباب ہو

(۲۵) کب محیطِ غم میں ڈوبا۔ جس کا تو حامی ہوا   ہر حباب اُس کے لئے گویا سفینہ ہوگیا

(۲۶) حلِ مشکل کس سے ہو سودا کی شاہا تجھ بغیر   کھولے مشکلکشا عقدے مری مشکل کے کُل

(۲۷) خدا جب دوست ہے اے داغ۔ کیا دشمن سے اندیشہ   ہمارا کچھ کسی کی دشمنی سے ہو نہیں سکتا

(۲۸) کچھ غم نہیں جو فیض سے خالی ہوا جہاں۔   ہیں اُس کریم کے تو خزانے بھرے ہوئے

(۲۹) بلاناغہ ترے گھر دوست اور دشمن کی دعوت ہے   کشادہ کس قدر اللہ۔ تیرا خوانِ نعمت ہے

(۳۰) چاہتا ہے جب مسبّب آپ ہی ہوتا ہے سبب   دخل اس عالم میں کیا ہے عالمِ اسباب کو

(۳۱) چرخ گردش میں پھنسائے بھی تو کیا ہوتا ہے   بگڑی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے

(۳۲) اُسے فضل کرتے نہیں لگتی بار   نہ ہو اُس سے مایوس اُمّید وار

(۳۳) جسے راکھے سایاں۔ مار نہ سکّے کو   بال نہ بیکا کر سکے۔ جے جگ بیری ہو

(۳۴) مانا نہیں جس نے تجھ کو۔ جانا ہے ضرور   بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

(۳۵) بکش جفائے رقیباں۔ مدام دل خوش دار   کہ سہل باشد۔ اگر یار مہرباں داری

(۳۶)	الٰہی! دردِ دل دے۔ اور دِل میں ضبط کی طاقت	کہ تجھ کو ہے مرض دینے سے پہلے فکر درماں کا	
(۳۷)	ہوئے کونین اِک کُن سے تماشہ ہے یہ قدرت کا	خدائی میں تری خالق کیسے ہے دخل جُحت کا	
(۳۸)	الٰہی گرنے والے کو اگر تو آبرو بخشے	گہر بنجائے گوشِ گل تک آکر قطرہ شبنم کا	
(۳۹)	مقدور کس کو حمدِ خدائے جلیل کا	اِس جا ہے بیزباں دہن قال و قیل کا	ظفر
(۴۰)	اُٹھائیے جا کے کہاں لطفِ جستجو کوئی	جگہ وُہ کونسی ہے تو جہاں نہیں ہوتا	عزیز
(۴۱)	جلوہ اسی کا دیر و حرم میں ہے اے ظفر	آتا نہیں ہے اس کے سوا کچھ نظر مجھے	ظفر
(۴۲)	اس کے در سے نہیں محروم کوئی بھی جاتا	جو تمہیں مانگنا ہو اپنے خدا سے مانگو	״
(۴۳)	جو چاہیئے سو مانگیئے اللہ سے اے امیر	اس دَر سے آبرو نہیں جاتی سوال سے	امیر
(۴۴)	کہنے کو یوں جہاں میں ہزاروں ہیں یار دوست	مشکل کیوقت ایک ہے پروردگار دوست	امیر
(۴۵)	شنوا گوش دیئے دیدۂ بینا مجھ کو	نعمتیں دیں مرے اللہ نے کیا کیا مجھ کو	رند
(۴۶)	حل مرے مشکلکشا نے کی امیر	لے کے کیسی ہی کوئی مشکل گیا	امیر
(۴۷)	مہرباں ہو دوست کچھ دشمن کا چل سکتا نہیں	آتشِ نمرود ہے گلزار ابراہیم کو	آتش
(۴۸)	نہیں تیرے کرم کو قید کچھ اعلیٰ و ادنیٰ کی	سکندر تشنہ رہجاوے۔ پیئے خضر آبِ حیواں کو	آتش
(۴۹)	موقوف ایک ہاتھ پہ اس کا کرم نہیں	دینے کو آئے وہ جو ظفر ہیں ہزار ہاتھ	ظفر
(۵۰)	ہم نے یہ نکتہ سنا۔ اِک مردِ حق آگاہ سے	پھر گیا اس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے	
(۵۱)	زباں ایک۔ اِحسان لاکھوں ترے	کروں شکر یارب۔ ادا کس طرح	
(۵۲)	روزِ پیدائش سے مجھکو رزق بمنیت دیا	اپنی خواہش سے زیادہ ہیں نے صرف زر کیا	ریحان
(۵۳)	ثنا میں کسکی غنچوں نے دہن کھولا ہے اے شبنم	کہ انکا موتیوں سے مُنہ ترے قطرے جو بھر تے ہیں	
(۵۴)	مری زباں سے مدح کہاں اُس کی ہو سکے	توصیف میں ہے جس کے زبانِ قلم۔ قلم	
(۵۵)	ہر مو بہ تنِ خلقتِ خاکی۔ جو زباں ہو۔	مقدور کسے ہے ترے احسان کے بیاں کا	سوز
(۵۶)	زبان کونسی مشغولِ ذکرِ خیر نہیں	کہاں کہاں نہیں میں تیری داستان سنتا	

(٥٧) غور سے جس شے کو دیکھا۔ تو نظر آیا مجھے | تو ہر اک گل میں برنگِ بُو نظر آیا مجھے

(٥٨) آنکھ کیا، دل کیا، حرم کیا، دیر کیا۔ بتخانہ کیا | کونسی جا ہے وہ ہرجائی جہاں ملتا نہیں

(٥٩) کس رنگ میں دیکھا نہ تیرے رنگ کا جلوہ | سب رنگ میں ہے تو، پہ نرالا سبسے بری رنگ

(٦٠) دیدہ و دل تھے منوّر تیرے نورِ حسن سے | جلوہ فرما ہو نہ تو جسمیں۔ وہ گھر کوئی نہ تھا

(٦١) کونسا تن ہے کہ مثلِ روح جس میں تو نہیں | کون گل ہے جو ترا مسکن برنگِ بُو نہیں

(٦٢) جو بھی ہے پیدا تری صورتِ پنہاں کا ہے عکس | جو بھی ہے رنگ، تری ہستی بیرنگ کا ہے

(٦٣) یہ کون؟ اے نسیمِ سحر گرمِ ناز ہے | جو پھول ہے چمن میں جبینِ نیاز ہے

(٦٤) نشاں کیا کیا دکھائے تو نے یارب بے نشاں ہو کر | عیاں کیا کچھ کیا ہے تو نے اے خالق نہاں ہو کر

(٦٥) تری ہی ذات کریم و رحیم ہے ایدوست | سوا تیرے کوئی مشکل میں کس کے کام آیا

(٦٦) ہوا خود متبذل دشمن وہ کیا ذلت مجھے دیتا | خدا اس بندۂ عاصی کی عزت کا نگہباں تھا

(٦٧) شکر کس منہ سے ادا ہو تیرا اے ربِّ کریم | لاکھ احساں کئے جو عضوِ بدن مجھ کو دیا

(٦٨) تیرے سوا ہے کریم و رحیم کس کی ذات | نجات کس سے طلب ہم گنہگار کریں

(٦٩) چاہے جس ذرّے کو خورشید درخشاں کر دے | میرے نزدیک ترے فیض سے کچھ دُور نہیں

(٧٠) وہ میرے اعمالِ روز و شب سے واقف ہے امیر | پیشِ خالق ادّعائے بیگناہی کیا کروں

(٧١) تھا مستعار حسن سے اُس کے جو نور تھا | خورشید میں بھی اس ہی کا ذرّہ ظہور تھا

(٧٢) بلند و پست سب میں ہے اُسکی روشنی پھیلی | فلک پر جلوہ گر تارے زمیں پر دُرفشاں شبنم

(٧٣) نہ اے غافل کبھی نومید ہو فضلِ الٰہی سے | خدا پر رکھ نظر لَا تَقْنَطُوْا آیا ہے قرآں میں

(٧٤) مدرسہ یا دَیر تھا۔ کعبہ تھا یا بُت خانہ تھا | ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا

(٧٥) کیوں مرقع نہ کہیں۔ دفترِ کونین کو ہم | فرد وہ کون ہے جسمیں تری تصویر نہیں

(٧٦) ہے عیاں ہر شے میں تو ہی حیرت اے برقِ نگاہ | متصل جلوہ دکھا۔ کیوں آپ کو پنہاں کیا

(٧٧) دُور اس کو جاننا یہ فراست سے ہے بعید | وہ شاہرگ سے بھی ترے غافل قریب ہے

نمبر	مصرعِ اول	مصرعِ ثانی	شاعر
(۷۸)	کشاکش موج سے کرنا کوئی مقدور ہے خس کا	ہیں اور تیری رضا۔ پیارے جدھر چاہے اُدھر لیجا	قائم
(۷۹)	جو وہ بیگانہ اپنا ہے۔ تو بیگانہ یگانہ ہے	جو وہ نامہرباں ہے تو عدو سارا زمانہ ہے	
(۸۰)	ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا	موسیٰ نہیں کہ سَیر کروں کوہ طور کا	
(۸۱)	لینے کے واسطے ہے ہمیں شرط مانگنا	دینے کے واسطے ہیں ہزاروں خدا کے ہاتھ	عاجز
(۸۲)	دیکھی نہ کوئی جگہ تیرے جلوے سے خالی	جس سمت نظر اوٹھ گئی۔ بس تو نظر آیا	
(۸۳)	اک ایک پھول سے ہے تیرا رنگ جلوہ گر	ہر گل کو باغ میں ہے تیری بُو سے ارتباط	شجاع
(۸۴)	میں اپنی مشکلوں کو مشکلیں دیوانؔ کیوں سمجھوں	اُسے آساں ہے حل کرنا مری ہر ایک مشکل کو	دیوان
(۸۵)	چوں شود فضلِ خداوند تعالےٰ شامل	مردے از غیب برُوں آید و کارے بکند	
(۸۶)	چہ حاجت است بپیشِ تو رازِ دل بُردن	کہ حالِ خستہ دلاں را تو خوب میدانی	
(۸۷)	ہوائے یاس شمعِ آرزو کو کیا بجھائیگی	کہ میں نے یا خُدا تیرے کرم سے لو لگائی ہے	افسر
(۸۸)	خدا چوں بندۂ خود را نوازد	بہبودش سبب موجود سازد	
(۸۹)	عزیزے کہ از درگہش سَر بتافت	بہر در کہ شُد ہیچ عزّت نیافت	سعدی
(۹۰)	تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ	کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ	″
(۹۱)	منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمیکنم	منّت شناس زو کہ بخدمت بداشتت	″
(۹۲)	ہر سوے دَوَد آنکس۔ کہ ز درِ خویش برَانَد	واںؔ را کہ بخواند۔ بہ درِ کس نَدَواند	″
(۹۳)	اہلِ جہاں کے کُفر و توہّم کا کیا علاج	آئینہ کہہ رہا ہے کہ آئینہ ساز تھا	
(۹۴)	لامکاں کا کھوج کب تک ڈھونڈھیے	کیا یہی تیرا پتہ ہے اَور بس	
(۹۵)	ہر چند تیری سمت سوا راہ ہی نہیں	تِس پر بھی آہ یاں کوئی آگاہ ہی نہیں	قلق
(۹۶)	پیدا کیا ہے جس نے امید ہے اسی سے	کچھ شک نہیں ہے اسمیں بس ہے وہی ہمارا	
(۹۷)	ہوتی گر عقدکشائی نہ یداللہ کے ہاتھ	ذوقؔ حل کیونکر مرا عقدۂ مشکل ہوتا	ذوق
(۹۸)	سب اس میں محو اَور وہ سب سے علیحدہ	آئینہ میں ہے آب نہ آئینہ آب میں	

(۹۹) آتش ہی بہرہ مند نہیں فیض سے ترے — اس خوان پر وہ کون ہے جو میہمان نہیں

(۱۰۰) سخی ہے تو طلب کرتا ہے جو تجھ سے وہ پاتا ہے — درِ دولت سے سائل کونسا محروم جاتا ہے

(۱۰۱) موقوف ایک ہاتھ پہ اس کا کرم نہیں — دینے پہ آئے وہ جو ظفر ہیں ہزار ہاتھ

(۱۰۲) امیر اُس بے نشاں تک سعی سے کوئی جو جا سکتا — تو کیسے پاؤں ہم آنکھوں سے کرتے جستجو رسول

(۱۰۳) نگاہِ پرورش پھیرے اگر لطف و کرم اُس کا — نہو پھر طفل طفلِ اشک کیصورت جواں کوئی

(۱۰۴) لامکاں میں نہ پتہ ہے نہ مکاں میں اُس کا — بے ٹھکانے کے بتائے ہیں ٹھکانے ہم کو

رازق

(۱) ملیگا رزق تقدیری کروں تدبیر کیا ناسخ — وہ ہرزہ ہے ارادہ جو کرے تحصیل حاصل کا

(۲) ہے بیہودہ تلاشِ رزق میں سرگشتگی — آسماں ہمراہ لئے پھرتا ہے خواں بالائے سر

(۳) رازق کی رزاقی میں ہوا شک جو کسیکو — اقرار کیا کیڑے نے پتھر سے نکل کر

(۴) سینکڑوں کوس سے رزق اُڑ کے چلا آتا ہے — پَر لگا دیتا ہے رزاق میرا دانے کو

(۵) رازق نے کیا تجھے پیدا جہاں میں بعد — موجود پہلے رزق تیرا شیر سے ہوا

(۶) ظفر ہے واسطے ہر طفل کے مہیا شیر — کہ رزق ساتھ ہے اپنے بشر لئے آتا

(۷) جب نہ تھے دانت ہمیں آپنے تب یا رازق — خونِ مادر کے تئیں قوتِ رگِ جان کیا

(۸) وہی رزاق مُنہ چیونٹی کا بھی شکر سے بھرتا ہے — وُہی لاتا ہے جُوئے شیر مادر شیر خواروں میں

(۹) غم نہ کھا تجھ سے سوا رازق کو ہے فکرِ رزق — لاکھ دَر وَا ہونگے گر بند ایک در ہو جائیگا

(۱۰) جان دی ہے جسنے تجھ کو نان بھی دیگا وہی — جو تیرا خلاق ہے ناسخ وہی رزاق ہے

(۱۱) بہر روزی ہے عبث گردش جوان و پیر کی — کس نے طفلی میں بھلا تدبیر کی تھی شیر کی

(۱۲) رزق کا کیا غم کہ ہوتا ہے تولد بعد طفل — پہلے بھرتا ہے خدا پستانِ مادر شیر سے

(۱۳) رزق خود اُڑ کے پہنچتا ہے جو تقدیر میں ہو — پَر دیے ہیں مرے رزاق نے ہر دانے کو

(۱۴) بے ہمتی سبب تگ و دو کا ہے۔ ورنہ یاں ۔۔۔ روزی برائے کور و کرو لنگ ہے وسیع ۔۔۔ سودا

(۱۵) رزق تیرا خود ترا جویا ہے یار ۔۔۔ تو تجسس میں عبث ہے کیوں فگار ۔۔۔ لطیف

(۱۶) جستجو رزق کی کرنا ہے عبث اے رازق ۔۔۔ جتنے مرزوق ہیں تو نے اُنہیں مہمان کیا

(۱۷) تے تلاشِ دیں ہو ہم سے اور نہ دنیا کی فکر ۔۔۔ اُس کی رزّاقی ہی دے ہے ورنہ ہم کس کام کے

(۱۸) ملتا ہے روز اس پہ بھی کہتا ہے آدمی ۔۔۔ کل کا بھی رزق دے مجھے پروردگار آج

(۱۹) واہ رے رزّاقی رزّاق و شانِ پرورش ۔۔۔ طفل پیدا ہو۔ تو پیدا شیرِ مادر ساتھ ہو ۔۔۔ اعظم

(۲۰) آنکھ نے کی مدّتوں گردش تو پایا ایک تل ۔۔۔ رزقِ انساں کو مقدّر سے سوا ملتا نہیں

(۲۱) سنگریزے کیا خدا اس کو نہ دیتا باغ میں ۔۔۔ کبک نے رزّاق سمجھا ہے مگر کوہسار کو ۔۔۔ آتش

(۲۲) خدا کو بھول گئے لوگ فکرِ روزی میں ۔۔۔ خیالِ رزق ہے رزّاق کا خیال نہیں ۔۔۔ خلیل

(۲۳) ہوں جہاں میں۔ پر ہے رزقِ عالمِ بالا پہ دھیاں ۔۔۔ ہے صدف محتاجِ نیساں اور مسکن آب میں

(۲۴) دیتا ہے کون کسکو سوا تیرے اے کریم ۔۔۔ ظاہر اگرچہ رزق کا حیلہ بنا دیا

(۲۵) رزق بھیجے ہے فلک پر سے خدا ۔۔۔ تو زمیں پر ڈھونڈتا ہے جا بجا

(۲۶) اے داغ تجھ کو رزق کی خواہش ہے غیر ہے ۔۔۔ اتنا یہ غم کھلائیگا۔ کھایا نہ جائے گا ۔۔۔ داغ

(۲۷) خود مگس اُفتد بدامِ عنکبوت ۔۔۔ رزق را روزی رساں پرمے دہد

(۲۸) چرا غم میخوری از بہرِ روزی درجہاں صائب ۔۔۔ کہ پیش از طفل در پستانِ مادر شیر مے آید ۔۔۔ صائب

(۲۹) غمِ روزی مخور برہم مزن اوراقِ دفتر را ۔۔۔ کہ پیش از طفل ایزد پُر کند پستانِ مادر را

(۳۰) جستجو از بہرِ روزی باعثِ شرمندگی ست ۔۔۔ زیں خجالت آسیا انگشت دارد در دہن

(۳۱) رزقِ ما آید بہ پائے مہماں از خوانِ غیب ۔۔۔ میزباں ما نیست ہر کس میشود مہمانِ ما

(۳۲) میرسد روزی بہ ہر کس در خورِ ہمت زِ غیب ۔۔۔ گے بدامِ عنکبوت افتد شکارے جز مگس

(۳۳) قولِ رازقِ معبود ہے بے صبروں سے ۔۔۔ دیکھو بھر دیتے ہیں ہم کاسۂ سائل کیونکر ۔۔۔ فصاحت

(۳۴) فیضِ نیسانِ کرم سے میزباں تک سیر ہیں ۔۔۔ رزق پہنچاتا ہے رازق منہ صدف کا چیر کر ۔۔۔ برق

(۳۵) اندیشہ مجھ کو سختئِ ایّام سے نہیں
رزّاق رزق دیتا ہے کیڑے کو سنگ میں

(۳۶) رزق کا ضامن خدا شاہد کلام اللہ ہے
تسپہ اپنی حاجتوں کے روز حاجتمند ہیں

(۳۷) رزّاق قتئے کریم ہے کیا جلّ شانہٗ
چودہ طباق رزق ہیں چودہ طبق نہیں

(۳۸) من نمے دانم کہ رزقِ من کجا سر مے زند
از برائے رزقِ من جبّار خنجر میزند

(۳۹) اے صدف کیوں منہ پسارے ہے کہ اُس رزّاق کو
ہے جہاں پہنچانا آبِ دانہ واں ہی پہنچیگا

(۴۰) زمیں پر آکے مرغانِ ہوا چھانیں نہ خاک اُٹھی
پہنچ جائیگا منہ میں آپ جو قسمت کا دا

(۴۱) صنّاعِ ازل

(۱) گر شبیہ اس طفل کی بنجائے ہر طفل سرشک
اے مصوّر تیری صنّاعی کو کچھ مشکل نہیں

(۲) ہر ذرّے کو ایجاد سے تیری حرکت ہے
موجود ہو دہر میں کب ارض و سما آپ

(۳) تحریک ہے یہ اُس یدِ قدرت کی ورنہ
بیدست و پا صبا سے کوئی پا ہل سکے

(۴) اُسکے ہم صدقے مٹایا جسنے باہم کرکے خلط
آتشِ تیز و ہوا و آب و گِل کا اضطراب

(۵) اَے صانعِ ازل تیری قدرت کے ہیں نثار
کیا صورتیں بنائی ہیں مُشتِ غبار سے

(۶) بنایا خاک سے سب کو جُدا پر سب کی صورت ہے
سوا تیرے یہ اے صنّاعِ عالم کس میں قدرت ہے

(۷) دیکھ غافل صانعِ قدرت کی تو صنعت گری
ایک مشتِ خاک کو کیا صورتِ انساں کیا

(۸) اپنی ہستی سے ہے ذاتِ صانعِ عالم کا ظہور
ہے کوئی موجد ہمارا۔ جس کی ہم ایجاد ہیں

(۹) قدرت نمائیوں میں نہیں کچھ سبب کو دخل
بے تیل جل رہا ہے چراغِ آفتاب کا

(۱۰) کام کیا پھولوں سے خواہاں اس مصوّر کا ہوں میں
جس نے کھینچا ہے مرقعِ عالم تصویر کا

(۱۱) اے اہلِ نظر۔ عالمِ تصویر کو دیکھو
تصویر کا کیا دیکھنا۔ تصویر کا کیا ہے

(۱۲) اس خطِ رُخ میں منشئ قدرت نے صنع کی
دو صفحوں میں کتاب کا مطلب تمام ہے

(۱۳) کلکِ صنّاعِ ازل کی دیکھ رنگ آمیزیاں
واہ کیا نقش و نگارِ صفحۂ ایجاد ہیں

نیرنگیاں ہیں جلوۂ قدرت کی ہر طرف ۔۔۔ دنیا مری نظر میں طلسمات ہو گئی

بیاں مخلوق سے کب ہو سکے خالق کی صنعت کا ۔۔۔ جو خود مصنوع ہو وہ کہہ سکے کیا رازِ صنعت کا

آب و تابِ چشمِ جاناں دیکھ کر ثابت ہوا ۔۔۔ بھر دیئے ہیں صانعِ قدرت نے موتی کوٹ کر

صانع ہے وہ یہ صورتیں ہیں اسکی صنعتیں ۔۔۔ اللہ ہے قدیم - یہ عالم جدید ہے -

بنایا صانعِ قدرت نے تجھ کو رشکِ گلدستہ ۔۔۔ دہن ہے غنچہ - آنکھیں نرگسِ شہلا ہیں رُخ گل ہے

جمال حور کا مٹی کی مورتوں کو دیا ۔۔۔ کمالِ صنعتِ پروردگار دیکھ چکے (دبیل)

تیری قدرت کا اے خالق یہ ادنیٰ سا نمونہ ہے ۔۔۔ کہ ہم اس عالمِ ایجاد میں ایجاد کرتے ہیں

اُسی کے ہیں یہ سب نقش و نگار اے ربطؔ کھول آنکھیں ۔۔۔ مصوّر ہے وہ ممدوحِ زماں عالم مرقع ہے (ربط)

جی چاہتا ہے کہ قدرتِ صانع پہ ہوں نثار ۔۔۔ تجھ کو بٹھا کے سامنے یادِ خدا کروں (امانت)

راتوں کو ستاروں کی ذرا جلوہ گری دیکھ ۔۔۔ کیا چمکے ہیں غافل - یہ عقیقِ جگری دیکھ

چار ابرو میں تری - حیراں ہیں سارے خوشنویس ۔۔۔ کس قلم کا قطعہ ہے یہ کاتبِ تقدیر کا (آتش)

دہد نطفہ را صورتے چوں پری ۔۔۔ کہ کردست برآب صورت گری (سعدی)

واہ کیا شکل ہے ہر بُت کی شباہت کیسی ۔۔۔ آپ تو کیسا ہے صانع تیری قدرت کیسی (رند)

پیدا کئے کیا کیا ہیں حسین قدرتِ حق نے ۔۔۔ اور ایک سے پھر ایک کی صورت نہیں ملتی (سحر)

ایک ایک سے دلچسپ ہے جو عضوِ بدن ہے ۔۔۔ یارب یہ طرحدار ہیں کن سانچوں میں ڈھالے (رند)

ہوش اڑا دیتا ہے ان خاک کے پتلوں کا جمال ۔۔۔ خود وہ کیا ہوگا انہیں ہوش میں لانیوالا

دیکھا نہیں کسی نے اُس یارِ نازنیں کو - ۔۔۔ لیکن یہی سُنا ہے بے انتہا حسیں ہے

دیدنی ہیں یہ غرض صانعِ قدرت کے رنگ ۔۔۔ کیا ہی موقعہ پہ لگا ہے ہر اک گل بوٹا ( )

ہے یہ تیرے حُسن کی تعریف مختصر ۔۔۔ کہ جو تو حسیں نہیں تو کوئی حسیں نہیں

اختیاری نہیں ہر بار بنے ایسی شکل ۔۔۔ کھچ گیا صانعِ ایجاد سے نقشہ تیرا (رند)

دلچسپ مرقع ہے ہر اک نقش ہے یاں کا ۔۔۔ نقشہ کسی اوستاد نے کھینچا ہے جہاں کا "

(۳۵) صانع قدرت نہیں گر جلوہ فگن پھول میں — پھر شمیم حسن کا کیسی ہے مسکن پھول م

(۳۶) چوم لیتا گر میں پاتا دست نقاش ازل — صفحۂ عالم پہ کس کس رنگ کی تصویر

(۳۷) عجب مرقع ہے باغ دنیا کہ جس کا صانع نہیں ہویدا — ہزارہا صورتیں ہیں پیدا پتہ نہیں صورت آفر

(۳۸) عجب اے باغبان نقاش عالم کی بھی صنعت ہے — ہر اک گل کی نئی تصویر کھینچی ہے گلستاں

(۳۹) تیری قدرت نے دکھائی ہے عجب نیرنگی — سب کیے تو نے جدا شکل میں انساں

(۴۰) دست قدرت سے بنایا ہے خدا نے نخل تن — دخل معمار اس میں ہے نہ دخل ہے مزدور

(۴۱) چشم حق بیں سے جو اُس بُت کو سراپا دیکھا — صنعت صانع قدرت کا تماشا دیکھ

(۴۲) کھنچے ایسے کہ کھنچا اک طرف ہے دونو عالم کا — مصوّر خود سمایا رنگ ہو کر ان کی صورت میں

(۴۳) صورت ہے بتوں کی۔ کچھ اللہ کی قدرت ہے — ہر جلوے میں اک اور ہی جلوہ نظر آ

(۴۴) بنایا جب ترے پُتلے کو دست قدرت نے — ہر ایک عضو بدن اُس کو بے مثال دی

(۴۵) کوئی بانی ہے بیشک محفل زیبائے عالم کا — نہ ہو یوں منتظم محفل نہ جبتک محفل آرا

(۴۶) مٹ گئے جسکی تمنا میں ہزاروں نقشے — کھینچی تصویر یہ اے صانع قدرت کیس

(۴۷) چل رہی ہے جس سے جسمانی مشین — کوئی پوشیدہ کمانی اور ہے

(۴۸) باغباں کی کارفرمائی سے دیتا ہے خبر — گلشن عالم میں چلنا صرصر تغییر ک

(۴۹) صفحۂ دہر پہ صورت گرِ قدرت نے امیر — اُس کی تصویر وہ کھینچی کہ قلم توڑ دیا

(۵۰) صانع کو دیکھنا ہے تو عالم پہ کر نظر — آئینہ آئینہ ہے خود آئینہ ساز کا

(۵۱) آئیگی تجھکو نظر صانع عالم کی جھلک — سامنے کچھ نہ رکھ آئینۂ فطرت کے س

ناخدائے حقیقی

(۱) ناخدا کو چھوڑ کر۔ جن کی خدا پر ہے نگاہ — ہر طرح محفوظ کشتی انکی طوفانوں میں ہے

(۲) احسان ناخدا کے اُٹھائے مری بلا — کشتی خدا پہ چھوڑ دوں۔ لنگر کو توڑ دوں

(۳) کشتیٔ ما در فنا افتاد ملاح را بگو — ما خدا داریم ما را نا خدا درکار نیست (ظفر)

(۴) تباہی میں ہے لازم یادِ حق اہلِ توکّل کو — خدا پر چھوڑتا ہے ناخدا کشتی کو طوفاں میں (آتش)

(۵) بحرِ الفت میں تباہی کا ہے اندیشہ کسے — ناخدا جو نہیں رکھتے وہ خدا رکھتے ہیں ״

(۶) خدا کہیں تو لگا دیگا اپنا فضل بیڑہ — نہ ہو۔ اگر نہیں کشتی کا ناخدا پیدا

(۷) خداوندا بحقِ نوحؑ اب تو ناخدائی کر — محیطِ بیکراں ہے اور مری کشتی ہے طوفاں میں (رند)

(۸) ناخدا در کشتیٔ ما گر نہ باشد گو مباش — ما خدا داریم ما را ناخدا درکار نیست ״

(۹) طوفان آئیں یا کہ مخالف ہوا چلے — کشتی اگر تو چاہے تو بے ناخدا چلے ״

(۱۰) کس کو اندیشہ تباہی کا ہے بحرِ عشق میں — جسنے کشتی دی ہے وہی ناخدا دیگا مجھے ״

(۱۱) ہمیں کیا خوف ہے طوفان آئے یا بلا ٹوٹے — ہماری کشتیٔ امید کے جب ناخدا تم ہو

(۱۲) الٰہی موقع مدد کا ہے یہ آئے یادِ مراد — ڈوبتی ہے اپنی کشتی ناخدا ملتا نہیں

(۱۳) نہ ہو مایوس تم اے بحرِ غم میں ڈوبنے والو — خدا آتا ہے ایسے وقت خود ہی ناخدا ہو کر

(۱۴) بیڑہ لگا دے پار مرا میرے ناخدا — کشتی محیطِ عشق میں طوفاں رسیدہ ہے (مشرب)

(۱۵) ناخدائے ما خدا و کارساز ما خدا است — دیگراں را ناز بر خود ہست و ناز ما خدا ست

(۱۶) ورطۂ غم سے خدا نے ہی نکالا اے رند — ناخدائی کی مری کشتیٔ طوفانی پر (رند)

(۱۷) زورقِ تن کشتی ہے دریائے ہستی میں تباہ — ناخدا بہرِ خدا اینو یہ کشتی پار ہو

(۱۸) ناخدا اگر نہ ہو خدا ہے کرہم — پار ہوتے نہیں سفینوں سے

(۱۹) ناخدا بھی ناخدائی کر چکے — اب خدا کا آسرا ہے اور بس

(۲۰) بچ کے طوفاں سے پہنچ جائیگی ساحل تک بخیر — گر خدا کشتی کا اپنی ناخدا ہو جائیگا (رند)

(۲۱) کشتی عبث ڈبوئی جو ساحل نہ تھا نہ تھا — دریا میں نظارہ بھی کہیں اور ناخدا نہ تھی (رند)

(۲۲) کشتیٔ مے آج سرعت میں ہوا سے کم نہیں — نوح گر ساقی نہیں تو ناخدا سے کم نہیں

(۲۳) مجھے اے ناخدا آخر کسی کو منہ دکھانا ہے — بہانہ کر کے تنہا پار اتر جانا نہیں اچھا

(۲۴) وہی بیڑہ مرا کردیگا پار اک آن میں جس نے
تباہی سے بچایا نوح کی کشتی کو طوفاں میں

(۲۵) ڈوبے نہ بحرِ غم میں وُہ جسکو بچائے تو
کشتیٔ نوح اس کے لئے ہر حباب ہو

(۲۶) یہ کشتی ہم فقیروں کی ہے گویا نوح کی کشتی
اگر طوفاں بھی ہو ڈوبے نہ یا معبود پانی میں

(۲۷) دستِ قدرت نے مجھے آپ بنایا ہے تو پھر
کونسا کام ہے میرا کہ خدا ساز نہیں

(۲۸) اے دل اگر سیلِ فنا بنیادِ ہستی برکند
چوں ترا نوح است کشتی بان ز طوفاں غم مخور

(۲۹) قلزمِ عشق میں تنکے کا سہارا بھی نہ ڈھونڈھ
آسرا وہ نہیں لیتے جو خدا رکھتے ہیں

(۳۰) ہم کو ساحل تک خُدا پہنچائیگا اے ناخُدا
اپنی کشتی کی بیاں تجھ سے تباہی کیا کروں

(۳۱) راہرو کے واسطے رہبر کا ہونا ہے ضرور
غرق وُہ کشتی ہے جس کا ناخدا ہوتا نہیں

(۳۲) کیا فکر اُس کو بحرِ حوادث کے جوش کا
جس شخص کے جہاز کا ہو ناخُدا خُدا

(۳۳) طوفانِ بحرِ عشق میں کب سے تباہ ہے
اے ناخدا کہیں مری کشتی ڈبو چکے

(۳۴) ناخدائی بحرِ الفت کی ہے زیبا عشق کو
لیگیا ساحل تلک کشتی جو طوفانی ہوئی

(۳۵) کشتی خدا پہ چھوڑ کے بیٹھا ہے مطمئن
دریا میں پھینک دُوں نہ کہیں ناخدا کو میں

(۳۶) ہوا مخالف و شب تار و بحرِ طوفاں خیز
گسست لنگرِ کشتی و ناخدا خفت است

(۳۷) ہم تو گردابِ حوادث میں ہیں۔ کیا دم ماریں
لوگ ساحل کے ہنسیں کشتیٔ طوفانی پر

(۳۸) تلاطم سے محیطِ عشق کے عاشق کو کیا ڈر ہے
نہیں کچھ نوح کی کشتی کو خوفِ غرق طوفاں میں

(۳۹) کوئی طوفان آیا یا ہمارے کان بجتے ہیں
ذرا اے بندگانِ ناخدا ہشیار ہو جانا

(۴۰) وہ بحرِ غم میں کشتیٔ دل کیا ڈبوئینگے
سر پر خدا نہ ہو تو ڈریں ناخدا سے ہم

(۴۱) ابھی تو ناخدا کے بعد میرا اک خدا بھی ہے
حوادث کیوں تڑپ کر رہ گئے آغوشِ طوفاں میں

(۴۲) سفینہ جبکہ کنارے پہ آ لگا غالب
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہئے

(۴۳) ناخدا ہے جو خدا پار ہے بیڑہ میرا
پھینک دے توڑ کے کشتی سے الگ لنگر کو

(۴۴) کہہ رہا ہے جرسِ قلب بہ آوازِ بلند
گم ہو رہبر تو ابھی راہِ خُدا پیدا ہو

(۴۵) خدا پہ چھوڑ کے کشتی مزے سے بیٹھ رہے — خدا کے بندوں کو جب کوئی ناخدا نہ ملا (رئیس)

(۴۶) کیوں ساحل اجل تک دشوار ہو پہونچنا — طوفانِ بحر میری کشتی کا ناخدا ہے (ذکی)

(۴۷) کشتی اس کی نہ ڈوبے صورتِ موج — جو کہ طوفاں کو ناخدا جانے (ناسخ)

(۴۸) کیا برباد سعیِ ناخدا کو میری قسمت نے — کہاں لا کر ڈبویا جبکہ ساحل پر سفینہ تھا

(۴۹) میں سمجھتا ہوں کہ ساحل بھی ہے گردابِ فنا — ناخدا کا اپنے سر پہ بارِ احساں دیکھ کر (شوکت)

(۵۰) ناخدا کو نہیں ابتک تہِ دریا کی خبر — ڈوب کر دیکھے تو بیگانۂ ساحل ہو جائے (یاس)

(۵۱) بہت خوش ہوں خدا یاد آرہا ہے اس مصیبت میں — مری کشتی کو اے طوفاں یونہی زیر و زبر رکھنا (آسی)

(۵۲) لبِ دریا کا ہوا ہیں نہ تہِ دریا کا — ناخدا کون سے گھاٹ اب لئے جاتا ہے مجھے (یاس)

(۵۳) امّید ناخدا کی کہاں بحرِ عشق میں — شانِ خدا کی آس تباہی میں رہ گئی

(۵۴) دُور ساحل ہے تو ہو، تہ تو ہے کشتی کے تلے — جوشِ طوفاں ہے مددگار جو ملّاح نہیں (ناسخ)

(۵۵) بحرِ گند میں غرق ہوں کر رحم اے کریم — کشتی ہماری پار لگا۔ ناخدا کے ہاتھ (عاجز)

(۵۶) جز خدا آشنا نہیں کوئی — کشتی ٹوٹی ہے اور ساحل دُور (بیان)

(۵۷) بسم اللہ کہہ کے کود پڑوں بحرِ عشق میں — کشتی و ناخدا نہ سہی کیا خدا نہیں (انور)

رحمت پروردگار

شوق سے لکھیں فرشتے میرے عصیاں رات دن — ایک رحمت اسکی ہے اس سارے دفتر کا جواب (امیر)

تا ہو نچھوں پہ دیا کرتے ہیں زاہد کے حضور — تیری رحمت پہ جو رکھتے ہیں گنہگار گھمنڈ

منحصر ہے مجرموں پر شانِ رحمت کا ظہور — ہے خطائے فاش۔ اگر تقصیر ہو تقصیر میں (امیر)

رحمت کے واسطے بھی تو کچھ نذر چاہیئے — اے عاصیو گناہ سے بچنا گناہ ہے (اکبر)

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر — چیخ اٹھا ہر بیگنہ میں بھی گنہگاروں میں ہوں (امیر)

ہیں روزِ حشر شرکتِ عصیاں سے ہوں خجل — رحمت ہے شاد مجھ کو گنہگار دیکھکر (بدر)

(۷) رحمت اگر یقینی ہے تو کیا ہے زہد شیخ
اے بیوقوف جائے عبادت گناہ کر

(۸) رحمت یہ چاہتی ہے کہ اپنی زبان سے
کہدے گنہگار کہ تقصیر ہو گئی

(۹) دیکھ کر محشر میں لرزاں خوفِ عصیاں سے مجھے
رحمتِ حق کہہ رہی ہے کب میں تجھ سے دور

(۱۰) اس تنک تھا کثرتِ عصیاں سے نادم اے کریم
آج شرمندہ ہوں اپنی قلتِ تقصیر سے

(۱۱) گنہگار پہ رحمت کی وہ ادا دیکھی
کہ بے گنہ پکارا گنہگار ہوں میں

(۱۲) الٰہی کون سے مجرم کی آمد ہے قیامت میں
ہوا ہے حکم رحمت کو یہ کس کی پیشوائی

(۱۳) عفو ہو جائینگے ہر چند کہ لاکھوں ہوں گناہ
یہ عطا ہے تیری رحمت کے قریں تھوڑی سی

(۱۴) مجھ کو گنہگار سمجھ کر چھپا لیا
دامن میں اپنے رحمتِ پروردگار نے

(۱۵) اپنے انداز کو رحمت نے سنوَر کر دیکھا
آئینہ بن گئیں شکلیں جو گنہگاروں کی

(۱۶) نہ رہ جائے کہیں تو زاہدا محروم رحمت سے
گنہگاروں میں سمجھا گر نہ اپنی بیگناہی کو

(۱۷) میرے عصیاں کی عجب شان ہے جسپر سو بار
صدقے ہوتے ہوئی اللہ کی رحمت دیکھی

(۱۸) اس طرف رُخ تیری رحمت کا جو دیکھا دمِ حشر
رل گئے دوڑ کے زاہد بھی گنہگاروں میں

(۱۹) ایسی قسمت اے واعظ ارم ٹھہرائی رحمت نے
جو داغ معصیت دیکھا تھا تو نے اپنے دامن

(۲۰) ناز کیونکر ہو گنا ہوں پہ نہ مجھ کو اے کریم
پیار کرتی ہے تری رحمت مری تقصیر کو

(۲۱) ہے گنہگاروں کی خاطر اس کی بخشش اے ظفر
مستحقِ عفوِ رحمت ہم نہ ہوں تو کون ہو

(۲۲) جب ناز ہے رحمت پہ تو کہہ سکتے ہیں یہ بھی
ہم سب کی طرف سے ہیں گنہگار خدا کے

(۲۳) جو تُلے پر ہے رحمت ۔ دیکھ لینا حشر آنے دو
گنہگاری مری جیتے گی میداں بے گناہی سے

(۲۴) تیری رحمت ہے جدھر ہے وہی پلہ بھاری
دیکھ ادھر اَور ضرورت ہے گنہگاروں کی

(۲۵) لو عفو معاصی کی لگائے رہیں عاصی
رحمت کو بہت آتے ہیں بخشش کے بہانے

(۲۶) نہیں چھٹتا ہے داغ معصیت اشکِ ندامت سے
برائے شست و شو ہوں منتظر بارانِ رحمت کا

(۲۷) سیہ کاروں ہی کی خاطر ہے رحمت خاص اے زاہد
یہی ہے ظلمات کی قسمت میں چشمہ آبِ حیواں کا

(۲۸) اُس کی بخشش نہیں پابندِ عمل او واعظ ۔۔۔ وہ کرے رحم تو اک بات پہ چھٹکارے ہیں

(۲۹) نازاں ہیں اپنے زہد و عبادت پہ اہلِ زُہد ۔۔۔ یاں آسرا ہے رحمتِ پروردگار کا (جرأت)

(۳۰) دوزخ میں مجھ کو جھونک چکے تھے مرے عمل ۔۔۔ قربان شانِ رحمتِ پروردگار کے (امیر)

(۳۱) شعلۂ نارِ عقوبت سے جو ڈرے اہلِ گناہ ۔۔۔ ابر بن بن کے برسنے لگی رحمت تیری (امیر)

(۳۲) گھیرا کیا رحمتِ غفّار نے مجھ عاصی کو ۔۔۔ جب بڑھی یاس سزاوارِ جہنّم ہو کر (فصاحت جنگ)

(۳۳) برسا رہی ہے رحمتِ حق پھول عفو کے ۔۔۔ محشر میں میرے دفترِ عصیاں کے آس پاس (محوی)

(۳۴) عاصیوں کو دیکھ کر آغوشِ رحمت میں امیر ۔۔۔ بے گناہوں کو قیامت میں پشیمانی ہوئی (امیر)

(۳۵) دوزخ اگر وسیع تو رحمت وسیع تر ۔۔۔ "لَا تقنطوا" جواب ہے "ہَل من مزید" کا (حالی)

(۳۶) واہ رے رحمت جو رکھا پاؤں بالائے صراط ۔۔۔ دستگیری امن نے کی خوف رخصت ہو گیا (امیر)

(۳۷) عفو کے قابل مرے اعمال کب ہیں اے کریم ۔۔۔ تیری رحمت پر ہے تیری مہربانی پر گھمنڈ (؍؍)

(۳۸) فکرِ عصیاں کی نہیں کچھ غمِ فردا کیسا ۔۔۔ ناز رحمت پہ تری ہے مجھے کیسا کیسا (موجد)

(۳۹) عریاں اٹھوں تو دامنِ رحمت میں دے جگہ ۔۔۔ ڈھک جائے اس طرح سے بدن تیرے غفور کا (امیر)

(۴۰) ثبوتِ جرم پہ اندیشہ کیا رہا باقی ۔۔۔ رحیم جب تجھے تقصیر وار دیکھ چکے

(۴۱) گرمیٔ خورشیدِ محشر کیا جلا دیگی ہمیں ۔۔۔ ابرِ رحمت حال پر اپنے کرم فرمائے گا

(۴۲) آپ کے شہرۂ رحمت نے تو ڈھایا ہے غضب ۔۔۔ ایک عالم کو گنہگار بنا رکھا ہے

(۴۳) الٰہی ہم نہیں مایوس فرطِ حرماں سے ۔۔۔ کہ دل میں ہے تیری رحمت کا آسرا باقی

(۴۴) جب جوش پر آتا ہے ترا قلزمِ رحمت ۔۔۔ حسرت سے فرشتے ہیں گنہگار کو تکتے (داغ)

(۴۵) تیری رحمت کے صدقے دھو دیا سارے گناہوں کو ۔۔۔ معاصی کا نہیں ہے نام بھی اب فردِ عصیاں میں

(۴۶) کیا عجب ہم سے گنہگار بھی بخشے جائیں ۔۔۔ تیری رحمت کا اشارہ ہو تو جنت کیا ہے

(۴۷) بھروسہ کرم پر ہے ہم عاصیوں کو ۔۔۔ غضب پر سمجھتے ہیں رحم اس کا فائق

(۴۸) قہر کے رعب سے پیچھے جو ہٹیں گے مجرم ۔۔۔ دل بڑھاتی ہوئی آگے تیری رحمت ہو گی (امیر)

(۴۹) حشر میں بھیڑ گناہوں کی تو ہوگی پیچھے — اور گنہگاروں کے آگے تیری رحمت ہوگی

(۵۰) وہ مجرم ہوں گنہ کا عذر بھی میں کر نہیں سکتا — کہ رحمت اُس کی شرماتی ہے میری عذر خواہی سے

(۵۱) حشر میں جس نے کہا بندہ خطاکار ہوں میں — رحمت اُس کی بولی تو پہلے اُن گنہگاروں میں ہے

(۵۲) دوڑتا ہے جو ترا قہر گنہگاروں پر — آگے آجاتی ہے بڑھ کر تیری رحمت کیسی

(۵۳) رحمت قدم نہ رنجہ کرے گر تیری ادھر — یا رب ہے کون پھر تو ہمارے گناہ کا

(۵۴) غنیمت ہے کہ رحمت نے کسی کی رکھ لیا پردہ — قیامت ہے اگر اعمال کی پرسش میں ہوتی

(۵۵) واعظوں سے سُنکے تیرا ذکر رحمت اے کریم — مے کشوں کو آتش دوزخ کا ڈر جاتا رہا

(۵۶) بادہ خوار و تمکو کیا خورشید محشر کا ہے خوف — چھا رہا ہے ابر رحمت آشیانے کی طرح

(۵۷) پیتے ہیں جھوم جھوم کے رندانِ بادہ نوش — رحمت کو دیکھ دیکھ کے ابر بہار میں

(۵۸) جوشِ کرم سے بڑھ گئی اُمیدِ مغفرت — رحمت تری نے مجھ کو گنہگار کر دیا

(۵۹) ابر و باراں کے نہ کیوں لطف اُٹھائیں میخوار — کہ اُٹھاتے ہیں گنہگار ہی رحمت کے مزے

(۶۰) موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا — بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا

(۶۱) بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا — کرتا نہ میں گنہ تو گناہِ عظیم تھا

(۶۲) بچتے ہیں گنہگار اگر رحم کرے تو — پھر قہر ہوا طبع اگر عدل پر آئی

(۶۳) تونے ہر حالت میں رحمت اے مرے غفار کی — جس خطا سے توبہ ہم نے کی۔ وہی سو بار کی

(۶۴) مرے گناہوں سے ہے انکی مغفرت کی نمود — گناہ اگر نہ کروں تو گنہگار ہوں میں

(۶۵) نوبت نہ معذرت کی ہوئی اس کریم سے — باعث ہوئے نجات کے میرے قصور آپ

(۶۶) رحمتِ حق ہے سبب میری گنہگاری کا — ابر کرتا ہے اشارہ مجھے میخواری کا

(۶۷) مستوں کو اس قدر تیری رحمت پہ ناز تھا — توبہ نہ کی اگرچہ درِ توبہ باز تھا

(۶۸) رحمت تری وسیع۔ میں ناچیز روسیاہ — البتہ کیا بساط ہے میرے گناہ کی

(۶۹) حریصِ جرم کیا ہے بہ عفو نے تیرے — کہ مانگ لوں اگر ابلیس سے گناہ ملے

(۷۰) بڑی سرکار ہے وہ میرے گناہ تھوڑے ہیں
ہائے کیا حشر میں رحمت سے ندامت ہو گی

(۷۱) کریم جان کے تجھ کو خطائیں کیں یا رب
مرے گناہ سزاوارِ انتقام نہیں (امیر)

(۷۲) بخشا امیر روزِ ازل ہی کریم نے
یاں پہلے مغفرت ہوئی پیچھے خطا ہوئی (〃)

(۷۳) قہر نے حشر میں یہ کہہ کے چھڑایا مجھ کو
جانے دے اس کی طرفدار ہے رحمت میری (〃)

(۷۴) اس کی رحمت سے جو ہو خاتمہ بالخیر امیر
پھر ہے سب سہل کڑی ہے یہی منزل مجھ کو (〃)

(۷۵) کچھ اور بڑھ گئے مرے عصیاں کے حوصلے
تو نے غضب کیا کہ خطا پوش کر دیا

(۷۶) منزلِ رحمتِ حق ظلمتِ عصیاں ہے امیر
روشنی صبح کی یہاں تیرہ گئے شام میں ہے (〃)

(۷۷) تیرے جلال میں بھی مزہ ہے جمال کا
چشمِ کرم چھپی ہے غضب کی نگاہ میں 〃

(۷۸) سیاہ نامۂ اعمال ہو چکا پھر بھی
امیدِ رحمتِ پروردگار باقی ہے

(۷۹) نہیں ہے رحمتِ بیحد کا کچھ تیری پایاں
گناہ میرے نہیں گو شمار کے قابل (جلال)

(۸۰) میرے عمل تو قابلِ دوزخ ہی تھے مگر
کرتا جو وہ نہ رحم تو رحمت سے دور تھا

(۸۱) آنکھیں تو تو نے دی ہیں اے جرم بخشِ عالم
کیا تیری رحمت آگے اپنے گناہ دیکھوں

(۸۲) دیکھ اے رحمتِ حق میرے گلے سے نہ لپٹ
میں گنہگار ہوں آلودہ ہے دامن میرا

(۸۳) دھوم محشر میں ہوئی جب تیری آمرزش کی
بیگنہ مل گئے چھپ چھپ کے گنہگاروں میں

(۸۴) ہاتھوں سے میرے دامنِ رحمت چھڑا تو لے
ہاں ہاں یہ جانتا ہوں کہ تقصیر ہو گئی (عزیز)

(۸۵) ہے میرے دل کو خدا ہی کی رحمتوں کی طلب
کہ وہ وسیع بھی ہیں اور بے حساب بھی ہیں

(۸۶) اب عفو وہ کریں نہ کریں اختیار ہے
امیدِ عفو میں۔ میں گنہگار ہو چکا (امیر)

(۸۷) زاہد تو بخشے جائیں گنہگار منہ تکیں
اے رحمتِ خدا تجھے ایسا نہ چاہیئے

(۸۸) کیوں نہ درد اپنی سیہ کاری کے صدقے جاؤں میں
چھائی ہیں کالی گھٹائیں رحمتوں کا جوش ہے (درد)

(۸۹) عفو کے شوق میں دانستہ گناہ کرتا ہوں
مجھ سا عاصی نہیں اور تجھ سا خطا پوش نہیں (زر)

(۹۰) مجرموں کے واسطے ہے بحرِ رحمت موجزن
کانپتا ہے خوفِ عصیاں سے عبث نادم روح وزیر

(۹۱) نصیبِ ما رحمت بہشت است خدا شناس برو
کہ مستحقِ کرامت گنہگاراں اند

(۹۲) کھول دو دفترِ اعمال کو تم بھی محسن
ابرِ رحمت اُمنڈ آیا ہے گنہگاروں پر

(۹۳) رحمتِ حق نے بہت دیکھ لی ایماں کی بہار
اب ذرا سامنے رعنائیِ عصیاں کر دیں

(۹۴) ہے جوشِ رحمتِ حق میری شرمساری پر
ہے نازِ عفو کو اپنی سیاہ کاری پر

(۹۵) رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

(۹۶) حضرتِ واعظ نہ اب ذکرِ جہنم کیجئے
میں تو سنتا ہوں کہ اس کی رحمت عالمگیر ہے

(۹۷) جُرم کے عفو کی تدبیر بہُت اچھی ہے
بیگنہ رہنے سے تقصیر بہت اچھی ہے

(۹۸) چھپے دامنِ ابرِ رحمت میں آخر
سیہ کاریوں میں بسر کرنے والے

(۹۹) خیال چھوڑ دے زاہد تو بیگناہی کا
رکھے ہے شوق اگر رحمتِ الٰہی کا

(۱۰۰) رحمت نے اس کی اور بھی گستاخ کر دیا
مطلق نہیں خیال گناہِ عظیم کا

(۱۰۱) فقط امید ہے بخشش کی تیری رحمت سے
وگرنہ عفو کے قابل مرے گناہ نہیں

(۱۰۲) واعظ مرا معاملہ میرے خدا کو سونپ
میں ہوں گناہ گار وہ آمرزگار ہے

(۱۰۳) شانِ رحمت دیکھ کر زاہد کو پچھتانا پڑا
کیا مزہ ہے مینے پی۔ اس کو پشیمانی ہوئی

(۱۰۴) وہی فضلِ الٰہی ہے شریکِ مجرماں ہر دم
وہی بخشش وہی رحمت جو آگے تھی سو اب بھی ہے

(۱۰۵) خدا کی شانِ کریمی کو پوچھے ہم سے کوئی
گنہگار بھی ٹھہرے۔ تو بیگناہ رہے

(۱۰۶) رحمت تری نے دی ہے مجھ کو امیدِ بخشش
خوفِ جزائے فردا ہوگا نہ تھا نہ اب ہے

(۱۰۷) بلا میں ڈال رکھا ہے گنہگاروں کو واعظ نے
الٰہی بخشش دے سب کو دکھا دے شانِ رحمت کی

(۱۰۸) زاہد ثواب ڈھونڈیں قیامت کیواسطے
ہم تو گناہ کرتے ہیں رحمت کے واسطے

(۱۰۹) وہاں وہ شانِ آمرزش یہاں شرم تہیدستی
کوئی گوشہ نہیں ملتا چھپے غیرت جہاں میری

(۱۱۰) رحمت نے بڑھ کے اسکو گلے سے لگا لیا
دیکھا مجھے جو حلقۂ شرم و گناہ میں

(۱۱۱) سایۂ دامنِ رحمت میں ہیں عاصی زاہد
دیکھ کیا حشر میں رتبہ ہے گنہگاروں کا

(۱۱۲) سروں پر میکشوں کے ابر کا سایہ تھا دنیا میں
عجب کیا اُسکی رحمت گھیر لے انکے مزاروں کو — دلگیر

(۱۱۳) ہیں بے خطا گناہ کیئے گو کہ اے کریم
رحمت کو بھولتے تو ہمارا قصور تھا — خورشید

(۱۱۴) مزے کیا کیا گناہوں میں گنہگاروں کو آتے ہیں
تیری رحمت نے وہ پیدا کیئے ہیں لطف عصیاں میں — خنجر

(۱۱۵) گنہگاروں کا حصہ ہے ترے دریائے رحمت میں
تبھی تو بڑھ گیا ہے حوصلہ کچھ نیک سے بد کا

(۱۱۶) واعظا کس کو ڈراتا ہے عذابِ حشر سے
ناز ہے بادہ کشوں کو رحمتِ غفّار پر — انور

(۱۱۷) خوب میخانے پہ رحمت کی گھٹائیں برسیں
بادہ نوشوں کو جو آلودۂ عِصیاں دیکھا — ″

(۱۱۸) ہیں گنہ کرکے گنہگار تمہارا ٹھہرا
نسبتِ خاص لگی ہاتھ۔ خطا سے مجھ کو — ″

(۱۱۹) کاتبِ اعمال جو چاہیں لکھیں کچھ غم نہیں
ہے نظر اس پر کہ جس سے قہر کوسوں دُور ہے — ″

(۱۲۰) جرأت گناہ کرنے کی عاصی کو بڑھ گئی
رحمت کو تیری اے مرے غفار دیکھ کر — برہم

(۱۲۱) گرم بازاریئے بازارِ کرم سُن سُنکر
ہم نے عِصیاں کا اِک انبار لگا رکھا ہے — بیتاب

(۱۲۲) مجھے بھی نقد آمرزش کی محشر میں ضرورت ہے
شہنشاہا کمی کیا ہے تیری سرکار رحمت میں — بیان

(۱۲۳) غل ہو گیا کہ ایسا گنہگار بچ گیا
رحمت کی دھوم ہو گئی میرے گناہ سے — آہ

(۱۲۴) رِندوں کو ہے یا رب تیری رحمت کا بھروسہ
واعِظ تو کیئے دیتا ہے دوزخ کے حوالے — اخلاق

(۱۲۵) سمت دوزخ کی جو محشر میں گنہگار چلے
روک کر راہ کھڑی ہو گئی رحمت تیری — سعید

(۱۲۶) کافی ہے اس کی رحمت ہم رند مشربوں کو
زاہد تجھے مبارک روزہ نماز تیرا — ″

(۱۲۷) رحمت بڑھی ہوئی ہے گناہ بخشے جائینگے
دریا میں کیا شمار بھلا برگِ کاہ کا — شاد

(۱۲۸) ہیں مستحقِ رحمتِ حق۔ اہلِ معصیت
ہر بیگنہ سے کہدو گنہگار بھی تو ہو — رضوان

(۱۲۹)

انفعال

(۱۳۰)

(۱۳۱) پشیمانی ذریعہ ہو گئی بخشش کا اے واعظ
بہے جب اشک تو بہنے لگا دریائے رحمت بھی

(۱۳۲) اِک حرف بھی رہیگا نہ اے کاتبِ عمل
دھوتا ہوں آبِ اشک سے فردِ گناہ کی — حامد

(۳) دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے
تر ہوا دامن۔ تو بارے پاک دامن ہو [...]

(۴) اگر میں ڈوب جاؤں قلزمِ اشکِ ندامت میں
گناہوں کا سفینہ غرق ہو دریائے رحمت [...]

(۵) شست و شو اشکِ ندامت سے جو کرتے رہتے
جامۂ ہستی موہوم نہ میلا ہو [...]

(۶) بسانِ کاہ نازک بنگیا جو کوہِ عصیاں تھا
ہوا یہ موجزن دریا مرے اشکِ ندامت [...]

(۷) سب عیب ایک اشکِ ندامت سے مٹ گئے
ساری سیاہی دھو گئی روئے سیاہ [...]

(۸) ابرِ رحمت تھا ترا اشکِ ندامت کیوں کہوں
دھو دیئے ہیں حرف سارے نامۂ اعمال [...]

(۹) تمام دفترِ عصیاں کی شست و شو کردی
وفورِ اشکِ ندامت کو مرحبا [...]

(۱۰) نکتہ بتلایا یہ عصیاں کی ندامت نے مجھے
خندۂ جنت نثارِ چشمِ اشک آلود [...]

(۱۱) یقین ہے کہ ہو بخشش کا طور محشر میں
تری ہے اشکِ ندامت کی دامن تر [...]

(۱۲) کیا خوف ہے جو دفترِ عصیاں بغل میں ہے
آنکھیں سلامت۔ اشک کا طوفاں بغل [...]

(۱۳) اشک دامن تک نہ پہنچا تھا کہ دامن چاک تھا
زنگِ عصیاں کے لئے آنکھوں کا دریا چا [...]

(۱۴) دھوئیگی اشکِ ندامت میری فردِ عصیاں
محو ہو جائیگا ہر حرف سیہ کاری [...]

(۱۵) ندامت سے معاصی کے عرق میں تر دم ڈوبے
کسی صورت گناروں کو آخر پاک ہونا تھ [...]

(۱۶) بندوں کے حرفِ عجز ہیں اللہ کو پسند
مجرم جو منفعل ہو خطا کچھ نہ پوچھے

(۱۷) موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیئے
قطرے گرے جو میرے عرق انفعال کے

(۱۸) لو داغ دھل گئے میرے عصیاں کے یکقلم
کیسی عجیب شے عرقِ انفعال ہے

(۱۹) پاک کر آپ کو ناسخ عرقِ خجالت سے
انفعال اپنا شفاعت ہے گنہگار و [...]

(۲۰) ہر کہ از تقصیرِ خود شد منفعل
آبِ رحمت از جبینِ خویش یافت

(۲۱) خوفِ عصیاں سے اگر برساؤں اشکِ انفعال
تو۔ تو نخل اشک سے بھی میں ثمر پیدا کروں

(۲۲) اس انفعال نے بدلی ہیں صورتیں کیا کیا
کبھی گناہ بنا اور کبھی ثواب بنا

(۲۳) تر دامنی ہے آبِ خجالت سے زاہدا
ناسخ کو انفعال ہے اپنے گناہ سے

کبھی یہ زاہد سے کوئی جا کر کہ میری بخشش کا کیوں ہے منکر
گناہ کرتا تو ہوں میں بیشک مگر مجھے انفعال بھی ہے
امیر

آگ دوزخ کی بھی ہو جائے گی پانی پانی
جب یہ عاصی عرقِ شرم میں تر ہو جائینگے
ذوق

واعظ کسے ڈراوے ہے یوم الحساب سے
گریہ مرا تو نامۂ اعمال دھو گیا
درد

ہو کر خجل گناہ سے ہم نے جو آہ کی
گرمی سے جسکے جل گئی گٹھڑی گناہ کی

واہ رے شانِ کریمی مجھے بخشا رب نے
اپنے اعمال سے دیکھا جو پشیماں مجھ کو
رند

عذرِ تقصیرات میں دن رات رویا چاہیئے
نامۂ عصیاں کے لکھے کو مٹایا چاہیئے
"

خریدار اس کی رحمت جنسِ عصیاں کی ہے۔ گریہ سے
چھڑک کر بیچتا ہوں نفع۔ پر سودا خسارے کا
ذوق

خجل اپنے گناہوں سے ہوں میں یاں تک جب رو یا
تو جو آنسو مری آنکھوں سے نکلا سُرخ رو نکلا
"

کشتِ پر تخمِ عمل کے اپنے جتنا چاہے رو
نفع یاں رکھتی ہے سودا آبیاری بیشتر
سودا

ہر داغِ معاصی مرا اس دامن تر سے
جوں حرفِ سرِ کاغذِ نم اُٹھ نہیں سکتا
ذوق

داغ ہے روزِ قیامت مری شرم اسکے ہاتھ
میں گناہوں سے جو محجوب ہوا خوب ہوا
داغ

منحصر ہے ایک آنسو پر ہماری مغفرت
وہ اگر چاہے تو اس قطرے کو اک دریا کرے
شاد

جب آئی جوش پر میرے کریم کی رحمت
گرا جو آنکھ سے آنسو دُرِ یگانہ ہوا
امیر

سمجھینگے اس کو ابرِ کرم سب گنہگار
ہم حشر میں جو لے کے یہ دامانِ تر گئے
رند

دید اپنی ہوئی شاہدِ رحمت کو جو منظور
اسکے لئے آئینہ مرا دامنِ تر تھا
سلیم

کچھ ایسی عاجزی سے میں خدا کے سامنے رویا
بہت دل میں جلی منہ دیکھ کر شمعِ حرم میرا

کچھ شانِ کریمی نے اس انداز سے تولا
بھاری ہی رہا دیدۂ تر دامنِ تر سے

اپنے انداز کو رحمت نے سنوار کر دیکھا
آئینہ بن گئیں شکلیں جو گنہگاروں کی
جرار

چاہتا ہے دل کہ ہو جائیں دمِ آخر گناہ
بے سبب کب آنسو ٹپکی ہے جوانی وقتِ نزع
جرار

پسینہ تک نہیں آتا تو ایسی خشک توبہ کیا
ندامت وہ کہ دشمن کو ترس آ جائے دشمن پر
یاس

دردمندانِ گنہ را روز و شب
شربتے بہتر ز استغفار نیست

۴۵ نارِ دوزخ کا کسے تردامنی میں خوف ہے | آگ لگتے بھی کسی نے ہے سنا برسات
۴۶ انفعالِ جرم ہی یارب ہے میرا خوں بہا | بارِ خونِ بیگنہ کیا کم ہے قاتل کے
۴۷ اے بحرِ لطف جوش میں آکر نکال لے | شرمِ گنہ میں غرق گنہگار ہو گ
۴۸ قہر کی شان آچلی تھی فردِ عصیاں دیکھکر | رحمتِ حق جھوم اٹھی مجھ کو پشیماں دیکھ
۴۹ دیدۂ تر سے ڈھلک کر دامنِ رحمت میں تھا | لغزشِ مستانۂ اشکِ ندامت دیکھ
۵۰ کہے ہے اشکِ جاری چشم سے یہ وقتِ سجدے کے | عبادت میں نہایت خوب ہے دستور شیشے
۵۱ ہمیں گناہ ہمارے ڈبو چکے تھے ۔ مگر | ہوئی یہ خیر کہ ہم انفعال کر بیٹھ
۵۲ ہوئیں رسوائیاں چشمِ خلائق میں تو کیا اس سے | تری رحمت تو عاشق ہے ہمارے دامنِ تر
۵۳ دیکھ کر بحرِ کرم دل کی کثافت دھو گئی | وہ ندامت میں ملا عصیاں میں جو کھویا
۵۴ نچوڑا اے زاہدِ خشک اُسکی رحمت کا ادھر ہوگا | مری تردامنی بہتر ہے تیری پارسائی
۵۵ امید تجھ سے ہے اے شرمِ معصیت مجھ کو | بنا دے رحمتِ پروردگار کے قابل
۵۶ آتشِ دوزخ بجھائے چاہے دامن تر کرے | میرا اشکِ انفعال ایسا بھی ہے ویسا بھی
۵۷ محیطِ آبِ غیرت ہوں غریقِ بحرِ عصیاں ہوں | مری تردامنی سے ہو گئے لب خشک ساحل
۵۸ اپنے گناہ پر جو ہوا مجھکو انفعال | رحمت نے اُس کی لے لیا مجھ کو کنار میں
۵۹ دھو گئی ساری سیاہی نامۂ اعمال کی | جب گرے اشکِ ندامت جب پشیمانی ہو
۶۰ تردامنی پہ شیخ ۔ ہماری نہ جائیو | دامن نچوڑ دیں ۔ تو فرشتے وضو کریں
۶۱ مری تردامنی کا حشر میں ڈھک جائیگا پردہ | جو آیا جوش پر دریا کہیں اشکِ ندامت
۶۲ غریقِ اشکِ ندامت ہوں اس قدر رونق | کہ ڈوبی رہتی ہے فردِ حساب درتۂ آب
۶۳ ہوئے ہیں تر گویہ ندامت سے اس قدر آستین و دامن | کہ میری تردامنی کے آگے عرق عرق پاکدامنی
۶۴ راتدن اشکِ ندامت سے دھوا کر سودا | چاہیئے رُو ہو ترا حشر کے ہنگام سفید
۶۵ برنگِ ندامت گرا جو آنکھ سے میں | خدا کے سامنے رتبہ مرا بلند ہوا

(۶۶) ہاتھ پہ اپنے ہاتھ دھرے حشر کے دن چپ بیٹھا ہوں
اشکِ ندامت اُمڈے ہیں تو یہ دامن دھوتی ہے — بیخود

اقبالِ جرم

(۱) مری طاعت سے اتنو معصیت بھی عار کرتی ہی
مری توبہ پہ توبہ توبہ استغفار کرتی ہے — ذوق

(۲) اندازے سے جو باقی ہے باہر مرے گناہ
زور اپنا تولتی ہے ترازو حساب کی — امیر

(۳) کام آئی کیسی ظلمتِ عصیاں بروزِ حشر
سایہ ہمائے سر پہ رہا آفتاب کا — ”

(۴) آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ — غالب

(۵) یہ بھی احسان ہے تیرا جو دیا دوزخ بھی
میرے اعمال کی تو۔ یہ بھی مکافات نہ تھی — ”

(۶) ضرور حشر کے دن ہوگی عاصیوں کی تلاش
ہونگے ہم۔ تو جہنم جلائے گا پھر کیا — رند

(۷) مجھ گنہگار کو جو بخش دیا
پھر جہنم کو کیا دیا تونے

(۸) اعمال ہیں یہی۔ تو یہی ہے یقیں مجھے
دوزخ میں پھینکدیگی بغل سے زمیں مجھے — رند

(۹) ہم سے تو بھاگتا ہے جہنم بھی دُور دُور
شرم آتی ہے بہشت کی کیا آرزو کریں

(۱۰) آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہی — اکبر

(۱۱) بخشا گیا جو داغ سیہ کار دیکھنا
جنت کہیگی آگ لگا دی جلا دیا — داغ

(۱۲) میرے گناہ آتے ہیں کوئی شمار میں
اے درد میں نے جی میں کیا تھا حسنات — درد

(۱۳) ہیں شرم سے عصیاں کے ہوا سر بہ گریباں
جس وقت خیال آہ اُدھر کا ظفر آیا — ظفر

(۱۴) ایسے گناہ کئے ہیں کہ اللہ کی پناہ
لکھنے سے جنکے کاتب اعمال تنگ ہیں

(۱۵) بچایا کثرتِ عصیاں نے مجھ کو دوزخ سے
میرے گناہ نہ ٹھہرے شمار کے قابل

(۱۶) سیہ کاری سے میری کاتب اعمال حیراں ہے
کہ اس کا نامۂ اعمال لکھیں کس سیاہی سے — داغ

(۱۷) میں وہ مجرم ہوں۔ جہنم میں اگر جاؤں گا
اہل دوزخ بھی کہینگے مجھے باہر باہر — رند

(۱۸) گبر نفرت کرے آگاہ اگر حال سے ہو
شرم آتی ہے جو کہتے ہیں مسلماں مجھ کو — ناسخ

نمبر	مصرعِ اوّل	مصرعِ ثانی
(١٩)	یاں تلک تو ہوں سیہ کار کوئی پڑھ نہ سکا	حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ
(٢٠)	کس گنہگار کے مُردے پہ یہ ہوتا ہے عذاب	توبہ توبہ کی جو مرقد سے صدا آتی ہے
(٢١)	ہے سیہ کاری سے نامہ یاں تلک اپنا سیاہ	روزِ محشر پر پڑے گر سایہ اُسکا شب ہے
(٢٢)	روزِ محشر سے کئی دن دیکھنے کو چاہئیں	گر یہی اے ذوق طولِ نامۂ اعمال ہے
(٢٣)	اہل ورع کے حلقے میں ہر چند ہوں ذلیل	پر عاصیوں کے زمرے میں میں برگزیدہ ہوں
(٢٤)	کعبہ کس منہ سے جاؤگے غالبؔ	شرم تم کو مگر نہیں آتی
(٢٥)	جرم و گناہ تو ہیں بے حدّ و حصر یا رب	روزِ حساب لینگے مجھ سے حساب کیونکر
(٢٦)	دوزخ نے مجھ کو دیکھ کر مالک سے یہ کہا	مجھ سے تو یہ غریب جلایا نہ جائے گا
(٢٧)	بارِ عصیاں سے ہوا ہے مرا مردہ بھاری	دیکھئے اُٹھتا ہے یارب یہ جنازہ کیسے
(٢٨)	لے چلا ہوں میں عدم کو بارِ غم - بارِ گناہ	رُوح بھی میری۔ گرانی میں جسم سے کم نہیں
(٢٩)	نوبت نہ آئے اوروں کی ہوں وہ گنہگار	پہلے جو سب سے حشر کو میرا حساب ہو
(٣٠)	کثرتِ عصیاں سے میرے بن گیا شب روزِ حشر	آفتاب اک نیزے پر دُمدار تارا ہو گیا
(٣١)	جواب دونگا گناہوں کا کیا وہاں ناشاد	خدا جو پوچھے گا محشر کے دن بُلا کے مجھے
(٣٢)	روسیاہی کام آئی روزِ حشر	شکل زاہد نے نہ پہچانی مری
(٣٣)	دنیا سے لیکے چلئے گناہوں کی بھیڑ بھاڑ	دوزخ میں چلیئے تو بڑے کرّ و فر کے ساتھ
(٣٤)	عجب کیا ڈوب جاؤں میں جو دریائے خجالت میں	قیامت میں جو وہ پوچھینگے دنیا میں کیا کیا
(٣٥)	بارِ عصیاں سے خمیدہ ہو گیا۔ قدِّ راست	بوجھ اُٹھانے سے کمر جھک جاتی ہے مزدور کی
(٣٦)	بارِ عصیاں کس قدر ہے آدمی جزوِ ضعیف	یہ گرا دیگا جو اتنا بوجھ سر پر لے چلا
(٣٧)	فرشتے اب کہاں لکھیں گے اب کیا خوف ہے ہمکو	جگہ باقی رہی مطلق نہ اپنی فردِ عصیاں میں
(٣٨)	بخشے گئے جو ہم سے گنہگار روزِ حشر	کیا کیا جلا ہے دیکھ کے طبقہ جحیم کا
(٣٩)	ابرِ رحمت کو بھی سایہ ہے کیا جن کی سیاہ	اے ظفر ہیں وہ مرے نامۂ اعمال پہ حرف

نمبر	مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
۴۰	اعضائے جسم نے بھی گواہی انہیں کی دی	جتنے گناہ تھے مرے فردِ حساب میں	آباد
۴۱	سر ندامت سے نہیں اٹھتا اثیم	اپنے عصیاں سے جو شرماتے ہیں ہم	اثیم
۴۲	بنا روزِ جزا جس کی سزا کو	مری قدرِ گنہگاری تو دیکھو	داغ
۴۳	فقط امید ہے بخشش کی تری رحمت سے	وگرنہ عفو کے قابل مرے گناہ نہیں	آباد
۴۴	اندازے سے جو باقی ہے باہر مرے گناہ	زور اپنا تولتی ہے ترازو حساب کی	زبیر
۴۵	لئے ہیں دفترِ عصیاں کو کاتبِ اعمال	مرے گناہوں کی گٹھڑی ہے خضر کے سر پر	
۴۶	بارِ عصیاں لے چلے دنیا سے رکھ کر سر پہ ہم	کیا کہیں اپنے سفر کا ہم نے کیا ساماں کیا	
۴۷	انکار کیا کریگا تو عصیاں کا اپنے رند	موجود دو گواہ یسار و یمیں میں ہیں	رند
۴۸	نہیں ہے ڈر مجھے روزِ حساب کا زاہد	نہ لکھ سکے مرے جرمِ بے حساب قلم	گویا
۴۹	مرضیِ حق میں کبھی رکھا نہ تھا ثابت قدم	عمر ساری کٹ گئی اپنی تو تقصیروں کے بیچ	"
۵۰	کس منہ سے جاؤں داورِ محشر کے سامنے	شرم آتی ہے کہ دفترِ عصیاں بغل میں ہے	
۵۱	مجھ کو کثرت نے گناہوں کی بچایا کہ وہاں	ایسے مجرم کی مقرر کوئی تعزیر نہیں	
۵۲	نہ دے سکے مرے اعمال کی مکافاتیں	ہزار بار فرشتے عذاب کے بدلے	رند
۵۳	بے بندگی کے جس کو ہو انعام کی امید	عاصی ترے وہ یارِ خدایا ہمیں تو ہیں	خیال
۵۴	وہ عاصی ہوں کھلیگا نامۂ اعمال جب میرا	سیہ کاری مری محشر میں پھیلے گی دھواں ہو کر	فصاحت
۵۵	مرے گناہوں کو تب گن سکیں جو دو کی جگہ	ہزار ہوویں فرشتے گنہ شماری پر	سحر
۵۶	شائد اُن کو نہیں اندر کی سیاہی کی خبر	کر رہے ہیں جو مری قبر کو معمار سفید	
۵۷	یہ کس منہ سے کہوں میں ہوں نگاہِ لطف کا مالک	ریاکاروں میں شامل ہو گنہگاروں میں داخل ہو	
۵۸	حساب پاک ہو روزِ شمار میں تو عجب	گناہ اتنے ہیں میرے کہ کچھ حساب نہیں	
۵۹	حق نے احساں میں نہ کی اور میں نے کفراں میں نہ کی	وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا	
۶۰	عاصی ہوں لاکھ۔ پھر بھی جو تو چاہے اے کریم	جنت کو فخر۔ تیرے گنہگار سے ملے	

(۶۱) ڈبو یا تھا ولیکن پار اُتارا — خطاؤں نے مری تیری عطا نے

(۶۲) کوئی ہے زہد پہ نازاں کوئی عبادت پر — یہاں نوائے مرے پروردگار کچھ بھی نہیں

(۶۳) سجدے میں ہے اب میری گنہگاریٔ فطرت — گنجائشیں کتنی ہیں ترے جود و سخا ہیں

(۶۴) مے شود بر دیدۂ خونبارِ من عالم سیاہ — ہر گاہ اندازم نظر بر نامۂ اعمالِ خویش

(۶۵) بھروسہ اُسکو مجھ کو یاس وہ نازاں ہے میں نادم — گنہگاری کو میری فوق ہے زاہد کی طاعت

(۶۶) اللہ رے میرے جرم و گناہ کی ترقیاں — بھاگے فرشتے پھینک کے فردِ حساب

(۶۷) شمارِ جرم و عصیاں ہو سکے کیا تیرے مجرم سے — نہیں گنتا ہے کوئی ذرّہ ہائے ریگِ صحرا

(۶۸) پرسش مرے عمل کی ہو جو روزِ حشر میں — پوچھا نہ جائے اور گنہگار سے غرض

(۶۹) نہ پوچھ اے داورِ محشر کہ دنیا میں کیا کیا کیا — کہاں کہنے کے قابل ہم گنہگاروں کی باتیں ہ

(۷۰) تہمتیں چند اپنے ذمّے دھر چلے — کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے

(۷۱) دوسرا ہم سا کوئی مردودِ کفر و دیں نہیں — قابلِ تسبیح ہیں نے لائق زنّار ہیں

(۷۲) عقل ہے دنگ اے کریم تیرا شعار دیکھ کر — بخشدے میرے گناہ اُن کا شمار دیکھ کر

(۷۳) رکھ نہ میرا نامۂ اعمال میرے سامنے — میں گناہوں سے ہوں اپنے آپ شرمایا

(۷۴) وہ مجرم ہیں کہ آتش میں اگر ڈالے خدا ہم کو — ہوائے باغِ جنّت اور بھڑکائے جہنم کو

(۷۵) ہوں وہ عاصی کہ ہے دوزخ کو بھی نفرت مجھ سے — یا الٰہی کہیں اپنا بھی ٹھکانہ ہو گا

(۷۶) گناہ دوست وہ ہوں میں ابھی بدل لونگا — جو سو ثواب کے بدلے بھی اک گناہ ملے

(۷۷) محشر میں سب محاسبہ سے خلق بچ رہے — ہو گر حساب بعد ہمارے حساب کے

(۷۸) گنہ کے بوجھ سے محشر تلک پہونچ نہ سکے — اسی میں پردہ رہا ہم گنہگاروں کا

(۷۹) فردِ عصیاں نے کیا ہے مجھے محرومِ نجات — رحمتِ حق جو کرے پاس تو کچھ دور نہیں

(۸۰) شرمِ عصیاں سے نہیں محشر میں یارائے دُعا — زیرِ پا ہوویں مری آنکھیں زباں بالائے سر

(۸۱) ہم عاصیوں کا بارِ گنہ سے جھکے ہے سر — اور خلق کو گمان ہے ہم پر نماز کا

(۸۲) بارِ عصیاں سے اوٹھے گا نہ مرا سر اصلا — مجھ سے تقریر کھلا پیشِ خدا کیا ہوگی — ہمم

(۸۳) میرے صفائی دل نے جو کھولے ہیں میرے عیب — شرمندہ مثلِ زنگیٔ آئینہ دیدہ ہوں — ظل

(۸۴) جرم و گناہ میرے ہیں بے حد و بے حساب — دو کاتبوں سے ہوگا عمل کا شمار کیا — عشر

(۸۵) میں اپنے بدعملوں سے ہوں اس قدر نادم — کہ شرم آتی ہے خود اپنی شرمساری پر — اصغر

(۸۶) سامنے عادل کے جانے کا جو آتا ہے خیال — شرمِ عصیاں کے پسینے میں نہا جاتا ہوں میں — نظیر

(۸۷) اعمال دیکھ کے تیرے ئے شرم سے عرق ہے — اے محتسب تجھے بھی کچھ انفعال آیا — سودا

(۸۸) کثرت نے جرم کی مجھے محشر میں دی نجات — گر اُٹھ سکے تو پیش ہو دفترِ گناہ کا — ارشد

(۸۹) جاتے ہی کہدونگا میں مجرم ہوں تو ربِّ کریم — سوچ رکھا ہے سوالِ روزِ محشر کا جواب — اشرف

(۹۰) یہ کیا بتاؤں کہ دنیا میں کیا کیا میں نے — نہ پوچھ اے مرے پروردگار رہنے دے — اختر

(۹۱) رہتا ہے صبح و شام گناہوں کا سامنا — فارغ جوان سے ہوں تو کبھی عذر خواہ ہوں — امیر

(۹۲) مجھے جو دیں وہ عقوبت تو مستحق ہوں میں — جو بخش دیں وُہ خطائیں تو ہے عطا اُن کی — ذبیح

(۹۳) ترا کرم بھی تو ہے بےحساب اے غفّار — مرے گناہ نہیں گر شمار کے قابل — امیر

(۹۴) گنہ کے بوجھ سے محشر تلک نہ پہنچ سکے — اسی میں پردہ رہا ہم گنہگاروں کا — آشوب

(۹۵) کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ جہاں چلے — آئے تو حد سبک تھے یہ کتنے گراں چلے — امیر

دیدۂ بینا

(۱) عبث ہے کورِ باطن کے لئے یہ منظرِ دنیا — کہ لطفِ دید غیر از دیدۂ بینا نہیں ہوتا

(۲) تو اگر دیکھے تو ہر ذرّہ کتاب پند ہے — کیا مگر دیکھیگا تُو۔ تیرا تو دیدہ بند ہے

(۳) ہر جا ہے اس کا جلوۂ رُخ وہ کدھر نہیں — پر جس سے دیکھ لیں۔ وہ ہماری نظر نہیں

(۴) جہاں جلوے سے اس محبوب کے یکسر لبالب ہے — نظر پیدا کر اوّل۔ پھر تماشہ دیکھ قدرت کا

(۵) اگر نگاہ ہو۔ تو کیا تلاش کی حاجت — ترا ہی جلوہ ہے چاروں طرف زمانے میں

(۶) صورتِ حق تو ہر آئینہ میں ہے جلوہ نما
دیدۂ حیرانی سے اپنے نہیں مفقود ہیں

(۷) جو نہ دیکھے صورتِ آباد جہاں ہیں تیری شکل
نام کو بینا ہیں پر اعمائے مادر زاد ہیں

(۸) گر آنکھ ہے تو باطنِ انساں کی دید کر
کیا کیا طلسم دفن ہیں مشتِ غبار میں

(۹) جلوۂ یار ہر اک شے میں نظر آتا ہے
تو نہ دیکھے تو یہ تقصیر ہے بینائی کی

(۱۰) جنکی آنکھیں ہیں نہیں وہ دیکھتے حیران ہوں
وہ صنم پنہاں نہیں ہے کور مادر زاد ہے

(۱۱) ایک سے ایک اعلیٰ پھول اس گلزار کا
مثلِ نرگس چشمِ نابینا ہے پر کیا دیکھتے

(۱۲) گر معرفت کا چشمِ بصیرت میں نور ہے
تو جس طرف کو دیکھئے اس کا ظہور ہے

(۱۳) جلوۂ دوست تو موجود ہے ہر شے میں رِند
آپ اندھا ہے تو آنکھوں میں ترے نور نہیں

(۱۴) زلیخا سے کہو ٹک دیدۂ تحقیق تو کھولے
یہ از یوسف نظر آویگی ہر انسان میں صورت

(۱۵) تجسّس کی نظر سے سیرِ فطرت کی جو اے اکبر
کوئی ذرّہ نہ تھا جسمیں کہ اک عالم نہیں نکلا

(۱۶) چشمِ ظاہر گر ہے روشن۔ چشمِ باطن کور ہے
یہ نہیں ممکن کبھی دیکھے کوئی بیدار خواب

(۱۷) ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دِل وا کرے کوئی

(۱۸) سب طرف سے دیدۂ باطن کو جب یکسو کیا
جسکی خواہش تھی وہی ہر سُو نظر آیا مجھے

(۱۹) چشمِ بینا چاہیئے تو جلوہ گر ہے ہر طرف
پردہ ہے اَے شمع رو پردہ ترا فانوس کا

(۲۰) جلوہ گر ہے وہ تو بے پردہ پر آئے کیا نظر
جبکہ تم غفلت کی پٹی چشم پر باندھے رہو

(۲۱) وہ تو دکھلائے ہے ہر رنگ میں تجھ کو جلوہ
خواہ تو دیکھ اُسے خواہ تو غفلت سے نہ دیکھ

(۲۲) حاصل تجھے بصارتِ یعقوب ہو اگر
یوسف بغیر کوئی یہاں کارواں نہیں

(۲۳) دیکھ تو روشنئ دیدۂ باطن سے ظفر
چشمِ ظاہر کے اُسے نورِ بصارت سے نہ دیکھ

(۲۴) چشمِ بینا چاہیئے اُس در سے عرفاں کے لئے
ہر ورق پر دفترِ ہستی کے تیرا نام ہے

(۲۵) روشن اگر ہو نورِ حقیقت سے تیری چشم
ہے ہر شرارِ سنگ نہاں طور کا چراغ

(۲۶) سودا نگاہِ دیدۂ تحقیق کے حضور
جلوہ ہر ایک ذرہ میں ہے آفتاب کا

(۲۷) برائے دیدنِ روئے تو چشمے دیگرے باید — ہر آں چشمے کہ من دارم جمالت را نمے شاید

(۲۸) طور پر وادئ ایمن میں جو دیکھا تونے — ہیں نے ہر ذرّے میں موسیٰ وہی جلوہ دیکھا — رند

(۲۹) کر تماشائے جہاں سے پہلے اپنی آنکھ بند — دیکھنا اسکا اگر ناسخ تجھے منظور ہے — ناسخ

(۳۰) یہ وہ آنکھیں ہیں جو ہیں نا آشنائے روئے غیر — آنکھ کھولی جب سے میں نے تو نظر آیا مجھے

(۳۱) ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر — ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

(۳۲) پیدا کئے فلک نے نا دیدنی مناظر — پہنچی ہیں اُن کی نظریں جو صاحبِ نظر ہیں

(۳۳) نظر ہو تو نظر آتی ہے کیفیت دو عالم کی — چلو انور تماشہ دیکھ آئیں بزم رنداں میں — انور

(۳۴) لن ترانی سنتے ہیں۔ دیدار سے محروم ہیں — یعنی اس حیرت کدے میں کور ہیں ہم کر (بہرے) نہیں — ناسخ

(۳۵) وہ حُسن جلوہ گر ہے وہ رُخ بے نقاب ہے — لیکن کچھ اپنی آنکھوں کا پردہ حجاب ہے — آشنا

(۳۶) نظر آیا ہر اک ذرّہ میں جلوہ شانِ وحدت کا — جو آنکھیں کھول کر دیکھے تماشہ تیری قدرت کا — خنجر

(۳۷) پڑھ سکیں ہم تو ہر اک رگ ہے تاریخ چمن — لکھنے والے نے کوئی بات اُٹھا رکھی ہے — اکبر

(۳۸) مٹے اگر دل سے رنگِ غفلت۔ کھلے اگر دیدۂ حقیقت — تو خاکِ دل کا ہر ایک ذرّہ کریگا سو آفتاب پیدا — جگر

(۳۹) کس جا نہ جلوہ گر تری وحدت کا نور تھا — جلوہ ترا تھا عام۔ نظر کا قصور تھا — خورشید

(۴۰) ہر چیز میں ہے جلوہ ہر شے میں تماشا ہے — آنکھیں ہیں مری لیکن بینائی کا پردہ ہے — عشرت

(۴۱) پئے نظارہ اگر چشمِ حقیقت وا ہو — برگِ گل ہے ورقِ پارۂ قرآن مجید

(۴۲) جو عندلیب کی آنکھوں سے دیکھے اور سمجھے — ظہور ہے اُسی گل کا چمن کے پردے میں

(۴۳) ٹک دیدۂ تحقیق سے تو دیکھ زلیخا — ہر چاہ میں آتا ہے نظر یوسفِ ثانی

(۴۴) بخشے ہے جلوۂ گل۔ ذوقِ تماشہ غالب — چشم کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانا — غالب

(۴۵) صد جلوہ رُوبرو ہے جو مژگاں اُٹھائیے — طاقت کہاں کہ دید کا احساں اُٹھائیے

(۴۶) جلوے تیری وحدت کے کثرت سے نظر آئیں — جب چشمِ حقیقت بیں مصروفِ تماشہ ہو

(۴۷) چشمِ بینا ایک بھی آئی نہ عالم میں نظر — جستجو میں گرچہ دوڑیں ہر طرف بینائیاں

(۴۸) کچھ ہوش ہے تو چشمِ حقیقت نگر سے دیکھ
محمود۔ ذرّے ذرّے میں حُسنِ ایاز ہے

(۴۹) اگر ہے دید کا طالب نگاہِ شوق پیدا کر
نہ تُو باہر ہے عالم سے نہ وہ باہر ہے عالم سے

(۵۰) دیر میں ہے وہ نہ ہے کعبہ میں اور ہے سب کہیں
طالبِ نظارہ کو گر ہو سلیقہ دید کا

(۵۱) جو چشمِ غور سے آئینۂ توحید کو دیکھا
تو سمجھے تو ہی ٹھہرا ہم نہ کچھ اے خود نُما ٹھہرے

(۵۲) دیدۂ یعقوب سے دیکھا جو عالم کی طرف
یوسف اس بازار میں ہر سُو نظر آیا مجھے

(۵۳) چشمِ وحدت بیں سے لازم ہے تماشائے چمن
خارِ گل دونوں بغل پروردہ ہیں گلزار کے

(۵۴) تجھ کو نہیں ہیں دیدۂ بینا وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہے آن کے ہر پیرہن کے بیچ

(۵۵) یار بے پردہ ہے آنکھوں پہ پڑے ہیں پردے
پوچھتا ہے درِ جاناں پہ یہ گھر کس کا ہے

(۵۶) کھلی ہے چشمِ حقیقت جنہوں کی شکلِ حباب
وہ باندھتے نہیں تکیہ جہانِ فانی پر

(۵۷) ہمارا ضعفِ بصارت ہے مانعِ دیدار
وگرنہ سامنے آنکھوں کے یار ہے موجود

(۵۸) جلوہ ہر رنگ میں ہے اُس بُتِ ہرجائی کا
یہ پریشاں نظری جرم ہے بینائی کا

(۵۹) جو آنکھیں ہوں تو چشمِ غور سے اوراقِ گل دیکھو
کسی کے حسن کی شرحیں لکھیں ہیں ان رسالوں پر

(۶۰) آئینہ اُس کی تجلی گاہ ہے دنیا جو آنکھیں ہوں
وُہی گُل ہے گُلستاں میں وُہی ہے شمعِ محفل پر

(۶۱) بزمِ کثرت نورِ وحدت سے کبھی خالی نہیں
چشمِ بینا ہو تو یوسف سینکڑوں بازار میں

(۶۲) ذرّے ذرّے میں نہاں اک جلوۂ گلفام ہے
شرط یہ ہے ہو کے سرشارِ محبت دیکھئے

(۶۳) ذرّہ ذرّہ میں ہے یہاں خاک کے پیدا خورشید
لیکن آیا تجھے غفلت سے نظر خاک نہیں

(۶۴) یہ اندھے ہیں۔ جو کہتے ہیں۔ ہم ہی ہم ہیں
جو آنکھیں ہوں روشن تو پھر تُو ہی تُو ہے

(۶۵) یہ وہ آنکھیں ہیں جو ہیں نا آشنائے رُوئے غیر
آنکھ کھولی جب سے میں نے تو نظر آیا مجھے

(۶۶) بیکار بنائے نہیں آنکھوں کے پیالے
دیدار کا سائل ہو جو یار اے نظر ہے

(۶۷) تجھے دیکھا تو اب کچھ دیکھنے کو جی نہیں چاہتا
سے گئے ہیں بند آنکھیں تیری صورت دیکھنے والے

(۶۸) آنکھیں تو بےشمار دیکھیں ۔ لیکن
کم دیکھیں بخدا۔ کہ جن کو بینا پایا

(۶۹) وہ تجھ سے نہ مجھ سے دُور نہیں آنسے دُور تھا
آنا نہ تھا نظر تو نظر کا قصور تھا

(۷۰) ہر ذرّہ ایک طور تجلّے بدست ہے
جلوے بہت ہیں طالب دیدار کے لئے — شوکت

(۷۱) وہ آنکھیں دل کے اندر جو ہیں انکو کھول اے غافل
اِن آنکھوں سے کہیں تو جلوۂ حق دیکھ سکتا ہے — کاوی

(۷۲) اگر چشم حقیقت کو ذرا تو کھول کر دیکھے
تو اے یعقوب ہر اک مصر میں سو چاہِ کنعاں ہے — حشر

(۷۳) مُند سے گر چشم ظاہر دیدۂ بیدار ہو پیدا
در و دیوار سے نقش جمال یار ہو پیدا — آتش

(۷۴) سب نے دیکھا چمنِ دہر کو پر اہلِ نظر
ہیں وہی لوگ جنہوں نے چمن آرا دیکھا — راسخ

(۷۵) سیر کر سیر جو ہے دیدۂ بینا باقی
جبتک آنکھیں جبھی تک ہے تماشہ باقی — شاد

(۷۶) کور باطن کو نظر کیا پڑے جلوہ اُن کا
دیکھتا ہے انہیں ہر شے میں شناسا اُن کا — ادیب

(۷۷) برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

(۷۸) شش جہت میں سینکڑوں جلوے کھڑی ہیں منتظر
ہاں درِ آئینۂ دل ہر طرف وا چاہیئے — اعجاز

دوئی و خودی

(۱) مِلا ہے ہم کو یہ مضمونِ روشن چشم بینا سے
کہ چھوڑی جسنے خودبینی اُسے سب کچھ نظر آیا

(۲) پہنچا دیا کہاں سے کہاں بیخودی نے آج
پردہ جو اُٹھ گیا تو نہیں تھا نہ راز تھا

(۳) اپنی خودی ہی پردہ ہے دیدار کے لئے
ورنہ کوئی نقاب نہیں۔ یار کے لئے

(۴) دکھایا بے خودی نے آئینہ جب میری ہستی کو
ہوا یہ صاف روشن وہ صنم حق ہے میں باطل ہوں

(۵) ہم نے خودی کو کھویا تو بے خودی کو پایا
کھویا ہوا نہ پایا۔ پایا ہوا نہ بھولے

(۶) منکشف ہو جائیں اسرارِ خودی
بیخودی کا بھی یہی مقصود ہے

(۷) بیخودی پردۂ کثرت اٹھا دیتی ہے
ہر طرف جلوۂ توحید دکھا دیتی ہے

(۸) تا دوئی ہے درمیاں۔ حرف آشنائی کا غلط
آشنا اُس سے ہے جو آپسے بیگانہ ہے

(۹) جو گذر گیا خودی سے تو وہ ٹل گیا اسی سے
نہ ہوئے ربِّ ارنی نہ صدائے لن ترانی

۱۰ ہے غلط فہمی سے ہر کوئی گرفتارِ دوئی — عین دریا ہے جو اُٹھ جائے ابھی پندار کو

۱۱ بیخودی بے سبب نہیں غالب — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

۱۲ کوئی بھی دشمن نظر آتا نہیں اب غیرِ دوست — قصہ اے ناسخ دوئی کا تھا سو یکسو ہو گیا

۱۳ اُسے کون دیکھ سکتا ہے کہ یگانہ ہے وہ یکتا — جو دوئی کی بو بھی ہوتی۔ تو کہیں دو چار ہوتا

۱۴ جو خودی کا پردہ اٹھا دیا تو وصال یار کا ڈھب بنا — وہ ہمارے سامنے آگیا کہ شہود جس کا محال تھا

۱۵ دُوئی میں یکدلی کا رنگ پیدا ہو نہیں سکتا — شناسا غیر کا۔ تیرا شناسا ہو نہیں سکتا

۱۶ کھو کر خودی کو پایا کھوئے ہوئے کو ہم نے — سب کچھ عیاں ہوا ہے جو تھا نہاں نظر سے

۱۷ معرفت کے لفظ نے سمجھا دیا — جب خودی گم ہو تو مل جائے خدا

۱۸ مٹ گئی ساری خودی جاتی رہی دل سے دوئی — سب میں اس کو جب سے دیکھا تفرقہ جاتا رہا

۱۹ اپنی خودی مٹائیں تو پائیں رہِ وصال — کھوئیں جو آپ کو وہ تری جستجو کریں

۲۰ جادۂ راہِ بقا غیر از خدا ملتا نہیں — ہے خودی جبتک کہ انساں میں خدا ملتا نہیں

۲۱ اٹھ گیا دل سے دوئی کا پردہ — چھپ کے اب آپ کہاں جائیگا

۲۲ ہے بیخودی ہی جس سے ہوتا ہے قرب حاصل — غائب جو آپ سے ہو پائے حضور تیرا

۲۳ اٹھ گئی جب سے دوئی۔ ناسخ کو کہتا ہے یہی — آپ ہی شاہد ہے آپ ہی رندِ شاہد باز ہے

۲۴ غیر سے کیا معاملہ آپ ہیں اپنے دام میں — قیدِ خودی اگر نہ ہو تو عجب فراغ ہے

۲۵ دوئی کو نہ دے دل میں غافل جگہ — زباں ایک ہے اور خدا ایک ہے

۲۶ وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے — آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

۲۷ پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں — معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دُور تھا

۲۸ محو جب دل سے خیالِ ماسوا ہو جائیگا — ہم خدا کے ہوں گے اور اپنا خدا ہو جائیگا

۲۹ ممکن نہیں کہ شوق ہو جس دل میں تُو نہ ہو — ہاں شرط یہ ہے تیرے سوا آرزو نہ ہو۔

۳۰ تجھے دوئی جبتک نظر آتی نہیں لاکھوں صورتیں — سب میں جب دیکھا اسی کو۔ تفرقہ جاتا رہا

نمبر	مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
(۳۱)	دوئی را چوں بدر کردم یکے دیدم دو عالم را	یکے بینم۔ یکے دانم۔ یکے گویم۔ یکے خوانم	
(۳۲)	بسکہ در چشم و دلم ہر لحظہ اے یارم توئی	ہر کہ آید در نظر از دور پندارم توئی	
(۳۳)	بیخودی میں عجب مزہ دیکھا	سرِّ مخفی کو بر ملا دیکھا	آثم
(۳۴)	حجابِ قالبِ خاکی ہے جبتک دید مشکل ہے	مکانِ عاشق و معشوق میں دیوار حائل ہے	بیدم
(۳۵)	پردے کو تعیّن کے درِ دل سے اٹھا دے	کھلتا ہے ابھی پل میں طلسماتِ جہاں کا	سودا
(۳۶)	جھگڑے سے جب دوئی کے فراغت ہوئی ہمیں	کثرت میں سیرِ عالمِ وحدت ہوئی ہمیں	سلیم
(۳۷)	نہ تھا کچھ۔ تو خدا تھا۔ کچھ نہ ہوتا۔ تو خدا ہوتا	ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا	غالب
(۳۸)	پھر بیخودی میں بھول گیا۔ راہِ کوئے یار	جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں	″
(۳۹)	وفورِ بیخودی نے مرحلے طے کر دیئے سارے	کہ اپنا ہی مکاں اب ہو گیا ہے لامکاں مجھکو	
(۴۰)	خودی کی ابتدا یہ تھی کہ اپنے آپ میں گم تھا	خودی کی انتہا یہ ہے خدا کو یاد کرتا ہوں	اختر
(۴۱)	آگاہ اس جہاں میں نہیں غیرِ بیخوداں	جاگا وہی۔ ادھر سے جو موند آنکھ سو گیا	درد
(۴۲)	حجابِ دوئی کو جو دل سے اٹھا دیا	تو پھر ہم ہیں اور سامنا ہے کسی کا	اسد
(۴۳)	بیخودی میں اس قدر محوِ جمالِ یار ہوں	جس طرف میں دیکھتا ہوں یار کی تصویر ہے	احسان
(۴۴)	اٹھ گئی دل سے دوئی وحدت کے عالم میں امیر	دیر میں جلوہ نظر آتا ہے بیت اللہ کا	امیر
(۴۵)	اگر ہے دیکھنا اس کو اٹھا دے اپنی ہستی سے	اگر تجھ میں اور اسمیں پردہ حائل ہے تو بس یہ ہے	ظفر
(۴۶)	جو دعوا خدائی ہے نکال اغیار کو گھر سے	خدا نے اے صنم باہر کیا جنت سے شیطاں کو	ناسخ
(۴۷)	یہ نکتہ پیرِ مغاں نے بتایا رندوں کو	خودی سے جاؤ نکل۔ چاہو گر خودی کا سراغ	سلیم
(۴۸)	ہے بیخودیٔ شوق ترے وصل کا پردہ	جب اپنی خبر ہو تو مجھے تیری خبر ہو	شفیع
(۴۹)	کچھ ہوش میں بھی آنے دے مجکو خدا سے ڈر	اے بیخودی چلی ہے تو لیکر کدھر مجھے	ظفر
(۵۰)	کہتی ہے بیخودی کہ حقیقت نہیں ہے دور	ہم آپ کو تو آپ سے نا آشنا کریں	گویا
(۵۱)	سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو	وگرنہ ہم خدا تھے گر دلِ بے مدعا ہوتا	میر

(۵۲) بیخودی لے گئی کہاں ہم کو
دیر سے انتظار ہے اپنا

(۵۳) ہائے پہنچا نہ گیا قیدِ خودی سے اُس تک
اپنے ہی دام سے چھٹنا مجھے دشوار

(۵۴) پردہ کب آسان رُوئے دلربا سے اُٹھ گیا
تب اٹھا واں پردہ جب میں (درمیاں) بیچ سے اُٹھ

(۵۵) حجابِ رُخِ یار تھے آپ ہی ہم
کھلی آنکھ جب کوئی پردہ نہ دیکھا

(۵۶) چو عزمِ ایقانِ خویش کردم شناختم من بہائے خود
نہ ایں کہ شناختم خودی را شناختم من خدا خود

(۵۷) نہ بھولے آپکو بھولے جو دنیا کو تو کیا بھولے
یہ منت ہو اگر پوری تو پھر ہے طاقِ نسیاں

(۵۸) گر حقیقت میں ہے رہنا تو نہ رکھ خود بینی
بھولے بندہ جو خودی کو تو خدا یاد رہے

(۵۹) آئے سب ایک نظر گر یہ دوئی کا پردہ
اے ظفر بیچ سے اُٹھ جائے تو کیا اچھا

(۶۰) جو ہو جاتے ہیں دیوانے ترے اتنے نقابوں پر
خدا جانے کہ وہ تجھ کو کدھر سے دیکھ لیتے ہیں

(۶۱) بظاہر ہے دوئی پر اصل میں وحدت ہی وحدت ہے
نہ جانا ایک تو نے ہائے غافل دو کو دو جانا

(۶۲) بیخودی دکھلاتی ہے جلوے مجھے ہر دم نئے
ہے عجب عالم کہ ہر عالم میں ہیں عالم نئے

(۶۳) بیخودی نے کئے بال و پرِ عنقا پیدا
میرے گم ہونے سے عالم میں ہے شہرت میری

(۶۴) ہو وصل۔ پر دوئی کی کہیں اسمیں بو نہ ہو
تو ہو تو میں نہ ہوں اگر ہوں تو تو نہ ہو

(۶۵) اُٹھ گیا دیدہ و دل سے دوئی کا پردہ
ایک ہی نور ہوا ارض و سما سے پیدا

(۶۶) گر اپنے تئیں گم تو ذرا دشتِ جنوں میں
شائد کہ کوئی آ کے تجھے راہ بتا جائے

(۶۷) غیر سے کیا معاملہ آپ ہیں اپنے دام میں
قیدِ خودی اگر نہ ہو تو پھر عجب فراغ ہے

(۶۸) خودی جبتک رہے انسان میں اسکو نہیں پایا
یہ پردہ اُٹھ گیا دل سے تو وہ پردہ نشیں پایا

(۶۹) کیا ہے بیخودی نے نیک و بد سے بیخبر ایسا
کہ شکوہ دوست کا کرتا ہوں میں جا جا کے دشمن سے

(۷۰) ابھی کھل جائیں طلسماتِ جہاں کے اسرار
اے رُخِ یار اُٹھا دوں جو میں پردہ تیرا

(۷۱) جلوۂ رُخ سے کیا گھر بیخودی نے آنکھ میں
جب اُٹھا پردہ ادھر۔ تو پھر اُدھر پردہ ہوا

مریے تاں شوہ پائیے

(۱)	برنگِ شمع دل جسنے جلایا تیری دوری میں	تو اُس نے منزلِ مقصود کو زیرِ قدم پایا	آتش
(۲)	حافظ صبور باش کہ در راہِ عاشقی	ہر کس کہ جاں نہ داد بہ جاناں نمے رسد	حافظ
(۳)	جب ہوئے برباد اے آباد تب پایا پتہ	بے نشاں ہوکر ملا ہمکو نشانِ کوئے دوست	آباد
(۴)	دِل جلاکر رُخِ محبوب کا جلوہ دیکھا	ہم نے گھر پھونک کے کیا خوب تماشا دیکھا	
(۵)	پسِ مردن بنائے جائیں گے ساغر مری گِل کے	لبِ جاناں کے بوسے خوب لینگے خاک میں ملکے	
(۶)	نامرد ایسی وادی میں رکھے گا کیا قدم	سر ہو بہم عشق نہ بے سر دیئے ہوئے	
(۷)	آپ کو کھویا مگر جو یا خدا کا ہوگیا	راز جسپر منکشف فقر و فناہ کا ہوگیا	رند
(۸)	حباب آسا محیطِ عشق سے جو پار اترتے ہیں	گذر جاتے ہیں پہلے سر سے پیچھے پاؤں دھرتے ہیں	
(۹)	مِل گیا محبوب سے جو آپ سے باہر ہوا	ایسی از خود رفتگی کیا ہے عزیمت دُور کی	
(۱۰)	روشن ہوا یہ محفلِ عالم میں شمع سے	پروانے سر نہیں جسے وہ سرفراز ہے	
(۱۱)	بُتِ ہستی کو جو توڑیں تو خدا آئے نظر	آتش سنگ کی صورت ہے وہ پنہاں ہم سے	ناسخ
(۱۲)	کبھی وہ منزلِ مقصود تک نہ پہنچے گا	مثالِ جادہ جو اس راہ میں پائمال نہیں	
(۱۳)	ہوا تحقیق اُن لوگوں سے جو ہیں آپ سے باہر	پتہ ملتا ہے جب جو پار ترے سر سے گذرتے ہیں	مند
(۱۴)	کیونکر حباب ہو سکے دریائے بیکراں	دریا سے جب تلک نہ ملے ٹوٹ پھوٹ کے	
(۱۵)	مرنا ترے فراق میں جینے کی ہے دلیل	میں گم ہوا تو تیرا پتہ مجھ کو مل گیا	محشر
(۱۶)	مر کر بھی ہاتھ آوے تو میر مفت ہے وہ	جی کے زیان کو بھی ہم سود جانتے ہیں	میر
(۱۷)	مرنے پہ اپنے مت جا سالک طلب میں اُسکے	گو سر کو کھو رہیگا۔ پھر اس کو پا رہیگا	
(۱۸)	دیکھا جو بعدِ مرگ تو مرنا زیاں نہ تھا	بدلے فناہ کے ملکِ بقا کچھ گراں نہ تھا	
(۱۹)	ہمکو لگا ہے ہاتھ یہ مضموں چراغ سے	روشن ہو نام اس کا جو اپنا جلائے دل	

(۲۰) سالک کو یہی جادہ سے آواز آتی ہے — پامال جو ہو۔ راہ وہ منزل کی نکالے

(۲۱) ہر ہیرُں کی کوٹھڑی ایہہ مکھ بکھ کی کھان — جے سر دتیاں ہر ملے تو بھی سستا جان

(۲۲) بے فنائے خود میسّر نیست دیدارِ شما — میفروشد خویش را اوّلِ خریدارِ شما

(۲۳) جادۂ راہِ بقا غیر از فنا ملتا نہیں — ہے خودی جبتک کہ انساں میں خدا ملتا نہیں

(۲۴) تا نگردد آب دِل صائب زراہِ آتشیں — نیست ممکن یافتن آں گوہرِ نایاب را

(۲۵) نشاں پاتے ہیں پہلے جو نشاں اپنا مٹاتے ہیں — خود اپنا ناش کرکے بیج پھر پھل پھول پاتے ہیں

(۲۶) کس قدر سیماب ہے بیتاب مرنے کے لئے — شوق ہے اکسیر کہلاؤنگا مر جانے کے بعد

(۲۷) گر تو مر جائے تو جینے کا مزہ آئے تجھے — زہر گر ہووے تو امرت کا مزہ آئے تجھے

(۲۸) جے تینوں رب ملن دا چاؤ — سر دھر تلی گلی موری آؤ۔

(۲۹) سر راکھے سر جات ہے سر کاٹے سر ہوئے — جیسے باتی دیپ کی کاٹ اُجالا ہوئے

(۳۰) دُرِ مقصد کی خواہش اور غمِ جاں کیا حماقت ہے — کسی کو ہاتھ آئے ہیں کہیں موتی بھی ساحل سے

(۳۱) مٹا دے آپ کو منظور اگر ہے نامور ہونا — نشاں ہے جو گذر جاتے ہیں وہی نام کرتے ہیں

(۳۲) پائیں مقام دوست جو باہر ہوں آپ سے — کعبے میں شیخ دیر میں ہیں برہمن عبث

(۳۳) اُسے پایا نہیں آساں کہ ہم نے — نہ جبتک آپ کو کھویا نہ پایا

(۳۴) ہم مٹ گئے تو صورتِ ہستی نظر پڑی — ویراں جب آپ ہو گئے بستی نظر پڑی

(۳۵) سچ پوچھیئے تو نیستی۔ ہستی کا راز ہے — جو سر چڑھا ہے دار پر وہ سرفراز ہے

(۳۶) آ رہی ہے یہ شہیدوں کے مزاروں سے صدا — عمرِ جاوید ملی ہے ہمیں بیدم ہو کر

(۳۷) آپ سے گذرے جو گویا پہنچے کوئے یار تک — بیخبر جب ہو گئے پائی خبر تب یار کی

(۳۸) جب تلک ہستی تھی دشوار تھا پانا تیرا — مٹ گئے ہم تو ملا ہم کو ٹھکانا تیرا

(۳۹) کھوئے جب آپ کو ملے۔ محبوب — گم ہوئے تب یہ بات پائی ہے۔

(۴۰) پردۂ رازِ فناہ ہے عینِ آثارِ بقا — بے نشاں ہوتے ہوئے نام و نشاں دیکھا کیئے

(۴۱) نہ دانہ خاک میں ملتا نہ پاتا اوجِ سرسبزی
اُبھرنے ہیں وہی اک دن جو اپنے کو مٹاتے ہیں — صفی

(۴۲) ہے عزمِ ترکِ ہستی وجہِ دوامِ ہستی
جیتے ہی جی فنا ہو گر ہو بقا کی خواہش — راسخ

(۴۳) مر چکے جیتے جی خوشا قسمت
اس سے اچھی تو زندگی ہی نہیں

(۴۴) اُٹھالے زندگی سے ہاتھ اگر ہے وصل کا طالب
کہ بے سر دیئے کے یہ قلعہ سر مشکل سے ہوتا ہے — سحر

(۴۵) میسّر کیوں نہ پھر اسکو حیاتِ جاودانی ہو
فنا جو ہو محبت میں کہیں وہ مر بھی سکتا ہے

(۴۶) یوں یاز اخذِ نور سے ہم کو رکھے ہے جسم
جیسے خسوفِ ماہ کے حائل زمین ہے۔

(۴۷) کچھ لذّتِ وصال اُسیکو ہوئی نصیب
جو نامراد کھیل گیا اپنی جان پر — بیباک

دعا

(۱) قفلِ درِ قبول نہ کھولے بعید ہے
اِنساں کے پاس دستِ دُعا سی کلید ہے

(۲) بے ساختہ آتی ہے مصیبت میں یہ لب پر
فطرت ہی کی جانب سے دعا بھی ہے کوئی چیز

(۳) مقبول مُستجاب نہ ہو بے حضورِ قلب
نیّت درست ہو تو دُعا کا اثر کھلے

(۴) بھٹکی پھرے ہے کب سے خدایا مری دُعا
دروازہ کیا قبول کا اب بند ہو گیا — سودا

(۵) ہوتا نہیں ہے بابِ اجابت کا وا ہنوز
بسمل پڑی ہے چرخ پہ میری دُعا ہنوز

(۶) خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرضِ مطلب سے بھلا کیونکر
کہ ہے دستِ دعا میں گوشۂ دامانِ اجابت کا

(۷) نہ پہنچی جو دعا میرِ واں تک۔ تو عجب کیا ہے
علوِ مرتبہ ہے لیسا اس درگاہِ عالی کا

(۸) تاثیر کو سلام کریں دونوں ہاتھ سے
جسوقت اپنے ہاتھ دعا کو اُٹھائیں ہم

(۹) ضعف سے اُٹھتے نہیں دستِ دُعا
اَب ہماری شرم اُسی کے ہاتھ ہے

(۱۰) دستِ دُعا کو ملتی ہے تاثیر عرش سے
جو ہاتھ سے ہو۔ پاؤں سے وہ جستجو نہ ہو

(۱۱) چاہے صفا تو ساتھ طہارت کے ذکر کر
پرہیز کر تو تجھ کو دُعا کا اثر ملے

(۱۲) مقبول کوئی عرض گنہگار کی نہیں
منہ دیکھتی ہیں میری دعائیں مجیب کا

۱۳ جو دل سے آتے آتے زباں تک قبول ہو
وہ غیر کی دُعا ہے۔ ہماری دُعا نہیں

۱۴ شل ہو گئے ہاتھ اپنے زباں گھس گئی لیکن
ہرگز نہ ہوا ربطِ اجابت کو دُعا سے

۱۵ وہ اور ہوگی وقتِ سحر ہو جو مستجاب
شرمندۂ اثر تو ہماری دُعا نہیں

۱۶ رُکتے ہیں دستِ دُعا اُٹھتے ہوئے
ہے جو ہونا کیوں رہیگا۔ بے ہوئے

۱۷ دُعا کا اور دَوا کا امتحاں منظور تھا دل کو
بھلے چنگے گوارا تھا کسے بیمار ہو جا

۱۸ گئی ہے دیر سے اب تک پھری نہیں شائد
درِ قبول کے اوپر ڈھئی دُعا نے د

۱۹ دُعائے بے اثر کی جب ہوئی کچھ سروبازاری
کلیجے سے ہمارے جل کے آہِ آتشیں نکل

۲۰ تا چرخ نالہ پہنچا۔ لیکن اثر نہ دیکھا
کرنے سے اب دُعا کے ہیں ہاتھ بے اُٹھ

۲۱ مانگی ہے دُعا کس نے الٰہی کہ کھلا ہے
آغوشِ تمنّا کی طرح یا رب اثر آج

۲۲ بہرِ دعائے مرگ اُٹھیں کس طرح سے ہاتھ
چھُٹتی نہیں ہے نبض ہماری طبیب سے

۲۳ مسکراتی آ رہی ہے پھر کوئی تازہ اُمید
سرد آہوں کو دُعا کے ساتھ شامل دیکھ

۲۴ اب ہاتھ اُٹھاتے ہوئے ڈرتی ہے تمنّا
ایسا نہ ہو کچھ تیری شکایت ہو دعا میں

۲۵ مرنے کی مانگتے ہیں دُعائیں خدا سے ہم
تنگ آ گئی ہے ہم سے دُعا اور دُعا سے

۲۶ ممنونِ التفات ہے بیمارِ آرزو
کیجے دَوا غریب کی۔ لیکن دُعا کے ب

۲۷ درگاہ میں کریم کے ہے التجا قبول
دستِ دعا بلند تو کر۔ ہے دُعا قبول

۲۸ کسی طرح نہ ٹوٹا طلسمِ حسرت و یاس
درِ قبول سے ٹکرا کے سر۔ دعا اُلٹی

۲۹ ہوگی فقط شریکِ دُعا۔ ایک بیکسی
میّت پر اپنی آپ پڑھیں گے نماز ہم

۳۰ گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دلِ بے مدعا نہ مانگ

۳۱ دُعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے
کہ پورا ہو جو مدّعا ہے کسی کا

۳۲ سمجھا ہوا ہوں شوخیٔ دستِ دعا کو میں
کچھ روز اور دیکھ رہا ہوں خدا کو میں

۳۳ اثر دے الٰہی ہماری دعا میں
ترے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں

(۳۴	دعا یہ ہے کہ وقتِ مرگ اُسکی مشکل آساں ہو	زباں پر داغ کے نام آئے یارب یکبیک تیرا	داغ
(۳۵	وہ خوب جانتا ہے جو ہے میری آرزو	منہ سے امیر کچھ نہیں وقت دعا کہوں	امیر
(۳۶	اسوقت ہے دعاؤ اجابت کا وقت میر	اِک نعرہ تو بھی پیشکشِ صبحگاہ کر	میر تقی
(۳۷	چو کارساز زِ حاجات آگہی دارد	برائے چیست دُعا و چہ سُود حرفِ سوال	
(۳۸	کیا مؤثر ہو دعا وصلِ صنم کی مومن	ہم طلب کرتے ہیں وہ شے جو مقدر میں نہیں	مومن
(۳۹	مانگے جائینگے۔ دُعا ہوگی نہ جبتک مقبول	لیے لئے جو کبھی ملتا نہ ہو۔ سائل ہے وہی	
(۴۰	شکلِ صدف خدا سے دعا مانگ اُٹھا کے ہاتھ	بحرِ جہاں میں مثلِ گہر آبرو لیے ہے	
(۴۱	کیا ہاتھ اُٹھاؤں بہرِ دعا سوئے آسماں	بر آئے جو کبھی وہ مری آرزو نہیں	ناسخ
(۴۲	کس قدر تاثیر تھی میری زبانِ عجز میں	یاں دعا کی۔ واں درِ عرشِ معلی کھل گیا	اعظم
(۴۳	دی عجز نے جیبِ دستِ دعا کو مرے تحریک	چٹکی میں مری گوشۂ دامانِ اثر تھا	سلیم
(۴۴	یہ ترے دستِ کرم کو کھینچ لیگا ایک دن	ایخدا رہنے نہ دے دستِ دعا سائل کے پاس	اختر
(۴۵	اثر میں ہوگئے کیوں سات آسماں حائل	ابھی تو ہاتھ اُٹھے بھی نہیں دعا کے لئے	
(۴۶	وصل کی میں نے دعا کی تھی مگر دستِ دعا	بندھ گئے تارِ نقابِ شاہدِ تاثیر سے	
(۴۷	بہت تدبیر کی تقدیر کو بھی آزما لیجیے	دوا تو کر چکے اب کچھ خدا سے بھی دعا کیجیے	
(۴۸	دعا قبول نہیں ہم سے عشقبازوں کی	جو مندیے بُت کے ہیں سنتا نہیں خدا انکی	
(۴۹	یاں اُٹھا ہاتھ وہاں بابِ اجابت وا تھا	عرش سے پھر کے نہ محروم دعائیں آئیں	جرار
(۵۰	نسیمِ صبح اجابت ہوئی ہے جنبش میں	میں اپنے دستِ دُعا کھولوں غنچہ ساں اکبار	گویا
(۵۱	یہ تا درِ اجابت پہونچے تو خاک پہونچے	تاثیر نے گھٹایا رُتبہ مری دُعا کا	داغ
(۵۲	جاکر درِ قبول پہ جھڑکی گئی دُعا۔	صد شکر جا کے آپ نہ لایا اثر کو میں	"
(۵۳	آتا وہ دوڑ کر شبِ غم اے دعائے وصل	اللہ نے بنائے نہیں ہیں اثر کے پاؤں	"
(۵۴	ہزار بار جو مانگا کرو۔ تو کیا حاصل	دعا وہی ہے۔ جو دل سے کبھی نکلتی ہے	"

۵۵	حسن اثر سے ضد نہیں یاں خواہش ہزار	بگڑی ہوئی ہے ہم سے دعا۔ اور دعا سے
۵۶	تو اگر چاہے تو خالی نہ پھرے دستِ دعا	خود اجابت دربابوسِ اثر تک پہونچے
۵۷	جب ہاتھ کانپتے ہوں تو کب تیر لگ سکے	کیا خاک ہو دعا کا اثر اضطراب میں
۵۸	اُٹھاتے ہاتھ کیوں ناامید ہو کر	اگر پاتے اثر کچھ ہم دُعا میں
۵۹	کیوں دُعا اپنی نہ ہو بابِ ظفر کی کنجی	گریہ ہے قفلِ درِ گنج اثر کی کنجی
۶۰	اکبر مریض ہے تو دُعا بھی اُسے سکھاؤ	ایسا نہ ہو کہ صرف دوا کا ہی ہو رہے
۶۱	آرزوئیں تھیں تو اُٹھ جاتا تھا دستِ آرزو	نامرادِ زیست کو دستِ دُعا سے کیا غرض
۶۲	مگر بابِ اجابت تک نہ پہنچی ہے نہ پہنچے گی	دلیلِ نارسائی ہے دُعا کا با اثر ہو
۶۳	مانگا کریں گے اَب سے دُعا ہجرِ یار کی	آخر تو دشمنی ہے دُعا کو اثر کے ساتھ
۶۴	خدا نے دی ہے کیا تاثیر وقتِ صبحِ صادق کو	اثر رکھتی ہے اکثر جو دعائے صبحِ صادق
۶۵	اگر بابِ اجابت تک رسا اپنی دعا ہوتی	تو جی میں تھا کہ خواہانِ دلِ بے مدعا
۶۶	ہوتی نہیں قبولِ دُعا ترکِ عشق کی	دل چاہتا نہ ہو تو دعا میں اثر کہاں
۶۷	کھلا ہے بابِ اجابت دُعا تو کر غافل	درِ کریم سنا ہے کبھی کہ بند ہو
۶۸	رزق کی وسعت جو ہے منظور اے دل کر دُعا	بھیک کا ٹکڑا گدا کو بے صدا ملتا نہیں
۶۹	رات گذری صبح آئی کر دعا حق سے امیر	سارے وقتوں سے یہی اچھا اثر کا وقت
۷۰	نہ گھبرا اس قدر شامِ شبِ فرقت سحر ہو گی	دعا تو مانگ غافل مستعد اختر ہے امیر
۷۱	سراپا آرزو ہوں کیا نہ مانگوں اور کیا مانگوں	خدا سے گر دعا مانگوں دلِ بے مدعا مانگوں
۷۲	نادان خودسری سے میری بددعا نہ لے	گوشہ نشیں ہوں تیر کماں ہے مری زباں
۷۳	ہم ہاتھ اٹھا لیں گے دعا دل سے اگر آج	بیکس کی طرح خاک پہ لوٹے گا اثر آج
۷۴	قدرت خدا کی ہے کہ ہلا دیں دُعا سے ہم	کتنا بڑا ہے عرش اور اتنے ذرہ سے ہم
۷۵	فکرِ شراب دل میں۔ ذکرِ بتاں ہے لب پر	میری دعا الٰہی ہو مستجاب کیونکر

(۲۹) ابھی ابرِ رحمت برستا ہے آکر | اٹھائیں تو ساغر دعا کرنے والے — نوح

تصویر مذاہب

(۱) راہیں تھیں گو رقیب کی اور میری مختلف | ہم دونوں ایک منزلِ جاناں پہ جا ملے

(۲) ایک ہی مقصود ہے ہر غافل و آگاہ کا | فرق ظاہر میں جو کچھ ہو پھیر سمجھو راہ کا

(۳) اہلِ مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع | ایک ہی مالک جہاں کا ہے تو پھر کیسی نزاع

(۴) شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشتِ دل میں ہو | درد منزل ایک تھی ٹک راہ ہی کا پھیر تھا — درد

(۵) پرستش ہے اسی خالق کی گو فرقِ مذاہب ہے | پہنچتے ہیں وہی سب اپنی اپنی راہ چلتے ہیں

(۶) وہ ہر سو جلوہ افگن ہے غرض کیا دیر و کعبہ سے | ہنسی آتی ہے مجھ کو قصۂ شیخ و برہمن سے

(۷) شیخ کعبہ سے گیا واں تک برہمن دیر سے | ایک تھی دونو کی منزل پھیر تھا کچھ راہ کا — امیر

(۸) احوالِ مذاہب سے یہ ثابت ہوا ہم کو | اک بات ہے حسن کا کئی صورت سے بیاں ہے

(۹) جو ہے کلامِ شیخ۔ وہی قولِ برہمن | مطلب ہے ایک۔ فرق فقط ہے لغات کا — ناسخ

(۱۰) ہے جلوہ دیر و کعبہ میں اسی محبوب کا حافظ | نزاع باہمی ناحق ہے یہ شیخ و برہمن میں — حافظ

(۱۱) الٰہی دونوں آنکھوں سے نظر تو ایک آتا ہے | لڑائی پھر میاں کافر و دیندار کیسی ہے

(۱۲) کافر و دیندار ہیں فہم سے اپنے خلاف | رشتہ وہی ایک ہے سبحہ و زنّار میں — آتش

(۱۳) ہر رنگ میں ہے جلوہ کناں رنگ اُسی کا | ناحق ہے تناقض حرم و دیرِ مغاں کا

(۱۴) دیکھنے کو دو ہیں آنکھیں درحقیقت اک ہے نُور | ایک ہی جلوہ ہے اس کا کافر و دیندار میں — جوہر

(۱۵) وہی کعبہ میں ہے ایدل وہی بُت خانے میں | ہم نے تو دونو جگہ ایک ہی نقشہ دیکھا

(۱۶) ظاہر و باطن جہاں دیکھا۔ وہی ہے جلوہ گر | چشم و دل دو آئینے ہیں ایک ہی تصویر کے

(۱۷) دیر و مسجد پر نہیں موقوف کچھ اے غافلو | یار کو سجدے سے مطلب ہے کہیں سجدہ کیا

(۱۸) یہاں تسبیح کا حلقہ وہاں زنّار کا پھندا | اسیری لازمی ہے مذہب شیخ و برہمن میں

(۱۹) بت دیر و حرم کے تو سمجھے ہیں کچھ فرق
پتھر کا ہی جب پوجنا آیا تو کہیں ب...

(۲۰) شیخ کعبہ میں ہے سرگرداں برہمن دیر میں
جسکو دونو ڈھونڈتے ہیں وہ ہمارے دل ...

(۲۱) کفر و ایماں کی حقیقت سالکوں پر کھل گئی
منزلیں ہیں ایک دونو دیکھ آئے راہ ...

(۲۲) خدا ہی کی عبادت جنکو ہو مقصود اے اکبر
وہ کیوں باہم لڑیں گو فرق ہو طرز عبادت میں

(۲۳) ہر طرف سے راستہ ہے خانۂ اللہ کا
دیر، کعبہ یا کلیسا پھیر ہے اک راہ ...

(۲۴) قید مذہب میں پھنسے چھوڑ کے رندانہ طریق
کیسے جھگڑے میں ہو تم کافر و دیندار پڑے

(۲۵) جنہیں کفر و الحاد کہتا ہے شیخ
فقط پھیر ہے راستہ ایک ہے

(۲۶) کیا عرب میں کیا عجم میں ایک لیلیٰ کا ہے شور
مختلف ہوں گو عبارات اُن کا محمل ایک ...

(۲۷) کوئی ہو کافر کوئی مسلماں جدا ہر اک کی ہو راہ ایماں
جو اسکے نزدیک رہبری ہو وہ اس کے نزدیک رہنما ...

(۲۸) بہ سیر کعبہ و دیر یم گاہ اینجا و گاہ آنجا
کہ مطلب جستجوئے اوست خواہ اینجا و خواہ آنجا

(۲۹) آپ اپنے پکھ کی سب کوئی راکھت ٹیک
رہ جب نشانہ ایک ہے تیر انداز انیک

(۳۰) ادھر تسبیح کی گردش میں پایا شیخ صاحب کو
برہمن کو ادھر الجھا ہوا زنار میں دیکھا

(۳۱) از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است
در حیرتم کہ دشمنی کفر و دیں چرا است

(۳۲) اسرار حقیقت سے خبردار جو ہوتے
ہفتاد و دو ملت میں کبھی جنگ نہ ہوتا

(۳۳) جو کہ حرم میں ہے وہی دیر میں بھی ہے جلوہ گر
کیا ہوا اگر ہیں ظاہرا دیر و حرم الگ الگ

(۳۴) نہ رہ پابند کفر و دیں غرض رکھ اسکی الفت سے
جو عاشق ہے تو قید سبحہ اور زنار جانے دے

(۳۵) نے میکدہ سے کام نہ مطلب حرم سے تھا
محو خیال یار رہے ہم جہاں رہے

(۳۶) شام تک منزل پہ جب پہنچے تو سب ہیں اک جا
ظاہرا رستے میں لوگوں سے جدا جاتا ہو کہیں

(۳۷) کہاں لکھا ہے مذہب میں کرو تم بیر آپس میں
غضب ہے گر زمانے میں جدا بھائی سے بھائی ہے

(۳۸) اذاں دی کعبے میں ناقوس (دشمنی) دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

(۳۹) کعبہ و بت خانہ اہل معرفت کو ایک ہے
دو طریقے پر کھچا نقشہ عبادت گاہ کا

(۴۰) ازل سے سُبحہ و زنار میں رشتہ ہے جب قائم
تو پھر تم میں لڑائی کافر و دیندار کیسی ہے — آزاد

(۴۱) مشعل ہے بتکدے میں تو کعبہ میں ہے چراغ
تو ہے ہمارے یار کی گھر گھر لگی ہوئی — احد

(۴۲) نہ کلیسا پہ ہے موقوف نہ کچھ کعبے پر
ہر جگہ ہم نے تجھے جانِ جہاں دیکھا ہے — دیا

(۴۳) نفاق کفر و دیں کو کیا غلط کہتا ہو تو واعظ
وہ ہیں زنّار جو تسبیح کے دانوں میں رہتے ہیں — داغ

(۴۴) حرم و دیر و کلیسا کی کچھ نہیں تخصیص
جس جگہ دیکھا وہاں تیرا ہی جلوہ دیکھا — امیر

(۴۵) کفر و ایمان میں ہیں یہ جھگڑے بکھیڑے کس لئے
ایک ہی ہوتا ہے ڈورا سُبحہ و زنّار کا — رضا

انسان

(۱) امیر اس کی ہے لامکاں تک رسائی
فرشتے سے بھی کچھ سوا آدمی ہے — امیر

(۲) ملک سجدہ کریں آدم کو کیا ذرّہ نوازی ہے
دیا بندہ کو اپنے اس نے خود آداب اپنا سا — ذوق

(۳) ہم ہی ہیں عالم اکبر ہوئے گو جرم صغیر
مظہر جلوۂ حق حضرت انسان ہیں ہم — سودا

(۴) یہ شرف کم نہیں اے آدم خاکی تیرا
اُس نے اپنے لئے تعمیر کیا خانۂ دل — اثر

(۵) بنایا آدمی کو ذوق اِک جزوِ ضعیف
اور اس ضعیف سے کُل کام دو جہاں کے لئے — ذوق

(۶) باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
پہنچا اس جا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا — درد

(۷) خاک کے پتلے نے وہ بوجھ لیا گردن پر
کہ سمجھتے تھے جسے عرش کے حامل بھاری — آتش

(۸) ہے آدمی بجائے خود اِک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو — غالب

(۹) کیا شانِ ایزدی نے تماشہ دکھا دیا
انسان کا فرشتوں سے رتبہ بڑھا دیا

(۱۰) بنایا اے ظفر خالق نے کب انسان سے بہتر
ملک کو۔ دیو کو۔ جن کو۔ پری کو۔ حور و غلماں کو — ظفر

(۱۱) بندہ نوازیاں تو یہ دیکھو کہ آدمی
جزوِ ضعیف محرمِ اسرارِ کُل ہوا — ذوق

(۱۲) جو فرشتے کرتے ہیں کر سکتا ہے انسان بھی
پر فرشتوں سے نہ ہو جو کام ہے انسان کا — ذوق

(۱۳) ہیں مشتِ خاک لیکن۔جو کچھ ہیں تیرہ ہم ہیں
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہما

(۱۴) ظہورِ آدمِ خاکی سے یہ ہم کو یقیں آیا
تماشہ انجمن کا دیکھنے خلوت نشیں آ

(۱۵) فخرِ آدم کو نہ ہوتا جو فرشتہ ہوتا
بنی آدم سے جو منسوب ہوا خوب

(۱۶) آدمِ خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ
آئینہ یہ تھا۔مگر قابلِ دیدار نہ تھا

(۱۷) گنجِ پنہاں ہیں تصرّف میں بنی آدم کے
کان سے لعل۔یہ دریا سے گہر لیتا

(۱۸) کیا غضب ہے نہیں انسان کی قدر
ہر فرشتے کو یہ حسرت ہے کہ انسان

(۱۹) نہیں اسرار سے آتش یہ پتلا خاک کا خالی
یہی وہ گرد ہے جس سے سوار آخر عیاں ہوگا

(۲۰) ہے آدمی بجائے خود اک مَنبعِ کمال
گر سعی ہو تو دیکھ لے۔تو شانِ ذوالجلا

(۲۱) فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

(۲۲) فرشتے بھی دیکھیں تو کھل جائیں آنکھیں
بشر کو وہ جلوے دکھائے گئے ہیں

(۲۳) حکمت سے ہے یہ خاک کا پتلا بنا ہوا
نورِ آنکھ میں ہے اسکے تو مغزِ استخوان میں

(۲۴) سجدہ آدم کو۔فرشتوں نے کیا۔خوب کیا
قدرت اللہ کی ظاہر ہوئی انساں سے

(۲۵) یہ مشتِ خاک یعنی انسان ہی ہے روکش
ورنہ اُٹھائی کس نے یہ آسماں کی ٹکر

(۲۶) کیوں نہ ہو مخلوق میں انسان کو سب پر شرف
نہ ہوئے کام ملک سے جو بشر کرتے ہیں

(۲۷) فرشتوں کو کیا مات آدمی نے
قیامت کا یہ مشتِ خاک نکلا

(۲۸) ظاہرا ہستیٔ ناچیز بشر ہے کیا چیز
یہ وہ قطرہ ہے جو بڑھ جائے تو دریا ہو جا

(۲۹) چار دیوارِ عناصر کی ہے وسعت اس قدر
شش جہت کو تنگ کر دیگا جو وسعت پائ

(۳۰) جوہر وہ کونسا ہے جو انسان میں نہیں
دیکر خدا نے عقل اسے ذوفنوں کیا

(۳۱) پشتِ پا کیوں نہ یہ کونین کے اوپر مارے
دستِ قدرت سے ہوا پیکرِ انسان تیا

(۳۲) فخر ان خاک کے پتلوں کا نہ کیونکر ہو بھلا
ڈھونڈا ہے عالمِ بالا میں بھی انسانوں نے

(۳۳) بشر جو اس تیرہ خاکداں میں پڑا یہ اسکی فروتنی ہے
وگرنہ قندیلِ عرش میں بھی اسیکے جلوے کی روشنی ہے

۳۴ آدمی سے ملک کو کیا نسبت
شان ارفع ہے میر انساں کی

۳۵ جوہر ہیں تم میں سب ملکوتی صفات کے
انساں کیا سجودِ ملائک کے واسطے

۳۶ حرمت سے ملائک نے اسے سجدہ کیا ہے
جسوقت کہ وہ صورتِ انسان میں آیا

۳۷ پر فرشتوں کے جہاں جلتے ہیں واں بلوالیا
واہ کیا رتبہ دیا خالق نے آدم زاد کو — جرار

۳۸ فرشتے سجدہ کرتے ہیں بڑی توقیر ہے انکی
بڑھایا کیا خدا نے مرتبہ اولادِ آدم کا — آباد

۳۹ یہ سب ظہور شانِ حقیقت بشر میں ہے
جو کچھ نہاں تھا تخم میں پیدا ثمر میں ہے — امیر

۴۰ دیا اللہ نے ایسا کمالِ عشق انساں کو
فرشتہ دیکھکر انسان کامل ہاتھ ملتا ہے — ظفر

۴۱ فرشتے اور وہ سجدہ کریں آدم کے پتلے کو
جھکایا نوریوں کے سر کو بھی اس پیکرِ گل نے — صفی

۴۲ مثالِ شیرِ مادر خونِ دل پیتا ہے غیرت سے
دیا کیا حوصلہ اللہ نے فرزندِ آدم کو — رند

۴۳ مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں — میر

(۴۴) زمین و آسمان و مہر و مہ سب تجھ میں ہے انساں
نظر کر دیکھ مشتِ خاک میں کیا کیا چمکتا ہے

(۴۵) لذتِ شرم گنہ تھی کب فرشتوں کو نصیب
یہ مزا چکھنے کو پیدا خلق میں آدم ہوا — امیر

(۴۶) مرتے ہیں ہم تو آدم خاکی کی شان پر
اللہ رے دماغ کہ ہے آسمان پر

(۴۷) اور پیرایہ میں ممکن نہیں قدرت کا ظہور
ہے یقیں مجھ کو خدا صورتِ انساں ہوگا — سحر

(۴۸) شیطان کا شیطان، فرشتہ کا فرشتہ
انسان کی یہ بوالعجبی یاد رہے گی

(۴۹) صانع کی صنعتوں پر سو حسن کیوں نہ برسیں
اپنی کیسی ادا کو انساں بنا دیا ہے

(۵۰) گر آنکھ ہے تو باطنِ انساں کی دید کر
کیا کیا طلسم دفن ہیں مشتِ غبار میں — ناسخ

(۵۱) اپنی صورت کا وہ ہوا شیدا
اپنے آپ کو انساں بنا دیکھا

(۵۲) موسیٰ نے کوہِ طور پہ باتیں خدا سے کیں
رتبہ بشر کا دیکھئے۔ ہوتا ہے کیا سے کیا

(۵۳) اشرف المخلوق کہلاتا نہ کیوں کر آدمی
تو خدا ہو کر خدا سے شکلِ انساں ہو گیا

(۵۴) مختار بھی مجبور بھی کاموں میں بشر ہے
اس سے یہ سزاوار جزا ہے بھی نہیں بھی — افسر

(۵۵) سنتے ہیں کان رکھ کے فرشتے بھی اُسکی بات — کہتا ہے دُور دُور کی انساں کبھی کبھی

(۵۶) جو خانۂ ہستی میں ہے انساں کیلئے ہے — آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لئے ہے

(۵۷) اے داغ آدمی کی رسائی تو دیکھنا — سر پر دھرے ہیں عرش نے خیر البشر کے پاؤں

(۵۸) شانِ خالق ہے عیاں انسان کی تقریر میں — خود مصوّر بولتا ہے پردۂ تصویر میں

(۵۹) جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا — جو کچھ کہ سُنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا

(۶۰) سمجھے آتش نہ کوئی آدمِ خاکی کو حقیر — نہیں اسرار سے یہ خاک کا پتلا خالی

(۶۱) عرش تک ہو نہیں سکتی جو رسائی نہ سہی — یہی انساں کی ہے معراج کہ انساں ہو جائے

(۶۲) مکتبِ صبحِ ازل کا ہے خلیفہ انساں — پھر کرے کون اگر یہ ہی خلافت نہ کرے

(۶۳) انساں کی ذات سے ہیں خدائی کے کھیل یاں — بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں

تاریک پہلو

(۱) سب رازِ جلی ۔ سِرِّ خفی اس پہ ہویدا — پھر غور سے دیکھو تو نہیں کچھ بھی بشر میں

(۲) ہووے اگر حقیقتِ آدم سے مُطّلع — شیطاں ہو منفعل عملِ ناصواب سے

(۳) صرف موت سے ابنِ آدم ہے عاجز — وگرنہ نہ تھا یہ کسی کے بھی بس کا

(۴) موت نے کر دیا لاچار وگرنہ انساں — ہے وُہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

(۵) خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا — یہ چیز وہ ہے کہ دیکھی کہیں کہیں میں نے

(۶) اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے — کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے

(۷) نفسِ بمقدور کو قدرت ہو گر تھوڑی سی بھی — دیکھ پھر سامان اِس فرعون بے سامان کا

(۸) اس تقیّد پر تو عالم ہے آزادی کا — کیا قیامت کرے انسان جو مجبور نہ ہو

(۹) نفسِ ما ہم کمتر از فرعون نیست — لیک آں را عون ما را عون نیست

(۱۰) وُہ ہیں کہ میری عرش پہ تھی منزلِ عالی — کرتی ہے زمیں بھی مِرے قدموں سے حذر آج

(۱۱) سنایا اس قدر ان مردمِ ابلیس خصلت نے — کہ ڈر کر آدمیت چھپ رہی تربت میں آدم کی — امیر

(۱۲) سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو — وگرنہ ہم خدا تھے گر دلِ بے مدعا ہوتے — میر تقی

(۱۳) شیطاں بھی اماں مانگتا ہے انکے عمل سے — کیا حضرتِ آدم کی بھی اولاد غضب ہے — ذوق

(۱۴) بظاہر سب ہیں انساں۔ ایک باطن کی خدا جانے — کہ ہیں انسان ان میں کتنے اور حیوان کتنے ہیں — ظفر

(۱۵) آدمی ہونا بہت دشوار ہے — پھر فرشتے حرصِ آدم کیا کریں — داغ

(۱۶) بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا — آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا — غالب

قدرِ حسن

(۱) آنکھ والے راہ میں حیرت کے پتلے بن گئے — کچھ نہ سوجھا خاک کے پتلوں کا عالم دیکھ کر

(۲) دیکھیں اس عالم میں ہم نے کیسی کیسی صورتیں — پر جواب اب تک نہ دیکھا حُسنِ آدم زاد کا

(۳) حسن کی دولت سے ہے تجھ میں صنم شانِ خدا — جس طرف تو ہو گا۔ اک عالم اُدھر ہو جائیگا

(۴) اچھی صورت میں بھی خالق نے بھرا ہے جادو — اپنے مشتاق کو دیوانہ بنا دیتی ہے

(۵) دستِ قدرت نے دیا ہے حُسن کو کتنا اثر — ایک عالم محوِ عشقِ روئے خوباں ہو گیا

(۶) حور و غلماں شیفتہ۔ جنّ و مَلک مشتاقِ دید — حق نے وہ رُتبہ دیا ہے حُسنِ آدم زاد کو

(۷) دیدۂ عارف سے جب دیکھا تو یہ روشن ہوا — مظہرِ نورِ الٰہی۔ حُسنِ مُشتِ خاک تھا — آتش

(۸) جو پیشِ چشمِ معنی جلوۂ حُسنِ بشر آیا — تماشہ پرتوِ انوارِ خالق کا نظر آیا

(۹) حسن سے بڑھ کے زمانے میں کوئی چیز نہیں — اپنا گھر بیچتے دیکھا ہے خریداروں کو

(۱۰) سب دولتوں پہ حسن کی دولت کو ہے شرف — محمود بادشاہِ غلامِ ایاز ہے

(۱۱) نہ پڑتا پرتوِ حق کا اگر رخسارِ خوباں پر — تو ہر عاشق کی آنکھوں میں حسن منظور کیوں ہوتا

(۱۲) ہے حسن بھی کیا چیز۔ کہ جاتے ہیں جدھر وہ — تعظیم کو اُٹھ جاتی ہیں خلقت کی نگاہیں

(۱۳) حسن بھی کیا چیز ہے۔ زاہد ذرا انصاف کر — اپنے بندوں کو خدا دیتا ہے لالچ حور کا

(۱۴) دوئی کا پردہ اُٹھا دل سے اور آنکھ سے دیکھ | خدا کے نور کو حُسنِ بتاں کے پردے میں

(۱۵) بتوں کے حُسن سے ہے نورِ حق عیاں ہوتا | مجاز پر بھی حقیقت کا ہے گماں ہوتا

(۱۶) سیر کی قدرتِ خالق کی۔ بتوں میں سودا | مشت بھر خاک میں جلوے ہیں بھلا کیا کیا کچھ

(۱۷) روشنی پر حسن کی۔ جلتے ہیں عاشق آپ سے | کچھ کسی پروانے کا ہرگز نہیں دشمن چراغ

(۱۸) جو دیکھ لے اُسے واجب ہے شکر کا سجدہ | ظہور جلوہ حق ہے۔ ترا جمال نہیں

(۱۹) جی چاہتا ہے کہ قدرتِ صانع پہ ہوں نثار | تجھ کو بٹھا کے سامنے یادِ خدا کروں

(۲۰) پری نے۔ حور نے۔ غلماں نے۔ کب یہ شکل پائی ہے | خدا نے ہاتھ سے اپنے تری صورت بنائی ہے

(۲۱) ایک بیں کیا خوب گر دیکھے اُسے حسن آفریں | اپنی صنّاعی پہ حیراں خود وہ صورت گر رہے

(۲۲) کیا کہیں اُنسے۔ تو نہیں ہمنے کیا دیکھا نہیں | جو یہ کہتے ہیں سُنا ہے۔ پر خُدا دیکھا نہیں

(۲۳) وہ خود کیسا ہے جسنے ان حسینوں کو بنایا ہے | انہیں جب دیکھتے ہیں ہم۔ تو اُنکو یاد کرتے ہیں

(۲۴) خدائی کا جلوہ ہے۔ مومن۔ کہ تو | گر اس بت کو دیکھے تو ہو جائے غش

(۲۵) حُوروں سے کم نہیں ہیں حُسینانِ دہر بھی | جنّت کے پھول ہیں چمنِ کائنات میں

(۲۶) وُہ بت فروغِ حُسن سے پُتلا ہے نُور کا | دیکھے نگاہ بھر کے یہ تابِ بشر نہیں

(۲۷) ہے آئینہ مُظہرِ حق تو ہی واللہ | بر عکس سمجھتے ہیں جو کہتے ہیں بُری جا

(۲۸) یہ مظہر ہے اُسی کا داغ جو کچھ دیکھتا ہے تو | خدا پر رکھ نظر۔ شانِ خدائی دیکھنے والے

(۲۹) حُسن جس چیز میں ہو دیکھ کے خوش کر دل کو | بند کرلے مگر آنکھیں۔ اگر انسان میں ہو

(۳۰) ہے نظر کاتب کی اپنے ہاتھ کی تحریر پر | خود مصوّر ہی لٹا جاتا ہے اس تصویر پر

(۳۱) دل ہو وفا پسند۔ نظر ہو حیا پسند | جو حُسن میں یہ وصف ہو وہ ہے خُدا پسند

(۳۲) حُسن وہ شے ہے کہ پتھر میں بھی کرتا ہے اثر | چشم عاشق کی طرح آئینے حیراں ہوگئے

(۳۳) دیکھا تجھے اے حُسنِ ازل دُور سے ورنہ | ہیں حُسنِ بشر دیکھ کے کوتاہ نظر تھا

(۳۴) بزمِ دنیا میں عجب دیکھا حسینوں کا اثر | یاں فرشتوں کے تئیں پاؤں پھسلتے دیکھا

۳۵ ہم نے مخلوق میں خالق کی تجلّی پائی — دیکھ لی آئینہ میں آئینہ گر کی صورت

۳۶ میں تو کہدوں صفا اس کے حُسن کی کیا شان ہے — پَر خداوندِ دو عالم تو خفا ہو جائے گا

۳۷ جلوۂ حُسنِ بتاں کی ہے نمائش ایسی — اے دل اِس باغ کا ہوگا چمن آرا کیسا

۳۸ حیراں نہ ہو دیکھ میں کیا دیکھ رہا ہوں — بندے تیری صورت میں خدا دیکھ رہا ہوں

۳۹ حُسن بھی عشق ہے ایسا نظر آتا ہے مجھے — پسِ پردہ کوئی بیٹھا نظر آتا ہے مجھے

۴۰ گو فکرِ مصوّر نے یہ نقش تراشے ہیں — دیکھا ہے خدا اِن میں ہر محوِ تماشا نے

۴۱ قسم خدا کی زمانہ یقین کر لیتا — اگر خدائی کا دعوٰی یہ خوبرو کرتے

۴۲ واعظا دیتا ہے کیا ترغیبِ جنت تو مجھے — حُور و غلماں حسن میں کب پہونچے آدم زاد کے

۴۳ اے حُسن کے مائل یہ نصیحت میری سُن لے — سیرت پہ نظر چاہیئے صورت سے زیادہ

۴۴ پڑ گئی جس کی نظر اس پر وہ دیوانہ ہوا — حسن سے انساں بلائے جانِ انساں ہو گیا

۴۵ حُسن و جمال سے ہے زمانے میں روشنی — شب ماہتاب کی ہے تو دن آفتاب کا

۴۶ قلمروِ حُسنِ عالمگیر کا یہ رُبعِ مسکوں ہے — کہ وہ مہِ ہفت کشور میں ہے تابع تیرے فرمان کا

۴۷ جتنے ہیں داغِ جنوں ہیں سکّہ شاہانِ حُسن — کشورِ دل میں رواں کس کس کے فرماں ہوگئے

۴۸ حسینوں کو تلاش رزق کب ہوتی ہے غربت میں — لئے پھرتے ہیں مثلِ ماہ گویا ساتھ خرمن کو

۴۹ ایک ایک سے دلچسپ ہے جو عضوِ بدن ہے — یارب طرحدار ہیں کن سانچوں کے ڈھالے

۵۰ حسینوں کی محبت چاہیئے قلبِ مسلماں میں — خدا تعریف فرماتا ہے خوش رویوں کی قرآں میں

۵۱ جہاں میں حسن پرستی کا کیوں رواج نہ ہو — کہ اللہ بھی عزیز رکھتا ہے حسینوں کو

۵۲ ہوگیا زرد پڑی جس کی حسینوں پر نظر — یہ عجب گل ہیں کہ تاثیرِ خزاں رکھتے ہیں

۵۳ مظہرِ خاص تجھے حق نے بنایا ہے صنم — شان اُسکی تری ہر شان سے ہم دیکھتے ہیں

۵۴ تری صورت کچھ ایسی کلکِ قدرت سے حسیں نکلی — کہ اسکی ہر ادا سے شانِ صورت آفریں نکلی

۵۵ تھا حسن میں نہ رنگ ادا کا نہ ناز کا — یہ نقش یادگار ہے آئینہ ساز کا

(۵۷) دیکھا ہے جسنے حسن کا تیرے شکوہِ شان — حیراں ہی بنت رہا ہے وہ تصویر کی طر

(۵۸) حسنِ خوباں سے نظر ہے طرفِ حُسنِ ازل — جس کی صنعت ہے یہ صناع وہ کیسا

(۵۹) پڑھیں درود نہ کیوں دیکھ کر حسینوں کو — خیالِ صنعتِ صانع ہے پاک بینوں

(۵۹) الٰہی کیسی کیسی صورتیں تو نے بنائی ہیں — کہ ہر صورت کلیجہ سے لگا لینے کے قابل

(۶۰) حقیقت بیں نظر سے دیکھ دنیا کی ہر اک شے کو — مزہ جب ہے بنے تو حق نگر صورت نگر ہو

(۶۱) ہوں اگر آنکھیں تو دیکھو صنعتِ صورت نگری — آئینہ اپنے مصوّر کا ہے جو تصویر ہے

(۶۲) حسن بھی دولت ہے دولت پا کے ہوتا ہے غرور — کیوں نہ ہو اُس خوش اَدا کو خوش ادائی پر گھمنڈ

(۶۳) خوشنما ہے ہو حسینوں میں کجی یار استی — کچھ خطِ روئے صنم کو حاجتِ مسطر نہیں

(۶۴) صورت اچھی ہو تو اچھے اچھے ہوتے ہیں فدا — قید میں آئے فرشتے حُسنِ آدم دیکھ کر

(۶۵) گیا حُسنِ خوبانِ دلخواہ کا — ہمیشہ رہے نام اللہ کا

(۶۶) چاہ میں زہرہ جبیں کے ہیں فرشتے بھی اسیر — شانِ معبود ہے یہ حُسن بشر رکھتے ہیں

(۶۷) حُسنِ فطرت کے تماشہ سے ہوا حیران وہ شوخ — آئینہ دیکھا تو خود آئینہ بن کر رہ گیا

(۶۸) حُسن پیدا کئے اس عالمِ ایجاد میں کیا کیا — خدائی کا تماشہ دیکھ قدرت دیکھنے والے
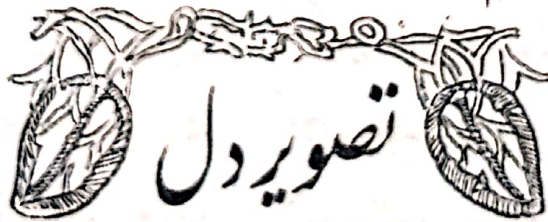
تصویر دل

(۱) وہ نہ ہو تو یاس ہو۔ یہ تو نہ ہو کوئی نہ ہو — خانۂ دِل میں الٰہی نہاں کوئی تو ہو

(۲) دِل پہ ظاہر ہے حال ہر دل کا — اِس نگر میں کدھر کی ڈاک نہیں

(۳) نہایت پاس دیکھا یار کو جب کی نظر میں نے — کروں میں دُوربیں کو صدقہ اپنے دل کے روزن پر

(۴) سیر کر کے دو گھڑی دِل کو بہلا لیتے ہیں — دل ہمارا ہے مرقع صحبتِ احباب کا

(۵) تنہا سمجھ رہا ہے میرے دِل کو چارہ گر — دنیا بسی ہے اس میں کسی کے خیال کی

(۶) آزماتا ہوں محبت میں ہیں ظرفِ دل کو — درد و غم اس میں کہاں تک سماتے جاتے

(۷) ہزاروں حسرتیں مرتی بھی ہیں پیدا بھی ہوتی ہیں — بظاہر گو ذرا سا دل ہے لیکن اک دنیا ہے

(۸) جسکو سب کہتے ہیں دل گنجِ گرانمایہ ہے — خود شناسی ہو تو تم دیکھو کہ کیا کچھ ہم میں ہے

(۹) دیکھتے ہیں سارے عالم کا تماشہ دل میں ہم — ساغرِ دل اپنا رشکِ جامِ جم پیدا ہوا — در

(۱۰) وہ دل کہ جس میں سوزِ محبت نہ ہووے ذوق — بہتر ہے اس سے سنگ کہ اس میں شرر تو ہے — ذوق

(۱۱) دل جوانی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا — آجتک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں

(۱۲) حسرت کو شہرِ عشق میں بھیجا خدا نے جب — رہنے کو خانۂ دلِ مضطر بنا دیا

(۱۳) دل ہی نہیں رکھتے کسی دلبر سے غرض کیا — کچھ بیچتے ہم بھی تو خریدار کو تکتے

(۱۴) کونین تک تھی ملتی جس دل کی مجکو قیمت — قسمت کہ اک نگاہ پر میں اس کو ڈال آیا — [illegible]

(۱۵) مثالِ تاجرِ کم مایہ ہیں بھی اک دل پر — چلا ہوں یارِ عدیم المثال لینے کو

(۱۶) دل وہ میرا لے گئے دردِ محبت دے گئے — شمع ٹھنڈی کر گئے اور سوزِ فرقت دے گئے

(۱۷) بخشش کے پاس گوہرِ دل تھا ایسا ہیں — کچھ قیمت اسکی تو نے نواسے جوہری نہ کی — [illegible]

(۱۸) ہو گیا مہمان سرائے کثرتِ موہوم آہ — وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

(۱۹) بھری ہیں حسرتیں ہی حسرتیں اس خانۂ دل میں — مگر دیکھو تو یہ پھر گھر کا گھر خالی کا خالی ہے — داغ

(۲۰) آنکھ سے آنکھ لڑی پر نہ مجھے ڈر ہے دل کا — کہیں یہ جائے نہ اس جنگ و جدل میں مارا

(۲۱) ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں — دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں — درد

(۲۲) یارب یہ دل ہے یا کوئی مہمان سرائے ہے — غم رہ گیا کبھو کبھو آرام رہ گیا

(۲۳) آگے زلفیں دل میں بستی تھیں اور اب آنکھیں تری — ملکِ دل اپنا ہمیشہ کافرستاں ہی رہا

(۲۴) دل کے لگ جانے پہ ہی موقوف اپنی دیکھ بھال — دل نہیں ملتا کسی سے تو نظر ملتی نہیں

(۲۵) نزدیک اپنے رہنے سے منت کرے ہیں تو منع — ہیں لاکھ دور حبیب ترے دل سے پرے ہوئے

(۲۶) دل اگر فارغ نہیں ناساز ہے سازِ نشاط — عید کے دن رنج ہوتا ہے دلِ محبوس کو — ناسخ

(۲۷) پروردگار صدمے جو مقسوم ہیں کئے
لوہے کا اِک توا دیا ہوتا بجائے دل

(۲۸) مجھ کو وہ دل ہوں عطا۔ روز ازل کہتا تھا
رنج کھانے کو۔ اٹھانیکو ستم۔ ایک …

(۲۹) اتصال قلب ہے۔ گو ہے بظاہر فاصلہ
دور دل سے تو نہیں وہ۔ گھر نہیں گو گھر کے پاس

(۳۰) کب دل شکستہ لب پر یاں عرض حال آیا
ہے بے صدا وہ چینی جس میں کہ بال آ…

(۳۱) کیا ہوا دل نے کیا گر ایک کو وہ غم اٹھا
یہ نہیں آ ذوق دیتا ایسے دس کے بوجھ …

(۳۲) دل کو ہمارے سینے میں اک دم نہیں قرار
یہ وہ غریب ہے کہ مسافر وطن میں ہے

(۳۳) پانی طبیب دیتے ہیں کیا سمجھا ہوا
ہے دل ہی زندگی سے ہمارا بجھا ہوا

(۳۴) دل کے ورق پہ ثبت ہیں صد مہر داغ عشق
ہم کرتے ذوق عشق کا دعوےٰ سند سے ہیں

(۳۵) ہتیان ہا ہوش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
وہ جس کی جان لیتے ہیں اسی کے دل میں رہتے

(۳۶) کیڑا اور اسا اور وہ پتھر میں گھر کرے
انساں وہ کیا جو نہ دل دلبر میں گھر کرے

(۳۷) دل کو میں اک نظر لطف پہ دے ڈالوں گا
مال مفلس کا ہے لیلو تو بہت سستا …

(۳۸) تمہارے واسطے دل سے مکاں کوئی نہیں بہتر
جو آنکھوں میں تمہیں رکھوں تو ڈرتا ہوں نظر ہو …

(۳۹) نہ کھینچے تجھ کو یہ اور کھینچے مقناطیس لوہے کو
مرے نزدیک اس دل سے تو پتھر دور بہتر

(۴۰) مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ
کہ جس کو کسی نے کبھی وا نہ دیکھا

(۴۱) کسیکو دے کے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو
نہ جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

(۴۲) دل بہت سینے میں بیتاب ہے اس پر رکھتے
صبر سے بھی کوئی بھاری سا جو پتھر ملتا

(۴۳) باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو …

(۴۴) کیا حقیقت دو جہاں کی وسعت دل کے حضور
لامکاں اک مختصر گوشہ ہے اس تعمیر کا

(۴۵) سنگ بیقدری سے دل میرا جو یکسر توڑا
مُول اس لعل کا تو نے بُت کافر توڑا

(۴۶) پاؤں میں زنجیر الفت اور گلے میں طوق غم
کہ دل وحشی کو پھر کیونکر ہوں آزادیاں

(۴۷) دل یہ کہتا ہے ہمیں دیکھ کتابوں پہ نہ جا
قدرت صانع مخلوق کے دفتر ہم ہیں

کبھی چشمِ بصیرت سے نہ دیکھی سرزمینِ دل ‏ ‏ یہاں کا ذرہ ذرہ آفتابِ اوجِ عرفاں تھا

کندہ ہے دل کے نگینہ پر ہمارے نامِ دوست ‏ ‏ اے ظفر کیونکر کسی کو یہ رقم دیدیں گے ہم (ناظر)

بے دل ہزار دانۂ سُبحہ سے سُود کیا ‏ ‏ سب صفر ہوں تو کچھ نہیں حاصل شمار کا (داغ)

نہ کرائے یاس یوں برباد میرے خانۂ دل کو ‏ ‏ اسی گھر میں جلایا ہے چراغِ آرزو برسوں (امیر)

خوشی کو آنے دیتی ہے نہ غم کو جانے دیتی ہے ‏ ‏ درِ دل پر کسی یاد بیٹھی پاسباں ہوکر

کسکو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر ‏ ‏ کہ ٹوٹنے ہیں یہ شیشے صدا نہیں دیتے

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے ‏ ‏ دل ہے گویا چراغ مفلس کا

اس صحن پر یہ وسعت اللہ تیری قدرت ‏ ‏ معمار نے قضا کے دل کیا مکاں بنایا (میر)

خیالِ وصل۔ شوقِ دید۔ غمِ فرقت کا ہے دل میں
کئی ہمت کے مہماں جمع ہیں اس ایک منزل میں (جرأت)
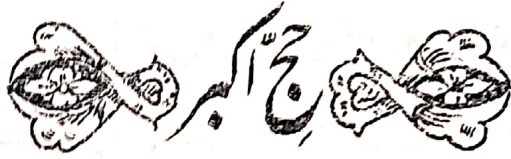
حجِ اکبر

دیر و حرم کو دیکھا اللہ رے فضولی ‏ ‏ یہ کیا ضرور تھا۔ جب دل کا مکاں بنایا (سودا)

ٹوٹا جو کعبہ۔ کونسی یہ جائے غم ہے شیخ ‏ ‏ کچھ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائیگا (قایم)

دو نو راہیں چھوڑ دی ہیں ہم نے مشکل دیکھ کر ‏ ‏ دیر و کعبہ کون جائے وسعتِ دل دیکھ کر (باسط)

حُرمتِ کعبہ طریقِ صاحبِ اسلام ہے ‏ ‏ چاہیئے رنجیدہ کافر کا بھی تجھ سے دل نہو

قربِ حق چاہے تو راحت دے دلِ مومن کو تو ‏ ‏ شیخ کعبہ بھی محبا ور ہے اسی درگاہ کا (جرأت)

حجِ اکبر ہو جسے کعبۂ دل سے حاصل ‏ ‏ ہو خیال اس کو بھلا کس لئے درگاہوں کا (ظفر)

شیخ کعبہ میں خدا کو تو عبث ڈھونڈے ہے ‏ ‏ طالب اس کا ہے تو ہر ایک کی کر دلجوئی (سودا)

توڑ کر بتخانے کو مسجد بنائی تو نے شیخ ‏ ‏ برہمن کے دل کی بھی کچھ فکر ہے تعمیر کا

اے بُت خدا کے واسطے دل کو نہ سخت کر ‏ ‏ اس کعبہ میں ضرور نہیں فرشِ سنگ کا

(۱۰) کعبے جانے سے نہیں کچھ شیخ مجھ کو اتنا شوق
چال وہ بتلا کہ میں دِل میں کسو کے گھر کروں

(۱۱) کون چھینے بُت کو توڑے برہمن کے دل کو کون
اینٹ کی خاطر کوئی کافر ہی مسجد ڈھائیگا

(۱۲) خانۂ دل کو نہ کر منہدم اے صاحبِ فیل
مثلِ کعبہ یہ کسی بندے کی تعمیر نہیں

(۱۳) نہیں معلوم انہیں نہ لجوئی نہیں جو کرتے
کہ ثواب اس کا ہے سو حج کے برابر ہوتا

(۱۴) یارب درست گو نہ رہوں تیرے عہد پر
بندہ سے پر نہ ہو کبھی بندہ شکستہ دل

(۱۵) دیکھ دل کو مرے اے کافرِ بے پیر نہ توڑ
گھر ہے اللہ کا یہ اس کی تو تعمیر نہ تو

(۱۶) زاہد چلا ہے کعبہ کو اور برہمن کنشت
بندے ہیں اس کے ہم جو کسی دل میں گھر کر

(۱۷) دِل بدست آور کہ حجِ اکبر است
از ہزاراں کعبہ یکدل بہتر است

(۱۸) اب تلک نہیں ٹوٹا کسی کا دِل مجھ سے
نہ خلق کا نہ خدا کا گنہگار ہوں میں

(۱۹) گر صد ہزار لعل و گہر می دہی چہ سُود
دل را شکستہ نہ کہ گوہر شکست

(۲۰) مت رنج کر کسی کو کہ اپنا تو اعتقاد
دِل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا

(۲۱) بتخانہ کھود ڈالئے۔ مسجد کو ڈھائیے
دِل کو نہ توڑیئے کہ خدا کا مقام ہے

(۲۲) کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ
یہ قصرِ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

(۲۳) یہ نہیں شیشہ ہے کسی میخوار کا دل
محتسب دیکھ۔ نہ کر دل شکنی خوب نہیں

(۲۴) مومن نہ توڑ رشتۂ زنّارِ برہمن
مت کرو وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ

(۲۵) میرے ساغر کو نہ سختی سے دھکیل اے میفروش
شیشۂ دل ٹوٹ جاتا ہے ذرا سی ٹھیس میں

(۲۶) کھودوں بتخانے کو کیوں کسلئے مسجد ڈھاؤں
مجھ کو کیا ہے جو دلِ گبر و مسلماں توڑ دوں

(۲۷) تا میتواں شکستِ دلِ دوستاں مخواہ
کیں خانہ را بہ کعبہ مقابل نہادہ اند

(۲۸) نہ توڑ میرے دلِ دردمند کو ظالم
بڑی تلاش سے پایا ہے یہ نگیں میں نے

(۲۹) شکستِ شیشۂ یکدل چناں ست
کہ چندیں کعبہ ویراں کردہ باشی

(۳۰) یہ خلیل اللہ کی تعمیر ڈھانا چاہیئے
جس جگہ دل ہو وہیں کعبہ بنانا چاہیئے

(۳۱)	کون ایسا ہے جسے دست ہو دلبازی میں	شیشہ ٹوٹے تو کریں ہم بھی ہنر سے پیوند	
(۳۲)	اہلِ جنت کو بھی آیا اس سے رشک	جس کسی نے دل میں گھر پیدا کیا	داغ
(۳۳)	کس سے دلِ شکستہ کے ماتم میں اے کریم	اب تک سیاہ پوش ہے کعبہ خلیل کا	
(۳۴)	دل کسی کا ہاتھ میں لاتا ہے دولت کی دلیل	یہ نگینہ جس کو ہاتھ آیا سلیماں ہو گیا	امیر
(۳۵)	فکر رہتی ہے یہی دل میں کسی کے گھر کریں	شیخ جہاں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں گھر اللہ کا	امیر
(۳۶)	ہے خدا کا گھر۔ ادب اس کا بھی واجب ہے تجھے	دل نہ میرا روند او طفلِ برہمن زیرِ پا	آتش
(۳۷)	انساں کو پاسِ خاطرِ نازک ضرور ہے	شیشہ شراب کا بھی نہ زنہار توڑیئے	آتش
(۳۸)	اے شیخ دیر سبحہ و زنار توڑیئے	پر دل کسی بشر کا نہ زنہار توڑیئے	ناسخ
(۳۹)	کعبہ پہنچا تو کیا ہوا اے شیخ	سعی کر ٹک پہنچ کسی دل تک	میر تقی
(۴۰)	عماراتِ جہاں کی پائداری پر تو اے منعم	نظر سے مت گرا دینا کسی کے دل کے کونے کو	میر حسن
(۴۱)	دیکھ دل کو مرے اے کافرِ بے پیر نہ توڑ	گھر ہے اللہ کا یہ اُس کی تو تعمیر نہ توڑ	ظفر

صفائے دل

(۱)	عرش کا حال دلِ صفا سے آتا ہے نظر	رفعتِ بام کو دالان سے ہم دیکھتے ہیں	امیر
(۲)	عکس رُخِ دلدار وہیں ہووے نمایاں	جُوں آئینہ کچھ دل میں اگر اپنے صفا ہو	ظفر
(۳)	خدا کو دل ہی میں ڈھونڈو ادہر ادہر نہ پھرو	نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے باہر	امیر
(۴)	دل کے آئینے میں کر جوہرِ پنہاں پیدا	در و دیوار سے ہو صورتِ جاناں پیدا	آتش
(۵)	خیال انسان کو ہر دم رہے دل کی صفائی کا	نظر آتا ہے اس آئینے میں نقشہ خدائی کا	
(۶)	جمالِ دوست اگر ہے مشاہدہ منظور	صفا رکھ آئینہ دل کو آرسی کی طرح	
(۷)	نہ دیکھا آئینے کی شکل میں صوفی نے وہ ہرگز	تماشہ ہم نے جو دل کرکے اپنا باصفا دیکھا	ظفر
(۸)	اے درد کر ٹک آئینہ دل کو صاف تو	پھر ہر طرف نظارۂ حسن و جمال کر	درد

(۹) اسلیئے میں کر رہا ہوں صفا دل کا آئینہ
تا کہ عکس اسمیں پڑے اک صورت دلخواہ

(۱۰) دل کو اے شاہد معنی جو مصفا کرتا
تو اس آئینے میں صورت تری دیکھا کرتا

(۱۱) دل کے آئینے کو تو صاف تو کر۔ دیکھ ذرا
اسکی صورت تجھے آویگی آپیے آپ نظر

(۱۲) آئینہ دل کا ریاضت سے اگر ہو جائے صاف
پھر تماشہ ہے وہی ممکن جو جام جم میں ہے

(۱۳) چاہیے کہ عکس دوست رہے تجھ میں جلوہ گر
آئینہ وار دل کو رکھ اپنے صفا پرست

(۱۴) صفائی دل میں کس کا جلوۂ حیرت فزا دیکھا
تماشائی ہے اس آئینے کا آئینہ گر میرا

(۱۵) کر کے صاف آئینۂ دل اسمیں تو دیکھ آپ کو
بخشیگا اے یار تیرا ہی تجھے دیدار فیض

(۱۶) ہے اگر شوقِ جمال اسکا تو اسکو صاف کر
یہ جو ہے دل کا پر از زنگ کدورت آئینہ

(۱۷) تا دل نہ کرے صاف مئے صاف سے صوفی
کچھ سود و صفا علم تصوف نہیں کرتا

(۱۸) ہر سمت سے ہو سایہ فگن یار کی صورت
آئینۂ خاطر میں اگر کچھ بھی صفا ہو

(۱۹) دکھلا رہی ہے دل کی صفا دو جہاں کی سیر
کیا آئینہ لگا ہوا اپنے مکان میں ہے

(۲۰) دل را اگر تو صاف کنی ہمچو آئینہ
بے شک جمال یار بہ بینی در آئینہ

(۲۱) چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر
دل صاف ہو تیرا تو آئینہ خانہ کیا

(۲۲) روشن ہو تو نظر آئے متاع خانہ
جلوہ یار کا طالب ہے۔ سیہ خانۂ دل

(۲۳) آئینے کو دوست رکھتے ہیں جہاں کے خوب و زشت
دل ہوا جب صاف ہیں عالم سے جھگڑا پاک ہے

(۲۴) خاک آئینہ سے ہے نام سکندر روشن
روشنی دیکھتا۔ گر دل کی صفائی کرتا

(۲۵) ظرف ناپاک ہے تو اسمیں ہے ہر شئے ناپاک
دل نہیں صاف۔ تو کیا خاک عبادت ہوگی

(۲۶) پیدا جو آئینے میں بھی ہوتی صفائے دل
سینے میں اپنے رکھتا سکندر بجائے دل

(۲۷) ہو صفائی دل کے آگے خاک آئینے کی قدر
بیری محفل سے مکدر ہو کے اسکندر اوٹھا

(۲۸) گر صفائی دل تجھے منظور ہے کر حبسِ دم
دم سے ہوتا ہے ارے غافل صفا آئینہ کو

(۲۹) پڑے کتاب کے قصوں میں کیا۔ کرو دل صاف
جو دل ہو صفا یہ از روضۃ الصفا سمجھو

۳۰	جلا آئینہ کی گرد کدورت سے نہیں مٹتی	صفائی ظاہری کس کام کی ہے دل مصفا ہو	امیر
۳۱	صفائیِ قلب کو حاصل کیا میں نے مقدر سے	یہ آئینہ مرے ہاتھ آ گیا بخت سکندر سے	
۳۲	صفائیِ قلب سے زیرِ نگیں ہیں بحر و بر دونوں	بڑا رتبہ سکندر کا مجھے آئینہ سازی سے	
۳۳	دور کر دل کی کدورت محو ہو دیدار کا	آئینہ کو بس صفائی نے دکھایا روئے دوست	آتش
۳۴	صفائیِ دل جو ہو ٹک تو دیکھیں ہیں کیا کیا	ہم ایسے آئینے کو اپنے کیوں جلا نہ کریں	
۳۵	صاف دل ہو تو جلوہ گر ہو یار	آئینہ ہو تو لو تماشہ لوٹ	آتش
۳۶	دل اگر ہے صاف کچھ مشکل نہیں دیدارِ یار	دیکھ لو آئینہ۔ صورت آشنا کیونکر ہوا	امیر
۳۷	ہمکو دکھائے ہے ہر لحظہ جمالِ جاناں	دل کا صاف اپنے ظفر آئینہ ساں ہو جانا	ظفر
۳۸	وہ دیکھی ساغرِ دل ہے کے ہمنے کیفیت	نہ دیکھتے جو عوض اس کے جامِ جم لیتے	"
۳۹	مثالِ آئینہ تو صاف رہ کہ اے آباد	دلِ حبیب میں داخل کبھی غبار نہ ہو	آباد
۴۰	سیاہی دور کر دل کی تو پیدا نورِ عرفاں ہو	سر افعی کو کچلا جس نے مال اسکا خزانہ ہے	آتش
۴۱	اس قلندر کی پسند آئی مجھے کتنی یہ بات	چار ابرو کے صفا سے دل صفا ہوتا نہیں	
۴۲	دل کو کس شکل سے اپنے نہ مصفّا رکھوں	جلوہ گر یار کی صورت ہے اس آئینے میں	
۴۳	صفائیِ قلب رکھتا ہوں کلیسا ہو کہ بتخانہ	کہ وہ رُخ جس طرف زاہد اسی جانب حرم نکلے	
۴۴	دل میں کبھی نہ گرد کدورت کو راہ دے	اس آئینہ میں کام نہیں ہے غبار کا	آباد
۴۵	اے خیالِ یار کرتا ہوں ریاضت سے صفا	خانۂ دل میں ہے کرنی تیری مہمانی مجھے	آتش
۴۶	دل روشن ہے روشنگر کی منزل	یہ آئینہ سکندر کا مکاں ہے	آتش
۴۷	زیادہ چشم سے لازم ہے روشنی دل میں	خیالِ یار ہے اس گھر میں میہماں ہوتا	آتش

۴۸ لاکھ صورت سے بنائیں آئینہ گر آئینہ
دل سے ہرگز ہو صفائی میں نہ بڑھکر آئینہ

دل خانہ خدا

(١) حرم کیا، بتکدہ کیا - ہیں اُسے گھر گھر پکار آیا
یہی اب جی میں آتا ہے کہ دستک دوں در[...]

(٢) کھل گیا جب یہ کہ دل بھی جلوہ گاہِ یار ہے
کون چکر کھائے پھر دیر و حرم کی راہ [...]

(٣) امیر اُس بے نشاں کو دل میں پایا
جسے ڈھونڈا کئے تھے چار سُو ہم

(٤) کشورِ دل میں مرے یار ہے فرمانروا
سکۂ یوسف چلے مصر کے بازار میں

(٥) بے مکیں ہوتی نہیں زیبِ مکاں کی اے ذوق
خانۂ دل ہے تو کر لو رخِ دلبر پید[ا]

(٦) تلاش اس کی تھی کعبہ میں ملا وہ خانۂ دل میں
فصیح اس بات کا ہم کو نہ تھا وہم و گماں [...]

(٧) پرستش چھوڑ دے کعبہ کی - سودا - شیخ گر اُسکو
جو میرے دل میں بستا ہے بتِ بیباک دکھلا[...]

(٨) نہ آوارہ ہو، دلمیں ڈھونڈھ اُسے جویا ہے تو اُسکا
یہی ویرانہ ہے جسمیں کہ وہ گنجِ نہانی ہے

(٩) دیر و کعبہ میں رہے شیخ و برہمن جویا
ہم نے گھر یار تیرا ڈھونڈھ نکالا دل میں

(١٠) نہ دیکھا وہ کہیں جلوہ جو دیکھا خانۂ دل میں
بہت مسجد میں سر مارا بہت سا ڈھونڈا بتخان[ہ]

(١١) کعبہ و دیر میں ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں جسے
کر رہا ہے وہ ظفر جلوہ نمائی دل میں

(١٢) کہیں تجکو نہ پایا - گرچہ ہم نے اک جہاں ڈھونڈا
پھر آخر دل ہی میں دیکھا - بغل ہی میں سے تو نکلا

(١٣) ڈھونڈتا ہے اسکو اے زاہد تو اپنے دل میں ڈھونڈھ
چھت میں کعبہ کی نہ وہ کعبہ کی دیوار میں ہے

(١٤) شیخ کعبہ میں ہے سرگرداں برہمن دیر میں
جسکو دونو ڈھونڈتے ہیں وہ ہمارے دلمیں ہے

(١٥) دیر و کعبہ میں بتا غافل سے کیا رکھا ہوا
شاہدِ مقصود ہے دل میں ترے بیٹھا ہوا

(١٦) کعبہ و دیر میں کرتے ہیں عبث اس کی تلاش
ڈھونڈھ لیتے نہیں کیوں گبر و مسلمان دلمیں

(١٧) جو وادیٔ ایمن میں نظر آیا موسےٰ کو
وہ شعلہ فگن ہے رخِ زیبا میرے دلمیں

(١٨) خدا کو ہم نے جب ڈھونڈا تو پایا خانۂ دلمیں
پریشاں جستجو میں اس کی پھر خلقِ خدا کیوں ہے

(١٩) ہے وہ دل ہی میں تمہارے - تم اگر ڈھونڈو اُسے
پھرتے ہو ناحق بھٹکتے اے ظفر چاروں طرف

نمبر	مصرعِ اول	مصرعِ ثانی	شاعر
(٢٠)	کعبے سے کم نہیں ہے ہمارا حریمِ دِل	اس میں بھی ہے کھدی ہوئی تصویر یار کی	ناسخ
(٢١)	مکیں ہے ایک ہی دو نو مکان اس کے ہیں	کرو نہ کعبے سے کم رتبہ مرتبہ دل کا	
(٢٢)	دل میں آتی ہے نظر اپنے مجھے تصویرِ یار	کیا تماشہ ہے کہ کعبہ میں صنم پیدا ہوا	رمز
(٢٣)	دیکھ ٹک غور سے آئینۂ دل کو میرے	اس میں آتا ہے نظر عالمِ تصویر نہ توڑ	ظفر
(٢٤)	سمجھ کیا صنم کو میں۔ دل کے کنشت میں	کہ اس خدا سے شیخ جو ہے سنگ و خشت میں	
(٢٥)	نظر جب دل پہ کی۔ دیکھا تو مسجودِ خلائق ہے	کوئی کعبہ سمجھتا ہے۔ کوئی سمجھے ہے بتخانہ	درد
(٢٦)	ملا ہے خانۂ دل میں سُراغ جلوۂ حق	مکان جس کو سمجھتے تھے لامکاں نکلا	
(٢٧)	اِس کعبۂ دل کو کبھی ویراں نہیں دیکھا	اِس بُت کو کبھی اللہ کا مہماں نہیں دیکھا	داغ
(٢٨)	دیکھ گر دیکھنا ہے ذوقؔ کہ وہ پردہ نشیں	دیدۂ روزنِ دل سے ہے دکھائی دیتا	ذوق
(٢٩)	توڑا دل اس صنم نے نہ آیا اُسے خیال	ہے گھر خدا کا کیونکر میں اس گھر کو توڑ دوں	ظفر
(٣٠)	ساغرِ دل کی تو واقف نہیں کیفیت سے	دیکھ عکسِ رُخِ ساقی ہے اسی جام میں خاص	
(٣١)	دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار	جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی	
(٣٢)	خدا کا گھر بنانا ہے تو لے نقشہ کسی دل کا	یہ دیواروں کی کیا تجویز ہے زاہد یہ چھت کیسی	
(٣٣)	دِل خانۂ خدا جو سنا تو یقین ہوا	وہ گھر بنا کہ ہو گیا معمار کی پسند	
(٣٤)	نشاں مِلتا نہیں لیکن ترا نام	ازل سے نقش ہے دل کے نگیں پر	ذکا
(٣٥)	کعبۂ بتکدۂ خلیلِ آذر است	دل گذرگاہِ خلیلِ اکبر است	
(٣٦)	مکانِ دِل میں ہے جلوہ ترے رخسار و گیسو کا	یہ کعبہ ہے مسلماں کا یہ بتخانہ ہے ہندو کا	اختر
(٣٧)	واعظا اتنا بتا بِللہ مجھ کو صاف صاف	مرتبہ دِل کا زیادہ ہے کہ بیت اللہ کا	جرار
(٣٨)	دُور کیوں جاتے ہو تم دیکھ لو دل ہی میں کلیم	کعبۂ دل ہی کہیں جلوہ گہِ طور نہ ہو	ثاقب
(٣٩)	پوچھا ہے عارفوں سے جو ہم نے مکانِ یار	آنکھوں کو بند کر کے ہے دِل کا پتہ دیا	
(٤٠)	خدا کا گھر ہے بتخانہ ہمارا دل نہیں آتش	مقامِ آشنا ہے یاں نہیں بیگانہ آنا ہے	

(۴۱) ہمارے دل کی وسعت کا پتہ کیا کوئی پائے گا
یہ وہ گھر ہے خدا بھی جسکے اندر آکے بستا ہے

(۴۲) لیکے کعبہ سے کیا سیر ہیں میخانہ تک
خانۂ دِل کی ہی تعمیر بہت اچھی ہے

(۴۳) دِل ہیں یہ دل ہیں کہ معمارِ قضا سے ابتک
ایسا مطبوع مکاں کوئی بنایا نہ گیا

(۴۴) ترنم سنج ہے کوئی نہ کوئی خانۂ دِل میں
جو نغمہ دل کے پردے میں ہے ہر آن ہوتا ہے

(۴۵) دِل کے آئینہ میں جب پاتا ہوں تجھ کو جلوہ گر
کعبہ سے مجھ کو کیا غرض پھر بتکدہ کیا چیز ہے

(۴۶) رہتا ہے وہ خرابے میں پنہاں مثالِ گنج
جو دل شکستہ ہو وہی دِل ہے مقامِ دوست

(۴۷) بنایا چاہتے ہیں دَیر میرے خانۂ دل کو
یہ بت اللہ اکبر گھر خدا کے گھر میں کرتے ہیں

(۴۸) ٹوٹا ہوا دِل مرا وہ آئینہ تھا ہمدم
خود جلوہ نما جس میں کبھی آئینہ گر تھا

(۴۹) بنایا کعبہ ابراہیم نے اس کا یہ باعث ہے
کہ بننا سخت مشکل تھا کسی کے کعبۂ دل کا

(۵۰) تنگ تھا وسعت سے جسکے عرصۂ ارض و سما
جی میں کیونکر اے دِلِ آدم سمٹ کر رہ گیا

(۵۱) پردۂ دل سے صدا آئے انا المحبوب کی
ہو جو اس پردہ نشیں سے اُلفت کامل نصیب

(۵۲) کیا حُسنِ کائنات ذرا دِل کو دیکھئے
اس آئینہ میں عکس ہے آئینہ ساز کا

(۵۳) خدا سے جبتک نہ ہو شناسا حریمِ دل کا ہو شوق بیجا
مکاں کا تب پتہ ملیگا کہ کچھ پتہ یاد ہو مکیں کا

(۵۴) خانۂ دل میں کسی پردہ نشیں کی آرزو
آرزو کیا ہے دلہن بیٹھی ہے شرمائی ہوئی

(۵۵) دِل کے آگے کیوں بڑھا تو اے طلبگارِ وصال
پھر اُدھر ہی جا۔ وہی گھر جلوہ گاہِ یار تھا

(۵۶) ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دِل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

(۵۷) کرو دل کے ویرانے کی کُنج کاوی
دبے اِس کھنڈر میں خزانے بہت ہیں

(۵۸) نہاں آنکھوں سے رہنے والے جلوہ بھی دکھا دینا
ازل سے تو سمجھتا ہے مرے دل کو مکاں اپنا

(۵۹) میں یہ کہتا ہوں مرے خانۂ دل میں ہے مکیں
لوگ کہتے ہیں کہ کعبہ میں خدا ملتا ہے

(۶۰) نہاں ہے محمل دِل میں مرے اے زاہدِ ناداں
تو جسکے شوق میں آوارۂ دشت و بیاباں ہے

حریمِ دل میں ذرا ڈھونڈیں ڈھونڈنے والے
صنم کدے میں وہ بُت ہے نہ خانقاہ میں ہے

(٦٢)	آتی ہے دل میں اور ہی صورت مجھے نظر	شاید یہ آئینہ بھی کسی کے حضور ہے	درد
(٦٣)	ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ	وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا	میر درد
(٦٤)	آئینہ کی طرح غافل کھول چھاتی کے کواڑ	دیکھ تو ہے کون یار تیرے کاشانے کے بیچ	درد

دیوانہ و ہشیار

(١)	گذرا کبھی نہ وہم میں وہ اہلِ ہوش کے	دنیا سے لطفِ زیست جو دیوانہ لے گیا	سودا
(٢)	اے جنوں تجھ ہی چھڑائے تو چھٹوں اس قید سے	طوقِ گردن بن گئی ہے میری دانائی مجھے	
(٣)	گذرتی ہے مزے میں زندگی غفلت شعاری سے	مرے نزدیک بیہوشی ہے بہتر ہوشیاری سے	ذوق
(٤)	نادان بندِ عقل سے زنجیر خوب ہے	دانا وہی ہے جو کوئی دیوانہ ہو گیا	
(٥)	جو ہیں بے عقل دنیا میں وہی کچھ عیش کرتے ہیں	ملا ہے دورِ گردوں سے خمِ خالی فلاطوں کو	ناسخ
(٦)	اے جنوں قیدِ تعلق سے چھڑا بہرِ خدا	تنگ رکھتے ہیں نہایت خرد و ہوش مجھے	رند
(٧)	وحشیو کہتی ہے زنجیر بہ آوازِ بلند	بستۂ عقل جو ہے غم سے وہ آزاد نہیں	
(٨)	دیکھے جو ہوشیاری میں سو سو طرح کے رنج	غفلت کدے سے دہر کے ہم بیخبر گئے	
(٩)	دیوانہ ہے دنیا میں - جو دیوانہ نہیں ہے	عاقل وہی ہے جو عاقل نہیں ہوتا	
(١٠)	دیکھئے گر چشمِ عبرت بیں سے رنگ روزگار	ہے وہی ہشیار - جو ہے دوستو دیوانہ آج	
(١١)	تا نہ دیوانہ شدم ہوش نیامد بہ سرم	اے جنوں گرد تو گردم کہ چہ احساں کردی	
(١٢)	بڑے مزے سے گذرتی ہے بیخودی میں امیر	وہ دن خدا نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں میں	امیر
(١٣)	باعثِ غفلتِ باطن ہے یہ ظاہر کا ہوش	کاش محسوس جو ہیں اُن سے میں غافل ہوتا	راسخ
(١٤)	اے جنوں اب اور ہی دکھلا کوئی عالم وسیع	تنگ ہے مجھ پر یہ عالم قید خانے کی طرح	امیر
(١٥)	کہتے ہیں دیوانگی جس کو - وہ ہے فرزانگی	ہو گیا بہلول دیوانہ - تو دانا ہو گیا	
(١٦)	کیا فقط مجھ کو غمِ دنیا سے آزادی ملی	چھٹ گیا تکلیف سے جینے کی جو دیوانہ ہے	ناسخ

(۱۷) ہوش کو بیچ کے لے دارو ئے بے ہوشی تو ۔۔۔ ذوق بے ہوش کو آرام ہے ہشیار کو ر

(۱۸) سودا جو بے خبر ہے کوئی۔ وہ کرے ہے عیش ۔۔۔ مشکل بہت ہے اُنکو جو رکھتے ہیں آگہی

(۱۹) خوشا۔ دیوانگانِ راہِ اُلفت خوب سوچے ہو ۔۔۔ یہاں کیسی مصیبت میں پڑی ہے جان عاقل ک

(۲۰) اُمید و بیم زیست سے فرصت نہیں مجھے ۔۔۔ کیسے کہوں کہ عقل مصیبت نہیں مجھے

(۲۱) ہم اس غفلت کے صدقے۔ کوئی دم چھوٹتے تو ہیں غم سے ۔۔۔ کہ جس دم ہوش آتا ہے تو پہروں فکر کرتے ہیں

(۲۲) ہوش و خرد کو دیکھ لیا دردِ سر میں ذوق ۔۔۔ آرام کو بھی دیکھ کہ دیوانہ پن میں ہے

(۲۳) خلوتِ راز میں کیا کام ہے ہنگامے کا ۔۔۔ ہے خبردار وہی جس کو خبر کچھ بھی نہیں

(۲۴) ز ہوشیارانِ عالم ہر کرا بینم۔ غمے دارد ۔۔۔ دلا۔ دیوانہ شو۔ دیوانگی ہم عالمے دارد

(۲۵) نا آشنا ہیں رتبۂ دیوانگی سے دوست ۔۔۔ کم بخت جانتے نہیں کیا ہو گیا ہوں میں

(۲۶) عقل سے راہ جو پوچھی تو پکارا یہ جنوں ۔۔۔ وہ تو خود بھٹکی ہوئی پھرتی ہے رہبر ہم ہی

(۲۷) طوفاں اُٹھائے پھرتے تھے ہوش و خرد حفیظ ۔۔۔ دیکھی جنوں کی شکل تو خاموش ہو گئے

(۲۸) مبادا پھر اسیرِ دامِ عقل و ہوش ہو جاؤں ۔۔۔ جنوں کا اس طرح اچھا نہیں حد سے گذر جانا

(۲۹) مرتے مرتے نہ کبھی عاقل و فرزانہ بنے ۔۔۔ ہوش رکھتا ہو جو انسان وہ دیوانہ بنے

(۳۰) عقل سے ہوں بے نیاز۔ ورنہ اسیرِ ہوش تھا ۔۔۔ سلسلۂ جنونِ عشق۔ عمر تیری دراز ہو

(۳۱) خیالِ پیرہن کی کاوشوں سے بے نیازی ہے ۔۔۔ یہ احسانِ جنون کچھ کم نہیں عریانیٔ تن پر

(۳۲) خاک آزادی سے کرتا سیرِ صحرائے جنوں ۔۔۔ ہر قدم پر تو بچھا دامِ فریبِ ہوش تھا

(۳۳) رہا کرتے ہیں قیدِ ہوش میں اے وائے ناکامی ۔۔۔ وہ دشتِ خود فراموشی کے چکر یاد آتے ہیں

(۳۴) آرام سے جاہل کی گذرتی ہے ہمیشہ ۔۔۔ عاقل کو یہاں ایک دم آرام نہیں ہے

(۳۵) کس درجہ ہوش مجھ سے بیگانہ ہو گیا ہے ۔۔۔ دیوانگی پہ اپنی دیوانہ ہو گیا ہے

(۳۶) جب اہلِ ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا ۔۔۔ ہنستا ہے دیکھ دیکھ کے دیوانہ آپ کا

(۳۷) عقل ہوئی اب سلب ہماری آہ جنوں رے واہ جنوں ۔۔۔ کوچہ بکوچہ اب تو ہم کو لڑکے گھیرے پھرتے ہیں

(۳۸)	آفریں دستِ جنوں تجھ کو کہ دم کے دم میں	کر دیئے خوب مرے جامہ و دستار کے تار	قم
(۳۹)	بڑے کے منچلے مردانِ میدانِ جنوں دیکھے	کیا آباد جا کر کوہ کو۔ صحرا کو۔ زنداں کو	نیرنگ
(۴۰)	کچھ نہ اندیشۂ عقبیٰ ہے نہ فکرِ دُنیا	رشک کس طرح نہ عاقل کو ہو دیوانہ پر	نظم
(۴۱)	جنوں میں پنجۂ وحشت نے ایسا زور بخشا ہے	کہ میرے سامنے ہے آہنی زنجیر مٹی کی	سجاد
(۴۲)	ہوئے دیدار طالب کے خودی سے خود گذر نکلے	نہ پائی راہ دانش میں خروشاں بے خبر نکلے	احمد
(۴۳)	جُنوں میں اس قدر قائل ہوں میں تیغِ حیدر ذوالفقار کا	کہ لفظِ لا کی صورت چاک ہے میرے گریباں کا	سالک
(۴۴)	کوچۂ جاناں میں تو دیوانہ بن کر بیٹھ جا	بات سکھلاتی ہے دانائی کی نادانی مجھے	آباد
(۴۵)	ناخن نہ دے خدا تجھے اے پنجۂ جُنوں	دیگا تمام عقل کے بخئے ادھیڑ تو	
(۴۶)	جوہرِ عقل نہ ہوتی۔ تو نہ ہوتی کوئی فکر	ایک رہبر سے ہوئے سینکڑوں رہزن پیدا	احسن
(۴۷)	شکر ہے آزاد۔ دنیا کے علائق سے ہُوا	آپ دیوانے ہیں جو کہتے ہیں سودائی مجھے	رند
(۴۸)	ایں وصیّت کرد مجنوں در دمِ آخر بمن	تا تواں دیوانہ شد۔ فرزانہ بودن خوب نیست	
(۴۹)	رہتا ہے ساتھ لشکرِ اطفالِ خوبرُو	بہتر ہے ہوش سے مرا دیوانہ پن مجھے	سحر
(۵۰)	نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب	سو گز زمیں کے بدلے۔ بیاباں گراں نہیں	غالب
(۵۱)	جُنونِ شوق کا یہ مختصر سا قصّہ ہے	اب امتیازِ رقیب اور رازداں ہی نہیں	عزیز
(۵۲)	بیخودی سے پھر میں کچھ کرتا ہوں باتیں ہوش کی	اے خدا بہرِ خدا جلد آ مری امداد کو	سحر
(۵۳)	ہوش و خرد ہے باعثِ تکلیفِ آدمی	دیوانہ آشنا نہیں۔ دامن کے بوجھ سے	
(۵۴)	دیکھا مشیر کار نہ دیوانہ کا کوئی	اِس بادشہ کو نہیں حاجت وزیر کی	آتش
(۵۵)	اب جنوں سے کام لونگا میں رہِ تحقیق میں	عقل کے پیچھے تو اتنا وقت اپنا کھو چکا	
(۵۶)	عقل کچھ نہ کر سکی۔ قدر شناسائے جُنوں	بزمِ ہستی میں مبارک نہ ہُوا ہوش مجھے	
(۵۷)	قدِ حیرت میں ہی رکھا ضعف نے ادراک کو	پیکرِ خاکی کو اس عالم میں ہوش آیا تو کیا	
(۵۸)	عاشقِ بیخود کو اندیشہ ملامت کا نہیں	مردِ دیوانہ جو ہے بے ننگ و بے ناموس ہے	

(۵۹) آ گئی فصلِ نو بہاں۔ دشت میں وہ ہوا چلی
سر پر ہوا جنوں عیاں عقل پیادہ پا ہوئی

(۶۰) عقل نے کر دیا پابندِ تعلق۔ ورنہ
جیب کی فکر۔ نہ اندیشۂ داماں ہوتا

(۶۱) خوب نوچے طائرِ ہوش و خرد کے بال و پر
یہ جنوں میرے لئے اوتار ہے صیاد کا

(۶۲) ہم سے دیوانوں کے عاقل درپئے تدبیر ہیں
بنتے ہیں ان پختہ مغزوں کے خیالِ خام کے

(۶۳) مت رنج کھینچ۔ بلکہ ہشیار مردماں سے
اس کی خبر ملے گی اک آدھ بیخبر سے

(۶۴) جنوں سر پر پڑا احسان ہے عریانیٔ تن کا
نہ کاہش ہے گریباں کی نہ کچھ کھٹکا ہے دامن کا

(۶۵) بادۂ عرفاں کی مستی کا نرالا جوش تھا
درحقیقت تھا وہی باہوش جو بیہوش تھا

(۶۶) قیدِ مذہب کی گرفتاری سے چھوٹ جاتا ہے
ہو نہ دیوانہ تو ہے عقل سے انساں خالی

(۶۷) وے جو مستِ بیخودی ہیں عیش کرتے ہیں مدام
میکدے میں دہر کے مشکل ہے ٹک ہوشیار کو

(۶۸) کام جب کچھ نہ دیا حکمت و دانائی نے
بیخودی شیوہ کیا تیرے تمنائی نے

(۶۹) خوابِ غفلت میں۔ ہیں یاں سب کو عبث جاگا ہے
بیخبر دیکھا انہیں۔ میں جنہیں آگاہ سنا

(۷۰) اے ذوق گر ہے ہوش تو دنیا سے دور بھاگ
اس میکدے میں کام نہیں ہوشیار کا

(۷۱) عقل گرداند کہ دل دربندِ زلفش چوں خوش است
عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیرِ ما

(۷۲) دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند
آنرا کہ عقل بیش غمِ روزگار بیش

(۷۳) عقل کا کہنا سمجھ ہی میں نہیں آتا دلیر
کیا خدا جانے یہ سمجھاتی ہے دیوانی مجھے

(۷۴) غمِ سود و زیاں داریم ما نہ فکر کالائے
جنوں تیری بدولت رنج دنیا سے فراغت ہے

(۷۵) بیہوش بہت ہشیار ہے اس رازِ نہاں کا
بیہوش کی مانند تو ہشیار نہ دیکھا

(۷۶) بے ہوشیوں نے اور خبردار کر دیا
سوئی جو عقل روح کو بیدار کر دیا

(۷۷) برقِ خرمن سوز دانائی ہے نافہمی تری
ورنہ کیا کیا لہلہاتے کھیت میں ہر دانے ہیں

(۷۸) آزماتا ہوں کہ دردِ سر ہے فکرِ دنیوی
سب سے بے پروا ہوا ہے عالمِ مجذوب خوب

(۷۹) یہ صدا آئی مجھے دیوانے کی زنجیر سے
امن چاہے تو دیارِ بیخودی میں پائیگا۔

Scanned with CamScanner

طرفہ رکھتی ہے خرابات مغاں کیفیت
ہوشیار آکے ہے اس بزم میں غافل جاتا

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت
فرمایا۔ خبردار۔ کہ نازک ہے زمانہ

ہوش بدمستی میں رہتا ہے عبادت کا مجھے
منہ کے بل گرناز میں پر سجدۂ شکرانہ ہے

ہوش میں جب تک رہا۔ نہار ہا غمگیں رہا
اب ہوں دیوانہ تو اک عالم مرا دیوانہ ہے — راز

اللہ رے کامیابی اس چرخ پرفسوں کی
عقلیں ہزار ابھریں۔ تابع رہیں جنوں کی

اثر جب تک حواس ظاہری ہیں پا نہیں سکتا
تلاش یار کو ہوش و خرد سے بےخبر ہو کر — اثر

صحرا سے لیچلا ہے ہمیں شہر کی طرف
گم ہوگئی ہے عقل جنوں سے مشیر کی — آتش

لے جاؤ ساتھ ہوش کو اے اہل ہوش جاؤ
ہے خوب اپنی بےخبری کی خبر مجھے — حفیظ

دیوانگی نے کیا کیا عالم دکھا دیئے ہیں
پریوں نے کھڑکیوں کے پردے اٹھا دیئے ہیں — آتش

امداد لاغروں کی کرا ے پنجۂ جنوں
دیتا نہیں ہے ضعف انہیں کپڑے اتارنے — سحر

رخصت اے درد و الم صبر و تواں ہوش و خرد
لائی ہے پیغام راحت بےخودی بیمار کے لئے — اثر

نہ یہ رنگ طبع ہوتا نہ یہ دل میں جوش ہوتا
یہ جنوں اگر نہ ہوتا تو کہاں یہ جوش ہوتا — اکبر

دست جنوں کے جائیے صدقے کہ چین سے
پھیلائے پاؤں ہم نے گریباں کے چاک میں — مومن

چشم خرد سے عار تھا حسن جنوں پسند کو
عقل نے آنکھ بند کی اسنے حجاب اٹھا دیا — اکبر

عالم بےخبری طرفہ بہارے بودہ است
حیف صد حیف کہ ما دیر خبردار شدیم

جب تک تھا باخبر تو وہ رہتے تھے بےخبر
اب باخبر ہوئے ہیں جو میں بےخبر ہوا

قناعت ایسی حاصل ہے نیری دولت جنوں مجکو
چمکتی ہے جو ریگ دشت گویا گنج قاروں ہے — ناسخ

کچھ خبر ہوتی تو میں اپنی خبر رکھتا کیوں
یہ بھی اک بےخبری تھی کہ خبردار رہا — انور

ہوں تو دیوانہ ولے کہتا ہوں دانائی کی بات
حلقۂ زنجیر بہتر حلقۂ احباب سے — ناسخ

ہستی و عدم

١ کریں سیر دنیا عدم سے نکل کر — یہ خواب اپنی آنکھوں سے دیکھ آئیں چلکر

٢ ہستی سے زیادہ ہے کچھ آرام عدم میں — جو جاتا ہے یہاں سے وہ دوبارہ نہیں آ

٣ آکے ہستی میں عدم سے طفل روتا ہے ضرور — کچھ تو ہے ایذا مسافر کو سر منزل ضرو

٤ تماشہ گاہ ہستی میں عدم کا دھیان ہے کس کو — کسے اس انجمن میں یاد خلوت خانہ آتا ہ

٥ عدم سے جانب ہستی تلاش یار میں آئے — ہوائے گل میں ہم کس وادیٔ پُرخار میں آئ

٦ رکھتے ہستی میں عدم سے کیوں قدم اپنا جو ہم — ہوتے واقف اس مقام پرخطر سے پیشتر

٧ جب آئے تجھے ہستی میں۔ تو تھی یاد عدم کی — واں جائینگے تو دھیان رہیگا ہمیں یار کا

٨ ہستی عدم سے آئی ہے کس ملک غیر میں — اپنا نہ کوئی یار ہے۔ اپنا نہ یاں عزیز

٩ تیر کو آیا تھا ہستی میں عدم سے۔ میں غریب — کیا سمجھتا تھا یہ زنداں میرا گھر ہو جائے گ

١٠ جا پہنچنا کب کا یاران عدم رفتہ کے پاس — سدِّ راہ ناحق مری یہ ہستیٔ فانی ہوئ

١١ ہستی میں یاد آئے نہ کیونکر عدم مجھے — وُہ آدمی نہیں جسے حبّ الوطن نہ ہو

١٢ ہستی میں آکے بھول گئے ہم عدم کی راہ — جس گھر میں آرہے ہم۔ اُسی گھر کے ہو رہے

١٣ یاں سے ہوتی نہ زیادہ جو عدم میں راحت — آکے ہستی میں کوئی طفل نہ گریاں ہوتا

١٤ کیا خوشی رہنا تھا گلزار عدم میں آدم — آکے ہستی میں غم و درد سے رنجور ہوا

١٥ اس ہستی موہوم سے میں تنگ ہوں انشا — واللہ کہ اس سے بمراتب عدم اچھا

١٦ ہستیٔ خلق سے قصد روح ہے سوئے عدم — دل کو خوش وقتی ہے غربت سے وطن جاتا ہوں

١٧ نیست پروائے عدم وازدہ ہستی را — ازقفس مرغ بہ ہرجا کہ رود بستاں است

١٩ آوارہ کیا کیا عدم آباد سے لاکر — او ہستی فانی "مجھے لیکر کدھر آئی"؟

١٩ عدم کی جو حقیقت ہے وہ پوچھو اہل ہستی سے — مسافر کو تو منزل کا پتہ منزل سے ملتا ہے

(۲۰) ہوئے واقف نہ جو دنیا کے غم سے وہی اچھے ہیں — جو ہستی میں نہیں آئے عدم وہی اچھے ہیں

(۲۱) مسافر تھے عدم کے سیر کرنے یاں بھی آئے تھے — رہے یاں جب تلک قسمت میں یاں کا آب و دانہ تھا — رند

(۲۲) ہو کر اسیر باغِ عدم سے ہم آئے ہیں — رشتہ نہیں حیات کا ڈورا ہے جال کا

(۲۳) عدم سے کب تمنّا تھی مجھے دنیا میں آنے کی — ہوائے غسل و کافور و کفن یاں کھینچ لائی ہے

(۲۴) تنگ ہوں یہ لیچل اجل یاں سے عدم آباد کو — وضع دنیائے زمانہ ہے طبیعت کے خلاف

(۲۵) اس ہستیٔ خراب سے کیا کام تھا ہمیں — اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے — درد

(۲۶) ایسے غفلت کدے میں آئے کہ ہم بھول گئے — تھے کہاں اور چلے تھے کدھر آپ سے آپ

(۲۷) آ نکلے تھے کدھر سے۔ کہاں یاں سے جائینگے — اوّل کی کچھ خبر ہے نہ ہم کو اخیر کی

(۲۸) میں کیا تھا۔ کس لئے بھیجا گیا اس دورِ ہستی میں — نہ اب تک خود کو پہچانا نہ کچھ رازِ سفر سمجھا

(۲۹) مُرغِ چمنِ قدس کو اس دام سے کیا کام — پر کھینچ ہی لایا مجھے۔ صیاد کو شاباش

(۳۰) خدا سے دُور ہو کر کے یہ دِل اتنا نہ سمجھا میں — کہ اس عالم میں کیا تھا اور اس عالم میں کیا ہوں میں

(۳۱) حافظا خلدِ بریں خانۂ موروثِ من است — اندریں منزلِ ویرانہ نشیمن چہ کنم — حافظ

(۳۲) تھا فضائے قدس میں اب قالبِ آدم میں ہوں — چھٹ گیا مجھ سے وُہ عالم اور ہی عالم میں ہوں

(۳۳) مرغِ باغِ قدسیم با قدسیم بُودم بسے — چند گاہے شد کہ ہست ایں فرشِ خاکی مسکنم

(۳۴) حقیقت میں یہ ہستی نیستی ہے دیکھ اے غافل — سمندِ عمر کو ہر دم اجل کا تازیانہ ہے — سحر

(۳۵) ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ — دُنیا سے گذرنا سفر ایسا ہے کہاں کا — سودا

(۳۶) شاہدِ ہستیٔ مطلق کی کمر ہے عالم — لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں — غالب

(۳۷) کیا ہستی و عدم کا کہیں حال اے امیر — اِس گھر سے تنگ جب ہوئے اس گھر چلے گئے — امیر

(۳۸) آئینہ عدم ہی میں ہستی ہے جلوہ گر — ہے موج زن تمام یہ دریا حباب میں — درد

(۳۹) ہستی سے تا بملکِ عدم ایک جست تھی — جھپکی نہ آنکھ بھی اِدھر سے اُدھر گیا — برق

(۴۰) کون آتا ہے اِدھر مُلکِ عدم کو چھوڑ کر — عالمِ ایجاد میں تقدیر لے آئی مجھے

(۴۱) تجھ سے بیزار ہوں جاتا ہوں سوئے ملکِ عدم — منہ نہ دکھلائے خدا پھر مجھے دنیا تیرا

(۴۲) ناحق عدم سے آکے ہیں حیرت زدہ ہوا — دنیا کو دیکھ کر کہ ہے مقامِ عجیب یہ

(۴۳) ہستی کی اسیری سے شرر سے ہیں سوا تنگ — چھوٹے تو۔ ادھر پھر کے نہیں دیکھنے والے

(۴۴) رہتے تھے ہم تو شاد نہایت عدم کے بیچ — اس زندگی نے لاکے پھنسایا ہے غم کے بیچ

(۴۵) ہستی نے بھلایا ہے مجھے گور کا رستہ — اے مرگ بتا دے تو پتہ میرے مکاں کا

(۴۶) جسمِ خاکی کو یہیں چھوڑیں عدم کی راہ لیں — اب وطن کو چلئے گردِ دشتِ غربت جھاڑ کر

(۴۷) چلا عدم سے میں جبراً تو بول اٹھی تقدیر — بکلا ہیں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا

(۴۸) یار ہیں ہم میں بڑا پردہ جو ہے ہستی ہے یہ — بیچ سے اوٹھ جائے تو ہووے ابھی رفع حجاب

(۴۹) ہستی سے نیستی میں جو بہتر نہ ہو مزہ — ہنستا ہوا جہاں سے ہرگز نہ جائے گل

(۵۰) عجب عالم ہے ادھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہے — ادھر سے نیستی آتی ہے دوڑی۔ عذر خواہی کو

(۵۱) اگر نکالا آسماں نے گھر سے۔ اپنی ہے سزا — آن کر مہمان بن بیٹھے تھے صاحب خانہ ہم

(۵۲) کسی کا شاد کچھ مطلب کسی کی آرزو کچھ ہے — عدم سے ہم تو اس دنیا میں مر رہنے کو آئے ہیں

(۵۳) کھل گیا جو کچھ کہ تھا اے نیستی — ہستیٔ موہوم کا یاں افترا

(۵۴) پہلے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا — دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو

(کس نے) — (کس کو)

(۵۵) لے گئی موت مجھے سوئے عدم ہستی سے — بے طلب گھر میں خدا کے بھی تو مہمان نہ ہوا

(۵۶) مرے مر مر کے جی اٹھنے پہ کیوں اتنا تعجب — نہ ہوں دلدادۂ غربت پلٹ آنا ہے منزل سے

(۵۷) مر کر بھی گرفتارِ قفس ہے میری ہستی — دنیا مرے پیچھے ہے تو عقبیٰ مرے آگے

(۵۸) باعثِ گردش ہوا یہ وحشت آبادِ وجود — بیٹھے تھے کنجِ عدم میں اے جنوں آرام سے

(۵۹) بزمِ ہستی بھی نہایت ہی تماشہ گاہ ہے — جو عدم سے آگیا ہے وہ یہاں گردش میں ہے

(۶۰) چار دن میں عالمِ ہستی سے لی راہِ عدم — ہر مسافر اس سرا میں آکے مہماں رہ گیا

ایک دم سنانے کو ٹھہرا ہوں چلنا ہے مجھے
کھینچ لائی وادیٔ ہستی میں بیتابی مجھے

کمندِ نام و شہرت کھینچ لاتی ہے عدم سے بھی
کھلا یہ غمکدۂ دہر میں پہنچکر حال

ہم نیستی میں آپ کو سمجھے ہوئے ہیں مست
ہستی ہے۔ نہ کچھ عدم ہے غالب

اک فرق ؟ ہے اگر اس کو مٹا دو
عدم سے کس طرح آتے نہ ہم اقلیمِ ہستی میں

تھا بد و نیکِ جہاں سے میں عدم میں آزاد
سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دُنیا میں تو

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
در عدم بودیم و دیگر در عدم خواہیم رفت

عدم کو بازگشتِ رُوح ہے اک روز ہستی سے
ہستی عدم فسانے ہیں گر غور کیجئے

ملکِ ہستی کو سمجھتا ہوں میں تکیہ راہ کا — آباد
رہ گیا پیچھے عدم میں قافلہ آرام کا — ناسخ

لپٹ کر مثلِ طوقِ فاختہ عنقا کی گردن کو — ذوق
عدم سے آئے ہیں رنج و ملال لینے کو

یہ وہ فریب ہے کہ جواب تک کھلا نہیں — عاشق
آخر تو کیا ہے ؟ اے۔ نہیں ہے — غالب

ہستی نہ کوئی شے ہے جُدا اور نہ عدم اور — آرزو
یہاں کی ٹھوکریں کھا کھا کے ہم کو خاک ہونا تھا — مسیح

آہ کس خواب سے ہستی نے جگایا ہم کو — قائم
واں تجھے کیا تھی کمی یاں تجھ کو کیا درکار تھا — سوز

یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے — غالب
ایں تماشائے جہاں را مفت مے بینیم ما — ذوق

ارادہ بندھ رہا ہے مصر سے یوسف کو کنعاں کا — آتش
معدوم عین عین میں عینِ وجود تھا

عدم

پھرا نہ ملکِ عدم سے کوئی کہ میں پوچھوں
رہنے والوں کا عدم کے حال کس سے پوچھئے

جو پھر کے آئے مسافر کوئی۔ تو ہو معلوم
یارانِ رفتگاں کا کھلے حال کس طرح

پہنچی نہ رفتگانِ عدم کی جو کچھ خبر

کہو مسافرو منزل پہ کیا گزرتی ہے
اس طرف کو آج تک واں سے پھرا کوئی نہیں — ظفر

عدم کی راہ میں ہے یا نہیں نشیب و فراز — "
بھیجا نہیں کسی نے بھی لکھ کر عدم سے خط

کیا جانے کیسی جاتے ہی منزل پہ بن گئی — ظفر

(۶) ہمارے سامنے یاں سے گئے ہوئے عدم لاکھوں نہ آیا ایک بھی مڑ کر رہے گو منتظر برسوں

(۷) ہوا نفزا کس درجہ ہے سیرِ عدم آباد بھی جا رہا ہے جان دے دے کر جہاں زیرِ زم

(۸) منزلِ ملکِ عدم کا ہوں مسافر یا بابا عرصہ زیست میں دم لینے کا وقفہ مجھ

(۹) حالتِ اقلیمِ عدم کی کس سے پوچھیں اے عزیز رہنے والے تو وہاں کے کچھ نہیں دیتے جو

(۱۰) نہ مڑ کر رہ نوردانِ عدم نے اک نظر دیکھا ہیں پیچھے قافلہ والوں کے چلایا کیا

(۱۱) کیا حال ہے عدم کا کھلا تو بھیجیو تم اے خوگرانِ غربت سوئے وطن گئے

(۱۲) عدم کو جاتا ہوں احباب دیکھ لیں آ کر وہیں رہونگا اب آنا اِدھر نہیں منظو

(۱۳) کوئی بھی ساتھ کسی کے گیا نہ اے دارا عدم کو جاتا ہے کیا قافلہ جریدوں

(۱۴) سب چلے جاتے ہیں کچھ ملکِ عدم دُور نہیں دیکھنا ہم بھی پہنچ جائینگے دیکھا دیکھ

(۱۵) راہِ عدم میں کوئی کسی کا نہیں معین خالی ہیں بال نال سے ہر ہم سفر کے سا

(۱۶) مرنے کے بعد کھل گئے اسرارِ زندگی یعنی عدم نقاب کشائے وجود تھ

(۱۷) نہ پستی و بلندی ہے نہ ایسے بھیڑ کے رستے عدم کی راہ سب راہوں سے ہے اچھی

(۱۸) راہ نوردانِ عدم اتنے پریشاں کیوں ہو تم چلو۔ ہم بھی کوئی دن میں ہیں آنیوا

(۱۹) عدم کو جاتے ہیں ہستی سے قافلے کیا کیا یہ شاہراہ شب و روز رہتی ہے جار

(۲۰) اکیلے منزلِ ہستی میں کیا کرو گے رند چلو عدم کو ہے یاروں کا قافلہ جا

(۲۱) کہو اہلِ فنا سے ساتھ لیں میرا دلِ سوزاں رہِ ملکِ عدم تاریک ہے درکار مشعل

(۲۲) ہرگز نہ کوئی ملکِ عدم سے پھر آئے گا عالم اگر یہی ہیں جہانِ خراب کے

(۲۳) نہ پھرا ملکِ عدم سے کوئی یارا اے سودا جانا اب اُن کی خبر کے لئے ناچار مجھے

(۲۴) یا خدا پاک زمانے سے عدم کو جائیں دامن آلائشِ دنیا سے نہ ہو تر اپنا

(۲۵) درکار کچھ نہیں مجھے چلنے میں خضرِ راہ کوئی سنا نہ بھولنا راہِ عدم کہیں

(۲۶) کون سا ایسا کیا ہے مجھ سے یاروں نے سلوک یاد آتی ہے عدم میں جا کے یہ محفل کہاں

چلنا پڑے گا مُلکِ عدم کو پیادہ پا — اس راہ میں نہیں ہے گزارہ سوار کا

عدم کے جانے والو سُنتے جاؤ — یہ آسائش نہ اُس منزل میں ہو گی

بے حجابوں کا مگر شہر ہے اقلیم عدم — دیکھتا ہوں جسے۔ ہوتا ہے وہ عُریاں پیدا

رہِ عدم میں چور بھی ملتا نہیں کوئی — سَر سے جو لے اُڑے مری گٹھڑی گناہ کی — آتش

عدم کے جانیوالے سب چھپا لیتے ہیں مُنہ اپنا — خدا جانے کہ یہ کیا کیا ندامت لے کے جاتے ہیں

عدم جانے والے عدم کو سدھارے — کسی نے نہ پُوچھا کہاں جا رہے ہیں — جگر

ثابت ہوا عدم کو مسافر پہونچ گیا — تعویذ قبر پر نہیں۔ خط ہے رسید کا — امیر

کیوں گرمِ اضطراب ہے اِس درجہ اے شرار — ہستی سے کتنی دور ہے مُلکِ عدم پرے — ذوق

پوچھ لینا سب وطن کا حال اے اہلِ عَدم — بیٹھ لینے دو ذرا۔ آتا ہوں اُٹھا دُور کا — امیر

راہِ عدم میں درد میں آتا ہوں تیز رَو — پہنچا صبا کا ہاتھ نہ میرے غبار تک — درد

ہوں کاہیں سب کو چھوڑ کے ملکِ عدم کا راہ — ہر چند قافلے میں ہوں لیکن جریدہ ہُوں

اہلِ عدم نہ پوچھو کچھ ہم سے حالِ دُنیا — رہ آئے ہم بھی دو دن اِک مہمانسرا ہے

یہ ملکِ عدم بھی کوئی دلچسپ جگہ ہے — آیا نہ پلٹ کر کبھی یاں کوئی واں کا — سحر

ہے کشورِ عدم میں خدا جانے سَر کیا — آیا نہ پھر کے۔ منزلِ ہستی سے جو گیا — امیر

مَر کے یارانِ عدم کے پاس پہنچو نگا امیر — چلتے چلتے جان جائیگی سفر ہے دُور کا — امیر

برشِ تیغِ فنا میں بھی عجب لذّت ہے — زندگانی کے مزے اہلِ عدم بھول گئے — داغ

مسافرانِ عدم کی خبر خدا جانے — کہ اُن کو چین ہے یا جانبِ عدم تکلیف — ظفر

مرنے کے بعد کُھل گئے اسرارِ زندگی — یعنی عَدم نقابِ کشائے وجود تھا — تپش

دیکھا جو مجھ غریب کو بولے عَدم کے لوگ — مدّت سے تھا یہ اپنے وطن سے نکل گیا — آتش

ارمان دل میں کہتے ہیں حسرت سے مرتے دَم — تنہا عدم کو ہم چلے۔ دنیا میں سب رہے — ناسخ

احوال کس سے پوچھئے یارانِ رفتگاں کا — وہ بھی نہ پھر کے آئے جو لینے خبر گئے — رند

(۴۸) مسافروں کے بہت قافلے عدم کو گئے — ملا نہ منزلِ ہستی میں پھر کسی کا سُراغ

(۴۹) پہنچتے ہیں کہیں مر مر کے تا سرِ منزل — عزیزو راہِ عدم اس قدر ہے دور دراز

(۵۰) چلاتے ہیں رہروانِ عدم کر کے آنکھ بند — کیونکہ گڑھے ہیں قبر کے گر کر ضرر نہ ہو

(۵۱) لیجاتے ہستی سے داغِ عشق آتش شکر ہے — منزلِ مُلکِ عدم کا ہمسفر کوئی نہ تھا

(۵۲) کیسے عدم کے لوگ مسافر نواز ہیں — کوئی یہاں کا جا کے وہاں سے پھر انہیں

(۵۳) عدم کا نوفا سفر جب اور کچھ تحفہ نہ ہاتھ آیا — بہت سی آرزو چلتے چلاتے ساتھ لیلی

(۵۴) کوئی پھرا نہ ملکِ عدم سے تواب تلک — پایا جہاں کسی نے کچھ آرام رہ گیا

(۵۵) کیا جانے رہروں کا ہوا کیا عدم میں حال — اب تک تو ایک نے نہ لکھا خط رسید کا

(۵۶) پہنچے جو ہم عدم کو اہلِ حرم یہ بولے — مدت کے بعد آئے اتنے دنوں کہاں تھے

(۵۷) کیسی راہِ عدم آباد ہے ہموار امیر — چین سے سوتے چلے جاتے ہیں جانے والے

(۵۸) افسوس وہ آرام عدم میں بھی نہ پایا — جسکے لئے دنیا سے سفر ہم نے کیا تھا

(۵۹) عدم کی راہ میں بھی کچھ تو خطر کا ہے گذر — کہ ساتھ لینے بجز یک کفن نہیں دیتے

(۶۰) یہ ملکِ عدم بھی کوئی دلچسپ جگہ ہے — آیا نہ پلٹ کر کبھی یاں کوئی واں کا

(۶۱) کوئی رفتہ ملکِ عدم نہ پھرا۔ کہ جو پوچھوں وہاں کا میں حال ذرا

(۶۲) ہے مقام عجب کہ وہ کیسی ہے جا۔ جو گیا وہاں سے پھرا ہی نہیں

(۶۳) عدم سے آئی نہ یارانِ رفتگاں کی خبر — خبر نہیں وہ کہاں جا کے قافلہ ٹھہرا

(۶۴) بے ارادہ طے ہوئی جاتی ہے یاں راہ عدم — طائرِ رُوحِ رواں کو کچھ نہیں درکار ہے

(۶۵) کیا رہروانِ ملکِ عدم کا ملے سُراغ — بانگِ جرس نہیں ہے نشانِ قدم نہیں

(۶۶) بارِ عصیاں سر پہ جانا دور میں نادیدہ راہ — منزلیں کھوٹی نہ ہوں رعنا عدم آباد کی

(۶۷) ایسا کیا ملکِ عدم میں ہے تماشہ یار

پھر پلٹ کر نہیں آتے جو ادھر جاتے ہیں

غم

۱	کھاتا ہے غم جو ہم کو۔ تو کھاتے ہیں غم کو ہم	اب یاد بھی جہاں میں نہیں یا ہیں نہیں ہیں	
۲	منزلِ الفت میں ہیں غم کو جدا کیونکر کروں	مجھ کو ہے اس کا سہارا۔ ہے یہ توشہ راہ کا	ظفر
۳	اے غم مجھے تمام شبِ ہجر میں نہ کھا	کچھ رہنے دے کہ صبح کا بھی ناشتہ چلے	ادل
۴	کیا پوچھتے ہو دل میں مرے کیا مقام ہے	قدرت کے کارخانے میں غم کا گودام ہے	
۵	غم کھاتا ہوں لیکن کبھی نیت نہیں بھرتی	کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی	مصحفی
۶	غمِ عالم فراوان ست و من یک غنچہ دل دارم	چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگِ بیابان را	
۷	ہوں وہ غم دوست کہ سیاپنے ہی دل میں بھرتا	غمِ عالم کی اگر اس میں سمائی ہوتی	ناسخ
۸	ہے خوش نصیب عشق میں آیو الہوس ہی	جسکو کہ غم پہ غم ہو۔ الم پر الم نصیب	
۹	غم مجھے کھانے کو دو اور خونِ دل پینے کو دو	اے طبیبو تم دوا کا نے غذا کا نام لو	ظفر
۱۰	بارانِ غم سے جیبِ گلِ آدم بھیگو چکے	اک قطرہ عیش کا بھی ملا یا نیش کا	
۱۱	وہ کون سا غم ہے کہ جو دنیا میں نہیں ہے	اور اس پہ بھی دلکش۔ یہ غم آباد ہے غضب ہے	
۱۲	گرچہ جانتے کہ غم سے مطلق نہیں رہائی	راحت کی ہم تمنا یاں رائگاں نہ کرتے	
۱۳	جہاں کے پیچ غم دل کہوں سو کس سے کہوں	سوائے غم کے مرا کوئی غمگسار نہیں	
۱۴	جس غم میں مرر ہے تھے وہ غم ہی نہیں رہا	افسوس مر کے دیکھا کہ جینا ہے کیا عبث	
۱۵	چہرے نے دی شہادتِ غم۔ زرد تر ہوا	سختی یہ کیوں ہوئی میرے سچے گواہ پر	
۱۶	مسکن پذیر آج ہی دل میں نہیں ہے غم	روزِ ازل سے اس کی یہیں بود و باش ہے	
۱۷	ہزار عیش تصدق کنم بہ قطرۂ غم	کہ عیش خواب و خیال ست غم ہمیشہ رفیق	
۱۸	اس قدر گستاخ دل سے شدتِ غم ہو گئی	آپ اپنے ساتھ ہمدردی مری کم ہو گئی	
۱۹	نوش کر شوق سے دل کھول کے صرفہ کیسا	خوفِ بدہضمی کا ناسخ نہیں غم کھانے میں	ناسخ

(۲۰) غم میں کھاتا ہوں ازل سے میری روزی ہی ہے
کالبد صانع قدرت نے بنایا غم کا

(۲۱) میں اکیلا اپنے غم کی شرح کر سکتا نہیں
کوئی مثل مرثیہ خواں چاہیئے بازو مجھے

(۲۲) رہے باقی نہ میری زندگی کا ایک تسمہ بھی
تجھے اے نشتر غم ہے قسم میری رگ جاں کی

(۲۳) الٰہی شرح حال دل مصیبت پر مصیبت ہے
جب اتنا غم دیا تھا تو نہ دینی تھی زباں مجھ کو

(۲۴) کر دیا ہمکو فراوانیٔ غم نے بے ہوش
دشت غربت نظر آیا تو وطن بھول گئے

(۲۵) دیکھا تو خلد میں غم عشق بتاں نہ تھا
جو کھا کے ہم چلے تھے وہ کھانا یہاں نہ تھا

(۲۶) گداز آتش غم نے کیا یہ جسم کا حال
جو استخواں کو بھی توڑوں صدا نہیں ہوتی

(۲۷) جب اس عالم فانی میں ہوئے ہم پیدا
کشور دل میں اسی دن سے ہوا غم پیدا

(۲۸) مومن بہشت و عشق حقیقی نہیں نصیب
ہم کو تو رنج ہو جو غم جاوداں نہ ہو

(۲۹) وہ کونسا غم ہے جسے پاتے نہیں دل میں
لیکن نہیں پاتے تو خوشی کو نہیں پاتے

(۳۰) دل کو معاش غم لیے غم کی تلاش ہے
ڈرتا ہوں دل سے میں کہ بڑا بدمعاش ہے

(۳۱) مستعد ہے آسماں میرے ستانے کے لئے
رہ گیا تنہا میں اتنے غم اٹھانے کے لئے

(۳۲) کثرت غم سے جگہ دل میں مسرت ملتی نہیں
عیش رستہ ڈھونڈتا پھرتا ہے آنے کے لئے

(۳۳) تیرا غم مہماں ہوا تو یہ تواضع میں نے کی
خون دل پینے کو کھانے کو کلیجہ دیدیا

(۳۴) اک غم فقط نہیں ہے دل ناشکیب میں
ایسے پڑے ہوئے ہیں بہت اپنی جیب میں

(۳۵) عید آمد و افزود غمم را غم دیگر
ماتم زدہ را عید بود ماتم دیگر

(۳۶) کھائیگا ہم کو کہاں تک فرقت جاناں کا غم
دیکھ لینا کھاتے کھاتے غم کا منہ بھر جائیگا

(۳۷) کھانے کو غم ہے۔ پینے کو ہے اشک تر مجھے
نکلا ہوں گھر سے خوب ہی زاد سفر کے ساتھ

(۳۸) کریگا یاد اے غم ہمکو بعد مرگ تو برسوں
کھلایا ہے جگر برسوں۔ پلایا ہے لہو برسوں

(۳۹) یارو کیوں ہوتے ہو مستفسر مرے احوال کے
غم کو کرتی ہے تمہاری غمگساری بیشتر

(۴۰) بے کیمیائے مستی تبدیل غم محال است
یا مے حلال فرما۔ یا غم حرام گرداں

(۴۱)	حساب آپ دانہ حشر میں ہوگا تو کہدوں گا	پیا ہے عمر بھر خونِ جگر۔ غم میں نے کھایا ہے	
(۴۲)	غم تو نجستہ یاد اکہ غم است جاودانی	نہ ہم چناں سے غمے را بہ ہمہ ارزانی	
(۴۳)	کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے	مجھے کیا برا تھا مرنا۔ اگر ایک بار ہوتا	غالب
(۴۴)	نغمہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیئے	بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن	
(۴۵)	قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں	موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں	؍؍
(۴۶)	کیا شمع کے نہیں ہیں۔ ہوا خواہ اہلِ بزم	ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کریں	
(۴۷)	لٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی	عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو	؍؍
(۴۸)	نہیں اسکے برابر نعمتوں میں کوئی نعمت ہے	کوئی دل سے مرے پوچھے جو غم کھانے میں لذت ہے	ادیب
(۴۹)	گھر ہی کر بیٹھا ہمارے۔ غمِ ہجراں دل میں	ہم نے جانا تھا کوئی دن کا ہے مہماں دل میں	
(۵۰)	جب آیا سامنے غم۔ نوش بے صرفہ کیا اسکو	نہ فرق آیا ہماری اشتہائے زیرِ دنداں میں	
(۵۱)	ساقئے گردوں شرابِ غم پلا جی کھول کر	لڑ جھگڑ کر ہاتھ اگر اک آدھ جام آیا تو کیا	
(۵۲)	نعمتِ غم میں بھی ہے ایسا تاتل ایجدا	رہنے دے۔ رکھ چھوڑ اسے اپنی حرانے کیلئے	
(۵۳)	غم اگرچہ جاں گسل ہے۔ پہ کہاں بچیں کہ دل ہے	غمِ عشق اگر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا	غالب
(۵۴)	شبِ غم جو کی خواب کی آرزو	میرے بدلے قسمت کو نیند آگئی	
(۵۵)	ہم کو غم کھانے کا دعوٰی تھا مگر	خود ہمیں کھانے لگا غم کیا کریں	آغاز
(۵۶)	مجھ سے یارب بارِ غم اٹھتا نہیں اسکے عوض	کاش رکھ دیتا زمین و آسماں بالائے سر	گویا
(۵۷)	اس غمکدے میں کٹ گئی یوں اپنی زندگی	قیدی پہ جیسے روز گذر جائے عید کا	اسیر
(۵۸)	غم کی دیوار کھڑی ہو گئی دل کے اندر	میرے ارمان ترستے ہیں نکلنے کے لئے	داغ
(۵۹)	اے غم معاف کر کہ یہ حصہ ہے عشق کا	مہماں کو نہ آئے گا جو ٹھا لہو پسند	
(۶۰)	مجھے غم سے اسواسطے پیار ہے	کہ میرے برے وقت کا یار ہے	
(۶۱)	ہوں میں وہ غم دوست مجھکو عیش سے رغبت نہیں	رنج کے ہوتے ہوئے ہرگز نہ خلعت مانگتا	آرزو

(۶۳) کوہِ غم شل پر کاہ اٹھا لیتا ہوں
ناتوانی میں بھی عالم ہے توانائی کا

(۶۴) میرے غمخوار جو گھیرے ہیں اُنہیں میں کیا دوں
غم میرے پاس بچے بھی جو میرے کھانے

(۶۵) کیوں فلک مجھ کو کھلاتا ہے غمِ عشق بہت
ایسے بیمار کو دیتے ہیں غذا تھوڑی سی

(۶۶) اور تو غمخوار سارے کر چکے غمخوارگی
اب فقط ہے ایک غم کی غمگساری رہ گئی

(۶۷) ہاتھوں سے غم کے اب ہے یہ ہیہات میرا حال
ملتے ہیں مجھ کو دیکھ کے سب غمگسار ہاتھ

(۶۸) خدا رکھے سلامت اے تیرے غم کو جان ہے میری
کہ رہتا ہے میرے پہلو میں اک غمخوار کی صورت

(۶۹) اے فلک دے ہمکو پورا غم تو کھانے کے لئے
وہ بھی حصہ کر دیا سارے زمانے کے لئے

(۷۰) زمانہ چھان مارا ہے یہ دنیا دیکھی بھالی ہے
نہ کوئی ہے خوش و خرم نہ کوئی غم سے خالی ہے

(۷۱) ہم قافلے ہیں عشق کے ہیں ہمکو کیا ہے غم
غم قافلے کا قافلہ سالار کھائے گا

(۷۲) کر کے عقل و ہوش سے اکبار بیگانہ مجھے
کر دیا آخر غمِ پیہم نے دیوانہ مجھے

(۷۳) ایسا غم پرور ازل سے ہوں کہ طفلی میں کبھی
دامنِ مادر میں خوش ہو کر نہ مارے ہاتھ پاؤں

کہتا تھا سوزِ غم دلِ ابتلا پسند سے
تو ایک عمر بھر میں ملا قدرداں مجھے

عُمر

(۱) سُراغ عُمرِ گذشتہ کا ڈھونڈیئے گر ذوق
تمام عمر گذر جائے جستجو کرتے

(۲) اِس فکر میں تھے عمر گذاریں گے کس طرح
دیکھا تو ساری عمر اسی میں گذر گئی

(۳) تجھے ہے داغ کیا ارمان ایامِ گذشتہ کا
دوبارہ جا کے آتی ہو کہیں عمرِ رواں بھی

(۴) جتنی بڑھی حیات۔ گناہ اور بڑھ گئے
ارمان کیا کرے کوئی عمرِ دراز کا

(۵) عمر گذشتہ کا کہیں لگتا نہیں پتہ
بالائے آسماں نہیں زیرِ زمیں نہیں

(۶) آہ کس طرح تیری راہ میں گھیروں کہ کوئی
سدِّ راہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی ہے

(۷) نہ دیکھا عمر سا کوئی مُسافر
کہیں منزل نہیں جس کے سفر میں

(۸) کہاں ہے عمر گذشتہ نصیر پیٹا کر — گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر — نصیر

(۹) یک چشمکِ پیالہ ہے ساقی بہارِ عُمر — جھپکی لگی کہ دَور یہ آخر ہی ہو چکا — میر

(۱۰) ما نقدِ عمر صرفِ رہِ یار کردہ ایم — کارے کہ کردہ ایم ہمیں کار کردہ ایم

(۱۱) عُمرِ عزیز قابلِ سوز و گداز نیست — ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

(۱۲) ہو عُمرِ خضر بھی تو کہینگے بوقتِ مرگ — ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے — ذوق

(۱۳) تیری عمرِ دو روزہ غافل اک پتلی ہر دو کل کی — کہ اک کل روزِ اوّل کا ہے اک کل روزِ آخر کی — ”

(۱۴) بہارِ عُمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی — درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سر سے جواں ہو کر

(۱۵) امید بستہ بر آمد ولے چہ فائدہ زاں — امّید نیست کہ عمرِ گذشتہ باز آید

(۱۶) عمرِ دو روزہ ہو گئی اک حال پر بسر — خالی رہا زمانہ مرے انقلاب سے

(۱۷) تو رشتہ عمر اپنی سے مانے جو میری بات — مت حرص و ہوا باندھ کہ بودا ہے یہ تاگا

(۱۸) کھینچتے کیوں ہو میاں تیغ تکہ یاں رشتہ عمر — صرف سینہ پہ ہوا ٹانکے ہی بھرتے بھرتے — سودا

(۱۹) گذاری عمر ساری رازِ ہستی کے سمجھنے میں — پرستش تیری کرتا اتنی فرصت تھی کہاں مجکو

(۲۰) جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر — تو بھی تو دردؔ داغ جگر میں نہ دھو سکا — درد

(۲۱) عمر ساری تو کٹی عشقِ بُتاں میں مومنؔ — آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے — مومن

(۲۲) سرخوشی ممکن نہیں جب تک نہ چھلکے جامِ عمر — یہ خراباتِ جہاں بھی روزِ بیٔے میخانہ ہے

(۲۳) پاؤں کے نیچے کی مٹی بھی نہ ہو گی ایسی — کیا کہیں عمر کو کس طور بسر ہم نے کیا

(۲۴) کٹتی ہے عمر تاسّف ہی میں اس بزم کے بیچ — تو ہے انگشت کہ جسکو یہ دہاں رکھنی سے شمع

(۲۵) پنج روزہ عمر کرلے عاشقی یا زاہدی — کام کچھ چلتا نہیں اس تھوڑی سی مدت سے یاں

(۲۶) ایک دم عمر طبعی ہے یہاں مثلِ حباب — فکرِ امروز نہ ہے نہ غمِ فردا ہم کو

(۲۷) فکرِ معاش ذکرِ خدا یادِ رفتگاں — اتنی سی عمر میں کوئی کیا کیا کیا کرے

(۲۸) صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے — عمر یونہی تمام ہوتی ہے

(٢٨)	احباب بارِ دوش سمجھنے لگے ہیں حیف	اے عمرِ رفتہ چھوڑ چلی تو کہاں مجھے
(٢٩)	کہاں جاتی ہے یہ۔ ہر چند بھاگے شوقِ منزل سے	ہمیں آ گئے ہیں جب پیچھا کیا عمرِ گریزاں کا
(٣٠)	سفرِ عمر ہے یارب کہ ہے طوفانِ بلا	ہر قدم سیلِ حوادث کا ہے گرداب مجھے
(٣١)	کشتئِ عمر کا انجام ہمیں یاد آیا	کھا کے چکر کوئی کشتی جو کہیں بیٹھ گئی
(٣٢)	رکھا دل و دماغ کو تو روک تھام کر	اس عمرِ بے وفا پہ میرا زور کیا چلے
(٣٣)	سراغِ عمرِ رفتہ ہو تو کیونکر	کہیں جس کا نشانِ پا نہ پایا
(٣٤)	عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا	عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے
(٣٥)	کٹ ہی جائے ہے راہِ فنا کو طے ہر دم	سمجھتی کچھ نہیں عمرِ رواں نشیب و فراز
(٣٦)	اس عمرِ دو روزہ پہ میں کیا شاد ہوں ہادی	جب خوب سمجھتا ہوں قضا میرے ہی لئے ہے
(٣٧)	رندی و مستی و میخواری و شاہد بازی	فرصتِ عمر تو کم اور مجھے کام بہت
(٣٨)	عمر کو ہم نے کیا عشقِ بتاں میں برباد	اب جو دم ناک میں آیا تو خدا یاد آیا
(٣٩)	دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی	عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی
(٤٠)	مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا کوئی غم	عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو
(٤١)	زندگانی سے دلِ محزوں عبث ہوتا ہے تنگ	دیکھنے کا پھر نہیں عمرِ رواں کو خواب میں
(٤٢)	کاروانِ عمر جاتا ہے کدھر پائیں کہاں	گرد بھی اس کی سرِ راہِ سفر اڑتی نہیں
(٤٣)	لائے تھے مثلِ شرر تھوڑی سی عمر	آنکھ ادھر کھولی ادھر ہم مر چلے
(٤٤)	جس کو کہتے ہیں ترقی عمر کی وہ ہے کمی	جس قدر بڑھتا ہوں اتنا ہی گھٹا جاتا ہوں میں
(٤٥)	کہاں کی عمر۔ کس کی زیست یہ سب	حباب آسا ہے جھگڑا یک نفس کا

بادپیمائی عمر

(١)	گذرتی عمر ہے یوں دورِ آسمانی میں	کہ جیسے جائے کوئی کشتئ دخانی میں

توسنِ عُمرِ رواں ایسا ہی گر چالاک ہے
گرد ساں برباد اک دن میری مُشتِ خاک ہے — ناسخ

قابو میں کس کے توسنِ ایّام آسکا
اِس پر کوئی سوار نہ سیٹرا جما سکا

رویں ہے رخشِ عُمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں — غالب

عُمرِ رواں کا توسنِ چالاک اِس لئے
تجھ کو دیا کہ جلد کرے یاں سے ایڑ تو — ذوق

یہ صدا آتی ہے رفتارِ سمندِ عُمر سے
وہ بھی گھوڑا ہے کوئی جس کو کہ کوڑا چاہیئے — آتش

سمندِ عمر کی ہیں تیز رفتاری کا قائل ہوں
قدم رکتا نہیں دم بھر بھی اِس مُنہ زور توسن کا — جرار

بے ثباتی دہر کی مجھ پر سب ظاہر ہوئی
توسنِ عُمرِ رواں کو گرمِ جولاں دیکھ کر — مہجور

اُڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپِ عُمر
مہمیز کس کو کہتے ہیں اور تازیانہ کیا — آتش

سمندِ عمر کو اللہ رے شوقِ آسائش
عناں گسستہ و بے اختیار راہ میں ہے

بیاں کیا ہو سکے عُمرِ رواں کی مجھ سے چالاکی
کہ اس توسن سے لگا ہے تہ ترکی کو نہ تازی کو — ناسخ

سمندِ عُمرِ رواں کا وہ شہسوار ہوں میں
کہ گرمِ راہِ فنا صورتِ شرار ہوں میں — شہیر

تیری سُرعت کے مقابل اَے عُمر
برق گو پا بہ حنا باندھتے ہیں — غالب

کیا قافلۂ عُمر سبک رو ہے کہ جس میں
چاہے جو سنے سامع آوازِ درا ہیچ

غبارِ راہ ہیں گو آج ہم ان بے سواروں میں
سمندِ عمر منزل طے کریگا دو تراروں میں — آتش

دم بھی اس مہمانسرائے دہر میں لینے نہ پائے
آتے ہی یاں توسنِ عُمرِ رواں پر زین تھا

نہیں ہے ابلقِ لیل و نہار قابو میں
ہماری رانِ تلے اسپ بے لگام آیا — رند

معلوم کچھ نہیں ہے کہ چلی جاتی ہے کہاں
ریگِ رواں سے کم مری عمرِ رواں نہیں — آتش

اِک اشارے میں یہ تا ملکِ عدم جا پہنچا
توسنِ عُمر کو کیا حاجتِ مہمیز رہی

منزل ہی دُور تھی جو یہ پہنچی نہیں ہنوز
دم لینے والی راہ میں عُمرِ رواں نہ تھی

رہا نہ ہوگی کفِ مرگ سے عناں اِس کی
سمندِ عمر لاکھ ترکتاز کرے

وادیٔ ہستی میں آتے ہی عدم کی راہ لی
ساتھ اپنے توسنِ عُمرِ رواں پیدا ہُوا

(۲۳) یہی کہتی ہوئی جاتی ہے چلی عمرِ رواں — میرے دامن سے نہ باندھے کبھی عمرِ رو

(۲۴) بیچ میں رُکتا نہیں زنہار حیز دشتِ عدم — توسنِ عمرِ رواں بھی کس قدر شہ زور

(۲۵) کشتی سوارِ عمر ہے بحرِ فنا میں چشم — جس دم بہا کے لے گیا طوفان بہ رگ

(۲۶) واہ کس سرعت سے راہِ بحرِ ہستی طے ہوئی — آنکھ ادھر جھپکی اُدھر ہیں دامنِ ساحل پر

(۲۷) جہاں تارِ نفس ٹوٹا۔ گیا میدانِ ہستی سے — وہاں توسنِ عمرِ رواں کا یہ دہانہ

(۲۸) دمبدم قطع ہوا جاتا ہے کیوں نخلِ حیات — آمد و شد یہ نفس کی ہے کہ دو آرے ہیں

(۲۹) شرارِ برق کی سی بھی نہیں ہے فرصتِ ہستی — غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پا

(۳۰) دل بھر کے سیر کی نہ خرابات دہر کی — سیلاب کی طرح سے ہم آج آئے کل چلے

(۳۱) مثالِ سنگِ گراں جاں نہیں کہ بیٹھ رہوں — کہ اس جہاں میں ہوں صورتِ شرار

(۳۲) یہ تیز رو ایسی ہے معلوم نہیں ہوتی — تاثیر ہوا کی ہے اس عمرِ گریزاں پر

(۳۳) کھینچ کر تیغ مگر چرخ پڑا ہے پیچھے — رات دن زیست کیا جلد گھٹے جاتے ہیں

(۳۴) ہم رہروانِ راہِ فنا ہیں برنگِ عمر — جاوینگے ایسے کھوج بھی پایا نہ جائیگا

(۳۵) گذرے بسانِ صرصرِ عالم سے بے تامل — افسوس میر تم نے کیا سیر سرسری ک

(۳۶) اب بجز ملکِ عدم یہ دم کہاں لینے لگا — کیا نرالے توسنِ عمرِ رواں لینے لگا

(۳۷) یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل — گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

(۳۸) دمبدم کیا ہی مری عمر کٹی جاتی ہے — دم نہیں سکتے ہیں شمشیر اسے کہتے ہیں

(۳۹) مانندِ بوئے گل چمنِ روزگار میں — رہنے کی ایک دم بھی یہ عمرِ رواں نہیں

(۴۰) نہیں راہِ فنا میں گرم رو اس سا کوئی دیکھا — ہوا سے تیز ہے سرعت میں دم آباد آدم کا

(۴۱) ہمارا ہر نفس اک بادباں ہے — روانہ کشتیِ عمرِ رواں ہے۔

(۴۲) جون شرارِ ہستیِ بے بود یاں — بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

(۴۳) مانندِ برق چشم زدن میں گذر گئے — یہ بھی نہ سمجھے یہ کدھر آئے کدھر گئے

(۴۴) نظر جمنے نہ پائی راہِ ہستی میں کسی شے پر
نہ اتنا بھی سمندِ عمر کو چالاک ہونا تھا — صبح

(۴۵) رفتارِ عمر قطع رہِ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے — غالب

(۴۶) توسنِ عمرِ رواں ہر نفس اڑتا ہی رہا
کبھی میدانِ فناہ میں نہ یہ گھوڑا اٹکا — ذوق

(۴۷) کوئی گل کب دمِ پرواز نکہت ساتھ دیتا ہے
تنِ خاکی بھی کیا پیچھا کرے عمرِ گریزاں کا — آزاد

(۴۸) کیا کاروانِ ہستی گذرا رَوی رَوی میں
فردا کو میں نے دیکھا گرد و غبار روی میں — نظم

(۴۹) تن سے نکل کے پھر نہیں آتا کسی کا دم
آپ رواں سمجھ اسے عمرِ رواں نہیں — سحر

(۵۰) تیز رَو ہوں کسقدر میں عرصۂ ہستی میں اُف
ہر نفس گویا سمندِ عمر کو مہمیز ہے — صدیقی

(۵۱) بنا یہ جسمِ خاکی مرکبِ جاں مدتوں رسوا
چلی ریگِ رواں میں کشتئ عمرِ رواں برسوں — رسوا

(۵۲) مثالِ طفلی - چلی جوانی - وہ آئی پیری ہوئے وہ فانی
یہ عمر کی ہے سبک روانی یہ ایسا بگ ٹٹ سوار دیکھا — زیبا

جان

(۱) جان دی - دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا — غالب

(۲) جان اللہ نے لی - جسم ہوا داخلِ گور
ہم نے بھی دل میں یہ سمجھا - کہ ہمارا کیا تھا

(۳) حاضر ہے یہ جان شوق سے جب چاہے وہ لیلے
کچھ مال نہیں اپنا - امانت ہے پرائی — رند

(۴) جان دیگر ایک حکمِ آخری مانا تو کیا
لکھدیا جب سرکشوں میں کاتبِ تقدیر نے

(۵) ہوا ہے جان کا خواہاں کوئی اب رہ نہیں سکتی
رہے تیری امانت کے الٰہی ہم امیں برسوں — داغ

(۶) نہ ٹوٹا جان کا قالب سے رشتہ
بہت سی جان توڑی جانکنی نے

(۷) کونسی صورت ہماری زیست کی بتلاؤ رند
ایک جانِ ناتواں ہے سینکڑوں آزار ہیں — رند

(۸) کیا زندگی کہ تجھ سے ہوں مربوط تا ابد
اے جانِ جاں - یہ رابطۂ جان و تن نہیں

(۹) تو ہماری جان - لیکن کیا بھروسہ جان کا
تو ہماری زندگی - پر زندگی کی کیا امید

۱۰ کیونکہ نہ ہووے خاک کے پتلے کو جان عزیز
۱۱ کرے عزیز کوئی خاک جسمِ بیجاں کو
۱۲ سالک بہر طریق بدن ہے وبالِ جاں
۱۳ دِل تو آگے دے چکا ہوں یہ بھی اک دن نذر ہے
۱۴ ہونٹوں پہ جان آکے کئی بار پھر گئی
۱۵ جسنے دیکھا تجھے اے جان وہ جانبر نہ ہوا
۱۶ دلکی دھڑک سے زخم جگر کا رات ٹانکا ٹوٹ گیا
۱۷ حلاوت کچھ تو ہے جو دے کے اپنی جانِ شیریں کو
۱۸ موت آئی عشق میں تو ہمیں نیند آگئی
۱۹ جانِ شیریں ہو فراقِ یار سے کیونکر عزیز
۲۰ تو جان ہے ہماری اور جان ہی ہے سب کچھ
۲۱ حالِ خراب جسم ہے جی جانے کی دلیل
۲۲ دِل ہو کہ جان تجھ سے کیونکر عزیز رکھئے
۲۳ جان آپہنچی ہے ہونٹوں تک ابھی وہ چلیں ہے
۲۴ تم دو گھڑی کو آؤ تو میں لب پہ جان کو
۲۵ مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
۲۶ فُغاں کرنے میں رسوائی خموشی دل دکھاتی ہے
۲۷ ہم جان پر بھی کھیل کے جیتے نہ یار سے
جان ہی سے لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی
غضب ہے جان کو پہلو میں بچ نادل سے دشمن کا
رہ جانا پیچھے جسم کا جاں سے عجب نہیں

رکھتا ہے مہماں کو بہت میزباں
مکاں کی قدر کیا ہے جب مکیں وا
یہ بوجھ تیرے ساتھ ہے اسکو ڈال
کیا کروں گا رکھ کے جان زار لیکے
وہ جانِ جاں جو پاس دمِ واپسیں نہیں
اہلِ دِل تجھ کو بجا آفتِ جاں کہتے ہیں
طائرِ جاں جو رشتہ سیا تھا مہلت پاکر چھوٹ گیا
مزا چکھتے ہیں مردم جانکنی کی تلخ کامی کا
نکلی بدن سے جان تو کانٹا نکل گیا
مرگ صاحبخانہ ہے فاقہ جو مہماں رہ گیا
ایمان کی کہیں گے ایمان ہے تو سب کچھ
جیب تن میں حال کچھ نہ رہے جان کیا کرے
دِل ہے سو چیز تیری جان ہے سو مال تیرا
ضعف سے کیا میری آہ نارسا نے دیر کی
ٹھہرا رکھوں کہ اور بھی یاں دو گھڑی سہی
جانِ عزیز پیشکش نامہ بر غلط ہے
ہماری جان اے خالق یونہیں صدمو نہیں جاتی
ہم نے یہ داؤں پڑھ کے لگایا تھا ہر گیا
موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا
متل خوف ہے ہمسایہ قصابِ برہمن کا
کس کارواں کی گرد ہیں کارواں نہ تھی

۳۱ جان بھی نکلی دمِ نزع تو آسانی سے / کارِ مشکل کوئی درپیش نہ آیا مجھ کو

۳۲ کھانے کو رزق رہنے کو گھر اور لحد کو جا / دنیا میں ایک جان کو کیا کیا نہ چاہیئے

۳۳ انگڑائی لے رہا ہے بیمارِ غم کسی کا / پر تل رہے ہیں گویا اُڑنے کو مرغِ جاں کے

۳۴ لطف جینے کا یہ ہے جان کسی پر نکلے / نہ جیئے وہ جسے مرنے سے سروکار نہ ہو — آباد

۳۵ کیا ہو گی نگہبانیٔ جاں فوج و حشم سے / ڈرنے کا نہیں پیکِ اجل طبل و علم سے — ناسخ

۳۶ میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے / جان ہے تو جہان ہے پیارے — میر تقی

۳۷ ہو غمِ ہستیٔ جاوید گوارا کیونکر / جان کیا دیں کہ بہت جان سے بیزار ہیں ہم — فانی

۳۸ نہ ہونا تندرستی کا کرے ہے مضمحل جاں کو / کہ ہے نقصانِ حاکم ملک کی بے بندوبستی میں — ظفر

دُنیا

(۱) خدا جانے یہ کس کی جلوہ گاہِ ناز دُنیا ہے / بہت آ آ کے گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی — امیر

(۲) آئی ہے بے حیا مرا ایمان خریدنے / دنیا کھڑی ہے دولتِ دُنیا لئے ہوئے — حفیظ

(۳) امیر اس بیوفا دنیا کی صورت پر نہ تم جاؤ / بڑی عیّار ہے مکّار ہے ظاہر میں بھولی ہے — امیر

(۴) ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دُوں / ایں خیال است و محال است و جنوں

(۵) طالب کو اپنے رکھتی ہے دنیا ذلیل و خوار / زر کی طمع سے چھانتے ہیں خاک نیاریئے

(۶) یہ عروسِ فاحشہ آتی نہیں مجھ کو پسند / زالِ دنیا کی نہیں منظور دامادی مجھے

(۷) طالبِ دنیا کو وقتِ نزع کیوں ہوتی نہ یاس / تھا جو ظاہر ہو گیا وُہ ختم باطن کچھ نہ تھا

(۸) میں بھاگتا ہوں دُنیا آ آ کے ہے لپٹتی / آتش مجھی کو اُس نے شائد کہ مرد پایا — آتش

(۹) زمانے نے مرے آگے بھی دنیا پیش کر دی تھی / مگر میں نے تو اپنا فائدہ انکار میں دیکھا

(۱۰) دیا طلاق مرے جدّ نے زالِ دُنیا کو / کسی طرح سے یہ بیوہ مجھے حلال نہیں

(۱۱) ہیچ کارے بے تامّل گرچہ صائب خوب نیست / بے تامّل آستیں افشاندن از دنیا خوش است — صائب

۱۲	ہزاروں ہی مصائب جھیل کر پائی ہے یہ نعمت	نہ تھا کچھ سہل دنیا سے مرا بیزار ہو جا
۱۳	موت پہنچا دے جو خیریت سے جنت تک ہمیں	پھر نہ مڑ کر تیری صورت کو بھی دنیا دیکھ
۱۴	کوئی پا سکتا ہے مکروہاتِ دنیا سے نجات	زندگی جب تک ہے جھگڑے زندگی کے
۱۵	زوالِ دنیا ہے عجب طرح کی علامۂ دہر	مردِ دیندار کو بھی دہر یہ کردیتی ہے
۱۶	دنیا ہے وہ صیاد کہ سب دام میں اس کے	آجاتے ہیں لیکن کوئی دانا نہیں آ
۱۷	خدا کا شوق نہ ہو آخرت کا ذوق نہ ہو	اسی کا نام ہے دنیا تو لائق تف ہے
۱۸	کوئی حلاوتِ دنیا میں یہ کہ کے گیا نکلے	کہ یہ تو ہیں مگس و انگبیں کا ہے نقش
۱۹	دنیا مقامِ غم ہے خوشی نام کو نہیں	جو اس مکاں میں رہ کے گیا نوحہ گر گیا
۲۰	دھوکے سے نہیں کبھی یہ دنیا خالی	تلخی ہے بہت اس کی شیرینی میں
۲۱	ہر شام ہوئی صبح کو اک خوابِ فراموش	دنیا ہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے
۲۲	دولتِ دنیا سے آنکھ ہم نے جب پھیری نگاہ	جسطرف آنکھ اٹھ گئی تو دے لگے اکسیر کے
۲۳	بھاگتی پھرتی تھی دنیا جب طلب کرتے تھے ہم	اب کہ جب نفرت ہوئی وہ بیقرار آنیکو ہے
۲۴	دنیا مثالِ فاحشہ جاتی ہے جس کے پاس	رہتی ہے اس کے پاس یہ بذات چند رو
۲۵	روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفر	ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا
۲۶	آتی ہے بے حیا میرا ایمان خریدنے	دنیا کھڑی ہے دولتِ دنیا لئے ہوئے
۲۷	نہ پائیگا کبھی اصلی مسرت طالبِ دنیا	پر اس کا ہا تفہ کب اس سعیِ لاحاصل سے اٹھتا ہے
۲۸	ہے مسرت راحتِ دنیا سے غفلت کے سبب	کون خوش ہوتا ہے بیداری میں عیشِ خواب
۲۹	اقامت گاہ نتواں ساختن گلزارِ دنیا را	نسیمِ صبح گوید این سخن آہستہ در گوشم
۳۰	ڈالدیگا مجھے آفت میں یہ سودا تیرا	پاک نہ جاؤنگا میں دنیا تیرے آرام کے ہاتھ
۳۱	دور وز ہے یہ لطفِ عیش و نشاطِ دنیا	بوئے شبِ عروسی مہماں ہے پیرہن میں
۳۲	ڈھونڈتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینانِ دل	کچھ بھی لیکن داغِ حسرت کے سوا ملتا نہیں

۳۳	ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اِک طور ہے	چشمِ عبرت کے لئے دنیا مقامِ غور ہے	
۳۴	ہو نہیں سکتا کبھی ہموار دنیا کا نشیب	اس گڑھے کو اپنی ہی مٹی سے بھرنا چاہیئے	
۳۵	یہ جگہ وُہ ہے فرشتوں نے کوئیں جھانکے ہیں	پاک آلائشِ دنیا سے بشر کیا ہو گا	
۳۶	محو ایسے خانۂ رنگیں میں مہماں ہو گئے	یہ نہیں ثابت کسی پر کون صاحبخانہ ہے	ناسخ
۳۷	کس کس بشر کو لائی ہے دنیا فریب میں	کیا کیا جوان مُرید ہے اس پیرزال کا	آتش
۳۸	عیش ہوتا اگر کچھ غمکدۂ دنیا میں	رُوح قالب میں خوشی سے نہ سمائی ہوتی	〃
۳۹	دنیا وہ فاحشہ ہے کسی سے نہیں بچی	دیکھا جسے تو اس کے یہ مردار ساتھ ہے	درد
۴۰	بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے	پھر کیا کہ کام نہ بے دل لگی سے چلے	ذوق
۴۱	وہ کون سا غم ہے کہ جو دنیا میں نہیں ہے	اور اسپہ بھی دلکش یہ غم آباد غضب ہے	〃
۴۲	ڈھونڈھ لے اور مجرّد کوئی زالِ دنیا	میری پاپوش کے قابل نہیں مردار کی شکل	آتش
۴۳	دنیا میں ہم رہے تو کئی دن پر اس طرح	دشمن کے گھر میں جیسے کوئی مہمان رہے	قائم
۴۴	بہت مشکل ہے رہنا پاکدامن لوثِ دنیا سے	اُلجھ کر رہ گیا جو وادئ پُر خار میں آیا	نسیم
۴۵	عجب تقدیر پائی ہے امیر اس وارِ دنیا نے	نہیں آتا پھر اس گھر میں جو اس گھر سے نکلتا ہے	
۴۶	دنیا پرست کیا رہ عقبیٰ کریں گے طے	نکلے گا خاک گھر سے قدم زن مُرید کا	امیر
۴۷	مرنا قبول پر مجھے دنیا نہیں قبول	غمزے اُٹھیں گے مجھ سے نہ اِس پیرزال کے	ناسخ
۴۸	رہی اس طرح بعد از مرگ دنیا کی ہوس کی	شرابی کرکے توبہ جس طرح ہو جائے ترسا کی	ذوق
۴۹	خانۂ دنیا بھی گویا اک طلسم تازہ ہے	ایک دم وارد ہوا جو اس میں حیراں ہو گیا	آباد
۵۰	فریبوں میں کہیں دنیا کے تو اے دل نہ آ جانا	ذرا ہشیار رہنا یہ دغا کا کارخانہ ہے	ظفر
۵۱	نہیں اک مرد کو دُنیا سے مطلب	مریں نامرد اس زن پر ہزاروں	آتش
۵۲	لذت کو ترک کر تو ہو دنیا کا رنج دور	پرہیز بھی دوا ہے جو بیمار نے کیا	〃
۵۳	دنیا کا تردد جبتک تھا جبتک کہ ہم اسکے طالب تھے	پھیری جو نظر غم ہو گئے کم۔ ز غلبت نہ رہی دنیا نہ رہی	

(۵۴)	عالم نیرنگ ہے دُنیا۔ طبائع مختلف	تنگ ہے غنچہ تو گُل مسرور پیرہن میں ہے
۵۵	تجھ سے بیزار ہوں جاتا ہوں سوئے ملک عدم	مُنہ نہ دکھلائے خدا پھر سے مجھے دنیا تیرا
۵۶	پاؤں آرام سے پھیلائے اُسی نے اپنے	ہاتھ دنیا سے ظفر جس نے یہاں کھینچ لیا
۵۷	ترکِ دنیا سے ہوئی جمعیتِ خاطر نصیب	حال میرا گو کہ ظاہر میں پریشاں ہوگیا
۵۸	ہر چند کُہنہ سال ہے دنیا تو کس قدر	آتی ہے پر نظر میں سبھوں کے جواں ہنوز
۵۹	خدا کے واسطے دنیا دوں سے منہ جو موڑے ہیں	وہی ہیں مستند انسان۔ مگر افسوس تھوڑے ہیں
۶۰	خُدا ہی کو فقط حاصل ہے حق دلبری اکبر	دیا دل جسنے دنیا کو حقیقت میں وہ مشرک ہے
۶۱	بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ	سب اہلِ قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں
۶۲	زاہدا کیونکر کروں میں ترکِ دنیا۔ یہ وُہ ہے	سیر کو آئے تھے آدم باغ رضواں چھوڑ کر
۶۳	جب تو خاصانِ خُدا نے دیا دنیا کو طلاق	نہ رہی ہو کے کسی کی نہ یہ مُردار رہے
۶۴	آرام کا طالب ہے تو لازم ہے سفر کر	ہے عاقبت اندیش تو دنیا سے گذر بھی
۶۵	دنیا سی خانگی کوئی ہوگی نہ بیسوا	شوہر سے اپنے رہتی نہ دیکھی یہ زن درست
۶۶	چیست دنیا از خُدا غافل بُدن	نے قماش و نُقرہ و فرزند و زن
۶۷	چھوڑ دے دنیا کو کوئی جو زیر آسماں	ہمّتِ حاتم کا پہنچے اس کے کف پا سنگ دست
۶۸	حرصِ دنیا سے نہیں ہر صاحبِ عزلت بری	خانقاہیں اور ہیں اور دِل کا کونہ اور ہے
۶۹	رنگِ دنیا دیکھ کر بیچارہ اکبر ڈر گیا	پندِ واعظ مان لی مرنے سے پہلے مرگیا
۷۰	استقامت کی نہیں جا ہے یہ منزل کہ یہاں	سارے برداشتہ دِل پیر و جواں بیٹھے ہیں
۷۱	دنیا بھی اک بہشت ہے اللہ رے کرم	کِن نعمتوں کو حکم مِلا ہے جواز کا
۷۲	دنیا میں اکل و شرب ہے حاضر مسافرو	اللہ نے بنائی ہے کیا مہمان سرائے
۷۳	مقام شکر ہے غافل مصیبتِ دُنیا	اسی بہانہ سے اللہ یاد آتا ہے
۷۴	دنیا کے خرابے میں نہ گھر جس نے بنایا	جنت میں نہ نکلے گا جواب اُسکے مکاں کا

(۷۵) دنیا پُلے ست راہ گذر دارِ آخرت — اہلِ تمیز خانہ نگیں ندر پہ پلے [illegible]

(۷۶) ضد بہم جمع نہ ہونگے تجھے بیجا ہے تلاش — فکرِ عقبےٰ نہ کر آلودۂ دنیا ہو کر

(۷۷) وہی خواہش ہے دنیا کی وہی غفلت ہے عقبےٰ کی — نہیں کرتے ہیں ابتک فرق بد میں اور بہتر میں

(۷۸) غذا رہے سگِ دنیا کی جیفۂ دُنیا — مجھے تو تیسرے فاقے بھی یہ حلال نہیں — رند

(۷۹) کیا وہ دنیا جسمیں کوشش ہو نہ دیں کیواسطے — واسطے واں کے بھی کچھ یا ستیں کیواسطے — ذوق

(۸۰) دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا — پھر منہ کو اس طرف نہ کیا اُسنے جو گیا

(۸۱) دنیا میں آکے جی نہیں جانے کو چاہتا — دلکش ہر اک دکان ہے بازار دلفریب — آتش

(۸۲) بہت مصروف کشت و کار تھے مزرع میں دُنیا کے — اُٹھا حسرت سے ہاتھ آخر نہیں یہ کچھ ہوا حاصل

(۸۳) ہر دم خرید ہے حسنات و گناہ کی — دُنیا بھی اک مقام ہے بازار کی طرح — فصاحت

(۸۴) خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی — ہزاروں اُٹھ گئے لیکن وہی رونق ہے مجلس کی

(۸۵) نجات ہوتی نہیں مکرِ زالِ دنیا سے — یہ لپٹی جاتی ہے۔ دامن کشاں ہزار ہوں ہیا — جرار

(۸۶) گلشنِ دنیا کا پھل ہر ایک ہے برچھی کا پھل — چوبِ درباں ہے نہالِ خشک اس گلزار کا — گویا

(۸۷) نمو ایں طالبِ دنیا۔ تو دنیا رنگ پر آئی — کئے ہیں اس دولہن نے لال کپڑے خونِ شوہر سے — امیر

(۸۸) دنیا کی باز پرس سے اَب تک نہیں نجات — اولجھا ہوا ہوں حشر کے دن بھی حساب میں — داغ

(۸۹) خانہ دنیا دلا گویا کمان خانہ ہے — ہو گیا جن کا گذر اس میں گئے وہ تیر سے — ناسخ

(۹۰) زالِ دنیا تنگ کرتی ہے نہایت ہی مجھے — ہے مگر اس بیسوا کا کیا بدن فولاد کا — آتش

(۹۱) باطن میں غم ہے عشرتِ دنیا کے ظاہری — پہنے ہوئے لباس محرّم ہے عید کا — امیر

(۹۲) خضر بھی عُمر میں دُنیا سے کم ہیں — یہ بڑھیا ساری دنیا سے بڑی ہے

(۹۳) دنیا نے کس کا راہِ فنا میں دیا ہے ساتھ — تم بھی چلے چلو یونہیں جب تک چلی چلے — ذوق

(۹۴) فرشتوں کی عبادت کا صلہ ہے مراد اس — اگر آلودگی دنیا کی اس کو پاک رہنے دے — بیان

(۹۵) یہ دنیا آج منعم ہے تری کل تیرے دشمن کی — زنِ بیکار کب پابند ہو گی ایک شوہر کی — مسیح

۹۵ دنیا بھی دین ہے جو ہو لذت بشر سے ترک — کیوں ہو حرام نشہ ہو جس شراب

۹۶ فکر دنیا اک طرف ہے خوف عقبیٰ اک طرف — اپنی ہستی کو تہ تیغ دو دم رکھتے ہیں

۹۷ آساں نہیں ہے دام سے دنیا کے چھوٹنا — یہ اک بڑے حکیم کا باندھا طلسم ہے

۹۸ جو مردِ سیر معنی ہے سبک ہو بار دنیا سے — کہ سر پہ بوجھ ہونے سے سفر مشکل ہے

۹۹ نہ ہوئے طالب دنیا کبھی مردانِ خدا — جیسے مردار سگ و زاغ و زغن کا حق ہے

۱۰۰

دنیائے فانی

۱ دنیا کی سیر تھی کہ تماشہ طلسم کا — جھپکی پلک کہ آنکھ سے غائب وطن ہو

۲ جائے قیام منزل ہستی نہ تھی امیر — اُترے تھے ہم سرا میں کہ کوس سفر بجا

۳ ہو نہ ہرگز چار دیوار عناصر کو قیام — گھر بنائے کوئی بہر حفظ گر فولاد کا

۴ مسافر خانہ دنیا میں جو آیا ہوا راہی — یہ منزل آمد و شد کی ہے آئیں ہی وطن کر

۵ قیام زندگی بحر فنا میں غیر ممکن ہے — یہ کشتی تیر کی صورت چلی جاتی ہے طوفاں

۶ اس کارواں سرا میں کیا تیر بار کھولیں — یاں کوچ لگ رہا ہے شام و سحر ہمارا

۷ مسکن اس بحر فنا میں کر نہ مانند حباب — ڈال پانی پر نہ بنیاد مکاں بے فائدہ

۸ یہ خانۂ ہستی ہے عجب خانۂ رنگیں — اے ذوق مگر سستی بنیاد غضب ہے

۹ رہگذر سیل حوادث کا ہے بے بنیاد دہر — اس خرابے میں نہ کرنا قصد تم تعمیر کا

۱۰ کہانیاں ہیں حکایات خضر و آب بقا — بقا کا ذکر ہے کیا اس جہان فانی میں

۱۱ مسافر ہی نظر آیا۔ نظر آیا جو دنیا میں — جسے دیکھا اُسے آلودۂ گرد سفر دیکھا

۱۲ کارخانے جتنے ہیں دنیا کے سب ہیں بے ثبات — آنکھ سے جو آج دیکھا۔ کل وہ افسانہ ہوا

۱۳ ایک کو نہ کل ملیگا رہنے کو زیر زمیں — سایہ ہے آج آسماں پر گو تری دیوار کا

۱۴ اپنے گرنے کی نہیں تم کو خبر اے غافلو — ہوگئی جمعیت خاطر خزانہ گاڑ کر

۱۵ دوست دشمن سب کے سب ہیں رفتنی مثلِ نسیم
گل تو کیا کانٹا بھی اک دن اس گلستاں میں نہیں

۱۶ کیا کرے خانۂ گیتی کا کوئی دعوئے مُلک
نام پر کس کے ہے اس قصرِ کہن کا کاغذ

۱۷ کاش یہ جمشید کو معلوم ہوتا جام میں
کاسۂ سر کاسۂ دستِ گدا ہو جائے گا — تعشق

۱۸ مانندِ حباب ایک نفس میں تھی عمر اپنی
اس منزلِ فانی میں ہے بنیادِ مکاں ہیچ

۱۹ نیرنگئ فناہ ہے لگی اس کی فکر میں
ہستئ مُستعار ہے بے اعتبار رنگ — آتش

۲۰ سطحِ خاکی پہ بہت زور دکھائے لیکن
عاقبت کھا ہی گئی رستم و سہراب کو خاک

۲۱ گھر بناؤں خاک اس وحشت کدے میں ناصحا
آئے جب مزدور مجھ کو گورکن یاد آگیا

۲۲ بحرِ ہستی میں حباب آسا ہی تیری ہست و بود
اس قدر ہے تجھ کو استحکام کس بنیاد پر

۲۳ کچھ نہیں بحرِ جہاں کی موج پر مت بھول میر
دُور سے دریا نظر آتا ہے لیکن ہے سراب — میر

۲۴ نہ پوچھو قافلے والو یہاں کا کوچ و مقام
کہ اک رکاب میں ہے پاؤں ایک منزل پر

۲۵ بنا کر قصر کیا نازاں ہے یہ تو سوچ اے منعم
کہ پہلے بھی کسی نے یاں بنایا کچھ نہ کچھ ہوگا — ظفر

۲۶ بیٹھتے دیکھا نہیں اِس کو کسی نے ایک دم
کہتی ہے اِس بزم کو ایسا مسافرخانہ شمع

۲۷ بحرِ ہستی میں حبابِ لب جو ہے غافل
غور سے دیکھ زیادہ تیری بنیاد نہیں

۲۸ تخت والوں کا پتہ دیتے ہیں تختے گور کے
کھوج ملتا ہے یہاں تک بعد ازاں کچھ بھی نہیں

۲۹ نہ کچھ بھی ساتھ لپنے لیگیا منعم بجز حسرت
ظفر یہ دولت و حشمت یہیں کی سب یہیں چھوڑی — ظفر

۳۰ یہ کہتا ہے جرس اپنی زباں میں
مسافر ہیں سبھی اس کارواں میں

۳۱ یہی نیرنگ عالم ہے تو پھر اک دن اندھیرا ہے
زمیں میں کیسے کیسے چاند پنہاں ہوتے جاتے ہیں

۳۲ کس ہستئ موہوم پہ نازاں ہے تو اے یار
کچھ اپنی شب و روز کی ہے تجھ کو خبر بھی

۳۳ مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیئے

۳۴ غافل ہیں ایسے سوئے ہیں سارے جہاں کے لوگ
حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ

۳۵ چپّہ چپّہ پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

(٣٦) بحرِ جہاں میں آبِ رواں سے کھلا یہ حال
استادگی کی جا نہیں یاں ہے دوام کو

(٣٧) قافلو منزلِ دنیا ہے سرائے فانی
اس خطر گاہ میں تم چھاونی چھانے ہو عبث

(٣٨) ساتھ خیمہ بھی نہیں چاہیئے مانند حباب
چھوڑ جانا ہے یہیں اپنا سب اسباب

(٣٩) گذر ناگاہ جو میرا ہوا شہرِ خموشاں میں
عجب نقشہ نظر آیا وہاں شاہانِ عالم کا

(٤٠) جدا شہر خموشاں ہو گیا آباد قدرت سے
خدا کی شان ویرانے میں یہ بستی بسی اچھی

(٤١) دونوں کو بے ثباتی میں تشبیہ تام ہے
تجنیس ہے حیات کی لفظِ حباب میں

(٤٢) خاک سے یکساں ہوئے دم بھر میں لاکھوں قصرِ تن
کس قدر عالم میں سیلابِ فنا کا جوش ہے

(٤٣) ملی نہ بحر میں ہستی کے ایک دم فرصت
حباب وار عبث یہ مکاں بنایا تھا

(٤٤) مسافر خانۂ دنیا میں جو آیا ہوا راہی
یہ منزل آمد و شد کی ہے اپنا ہے وطن کس کا

(٤٥) مہمان آکر عدم سے ہوتے ہیں اکثر یہاں
قافلو دنیا نہیں گویا مسافر خانہ ہے

(٤٦) دارا رہا نہ جم نہ سکندر سا بادشاہ
تختِ زمیں پہ سینکڑوں آئے چلے گئے

(٤٧) خانۂ اصلی سے مردوں کی روش تم اٹھ گئے
کیسے کیسے نوجواں دنیا کی چوسر چھوڑ کر

(٤٨) قالبِ خاکی سے ہر دم ہے یہ تہدیدِ اجل
خاک میں اک دن ملا دینگے ہم اس تعمیر کو

(٤٩) میری ہستی کی یہ ہستی ہے کہ بے بود ہوں میں
میری بنیاد بس اتنی ہے کہ بنیاد نہیں

(٥٠) گل ہوں کہ غنچے سب یہ مسافر چمن میں ہیں
کوئی ہے دور کوئی ہے منزل کے سامنے

(٥١) اس باغ میں ثبات ہے گل کو نہ خار کو
اسفل رہے یہاں میں نہ عالی نسب رہے

(٥٢) کل تک جو شمع محفلِ عیش و نشاط تھے
جلتا نہیں ہے چراغ آج اُن کی گور پر

(٥٣) کوئی اتنا تو پوچھے نزع میں جا کر سکندر سے
کہ چھوڑا گھر میں کیا۔ ہمراہ اپنے لیا کیا کیا

(٥٤) یہ سگِ دنیا ہیں کس امید پر مُردوں کے گرد
قبر بھی ڈھونڈو۔ تو کوئی استخواں ملتا نہیں

(٥٥) اس رہگذر میں کس کو ہوئی فرصتِ مقام
بیٹھے ہے نقشِ پا یہ سرِ دوشِ نقشِ پا

(٥٦) گلشنِ دنیا نہیں جائے قیام اے غافلو
غنچہ ساں تم دوش پر رختِ سفر باندھے رہو

(۵۷) دنیا سے کوچ کرنا ہے اک روز رہرو کو — بانگِ جرس سے شور یہی کارواں میں ہے

(۵۸) اب زمیں پر نام تک باقی نہیں انکا نشاں — جن کی نوبت کا رنگِ آسماں نقارہ تھا — آباد

(۵۹) بچئے اے غافلو سیلِ حوادث سے نہیں ممکن — کر دیا الغرض اگر دولت سرا تعمیر لوہے کی

(۶۰) ہیزمِ خشک نے جل کر یہ کہا گلشن میں — کہ انہی تازہ نہالوں میں کبھی ہم بھی تھے

(۶۱) اس خرابے میں نہیں ہے کوئی دنیا آباد — آج معمور جو ہیں ہوں گے وہ گھر کل خالی

(۶۲) کیوں نہ بازیچہ دنیا کو کہیں نقشِ فناہ — ایک دن جانتے ہیں نیست یہ ہستی ہوگی — رند

(۶۳) مٹ کر دکھا دیا کہ کسی کو بقا نہیں — میرے وجود میں ہی پوشیدہ راز تھا — 〃

(۶۴) تھا ملک جنکے زیرِ نگیں صاف مٹ گئے — تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے

(۶۵) عمارت کے بنانے میں جو یوں مصروف ہیں منعم — اُٹھا کر سر پہ کیا لیجائیں گے یہ قصر و ایواں کو — آباد

(۶۶) منعم نہ مر بنائے عمارت کی فکر میں — یہ سب حویلیاں تھیں جہاں تک ہے اب اجاڑ

(۶۷) جو افسرِ شاہی سے سرافراز تھے کل تک — کھاتے ہیں پڑے ٹھوکریں وہ کاسۂ سر آج — سحر

(۶۸) بے بقا ہے ہستیٔ شبنم سے یارانِ بہار — برق کی چشمک سے کم وقفہ ہے دورانِ بہار — 〃

(۶۹) پتلوں سے خاک کے یہ گڑھے بھر چکیں کہیں — دھبہ مٹے زمیں کے نشیب و فراز کا — 〃

(۷۰) مٹے بن بن کے نقشے ہیں یہاں کن کن حسینوں کے — عبث نازاں ہیں تصویریں دو روزہ رنگ و روغن پر

(۷۱) چناں برد و آورد و آورد و برد — کہ دایہ ز حسرت لبِ پردہ مُرد

(۷۲) دیکھیں کیا گلشن میں ہم رنگِ عروسانِ چمن — چار دن زیبِ بدن رہتا ہے جوڑا بیاہ کا

(۷۳) ہے رنگِ تماشائے جہاں صورتِ خورشید — جو صبح کو دیکھا وہ نظر شام نہ آیا

(۷۴) افسوس بعدِ مرگ نہ اتنا ہوا ثبوت — یہ استخواں امیر کا ہے یا غریب کا — فصاحت

(۷۵) اک لحظہ اور بھی وہ اُڑاتا چمن کی دید — فرصت نہ دی زمانہ نے اتنی شرار کو

(۷۶) بحرِ ذخار میں ہستی کے ہے مثلِ حباب — اور اس خاک کے پتلے کی حقیقت کیا ہے

(۷۷) گر خانۂ گردوں پہ نظر چشمِ فناہ سے — ہے مثلِ حباب اس کی بھی تعمیر ہوا پر

۷۸ اس طرح گذری حیاتِ چند روزہ دہر میں — آنکھ گویا کھل گئی خوابِ پریشاں دیکھ کر

۷۹ ہیں مرگ و زیست پردۂ شعبدہ گر کے تماشے کے — نظر بندی کا عالم ہے کوئی جاتا نہ آتا ہے

۸۰ مگر جانا نہیں شاید کہ یاں سے اہلِ عالم کو — یہ دو دن کے لئے کیا قصر و ایواں مول لیتے ہیں

۸۱ حُبابم بر سرِ موجم ز بنیادم چہ مے پُرسی — فقط بحرِ جہاں میں رندِ غافل دم کی فرصت ہے

۸۲ بیخود طلسمِ ہستی موہوم پر نہ جا — یاں کیا دھرا ہے پردۂ گرد و غبار ہیں

۸۳ یہ بھی اِک دھوکا تھا نیرنگِ طلسمِ عقل کا — اپنی ہستی پر بھی ہستی کا ہوا دھوکا مجھے

۸۴ دنیا کی کیا حقیقت اور ہم سے کیا تعلق؟ — وہ کیا ہے اک جھلک ہے۔ ہم کیا ہیں اک نظر ہیں

۸۵ فضائے دہر میں ہم مثلِ برق آکے چلے — تڑپ کے کاٹ دیا وقت مُسکرا کے چلے

۸۶ کِس ہوا میں ہم اُبھرتے ہیں عبث مثلِ حباب — یہ تو ثابت ہے کہ مشتِ خاک بے بنیاد ہیں

۸۷ کیا ہماری اصل اور بنیادِ استحکام کیا — ایک دن گر جائیں گے آخر گلی دیوار ہیں

۸۸ کر دیا نزع نے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی — ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی

۸۹ رات دن تن پروری ناسخ ہے دشمن پروری — گوشت سارا ایک دن رزقِ دہانِ مور ہے

۹۰ ہمارے دیکھتے زیرِ نگین تھا ملک سب جنکے — کوئی اب نام بھی لیتا نہیں ان ملک گیروں کا

۹۱ قیامِ جسمِ خاکی ہے نفس پر — ہوا پر ہے بِنا اپنے مکاں کی

۹۲ بحرِ عالم کا سفینہ کوئی۔ بچنے کا نہیں — ہمہ تن ہو کے زباں موجِ خطر کہتی ہے

۹۳ محفلِ عیشِ جہاں کا ہے دلا کیا اعتماد — نشۂ مے خواب آوازِ غنا افسانہ ہے

۹۴ حباب آسا فنا ہے سب کو اِک دن بحرِ عالم میں — زبانِ موج پر جاری ہے یہ ہر دم سمندر میں

۹۵ مجھ کو دم لینے کی بھی فرصت نہ دنیا میں ملی — روزِ مولد شادیانہ کُوچ کا نقارہ تھا

۹۶ اپنی ہستی پر نہ ہنس اِتنا کہ ہستی ہے فنا — دیکھ ہنستے ہنستے ہی تو اے شرر چھپ جائیگا

۹۷ سرائے دہر کا مفہوم یہ سننے میں آیا ہے — کسی نے اس کو گھر سمجھا کسی نے رہگذر جانا

۹۸ کتبے ہوں سنگ و خشت کے کتنے ہی اُستوار — اِن کو مٹا ہی دیتا ہے نیرنگِ روزگار

زندگی

۱	حالِ زندگی کو سوچ کر دھنتا ہوں سر پھر دل	وہ کیسے لوگ ہیں یا رب جنہیں جینے کا ارماں ہے	
۲	وہ سودا زندگی کا ہے کہ غم انسان سہتا ہے	نہیں تو ہے بہت آسان اس جینے سے مر جانا	چکبست
۳	اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا	زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا	شادؔ
۴	حیرت میں ختم ہو گئی انشائے زندگی	حل ہو سکا نہ ہم سے معمائے زندگی	
۵	اک جان کا عذاب ہے یہ زندگی نہیں	اللہ کس بلا میں گرفتار ہو گئے	اکبر
۶	زندگی موت تھی۔ اک عمر میں یہ ثابت ہوا	میرا ہونا تھا۔ فقط میرے نہ ہونے کیلئے	نیّر
۷	یہ اقامت ہمیں پیغامِ سفر دیتی ہے	زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے	ذوق
۸	زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب	موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا	
۹	زندگی مرض ہے تو موت شفا	جز اجل اب کوئی طبیب نہیں	
۱۰	اپنی زندگی کو غم و رنج و مصیبت سمجھو	موت کی قید لگا دی ہے غنیمت سمجھو	
۱۱	ہم ہوئے جس دن سے پیدا موت پر ایماں ہے	زندگی گویا فنا ہونے کا اک ساماں ہے	تسکین
۱۲	زندگی نے مجھے ہلاک کیا	مرگیا موت کے نہ آنے سے	
۱۳	اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے اے خدا	جینے سے فائدہ جو زمانہ کشیدہ ہے	
۱۴	عالمِ نزع میں دن رات بسر کرتے ہیں	زندگی نام کو ہے موت کے دن بھرتے ہیں	
۱۵	بدتر ہے موت سے بھی زیادہ وہ زندگی	وہ جی گیا جو عشق کا بیمار مر گیا	
۱۶	زندگی اک طلسمِ فانی ہے	سب کرامت ہے سانس چلنے کی	نظر
۱۷	زندگی چشمِ جہاں میں خوار رکھتی ہے دلا	دوش پر سب نے لیا جب آدمی بے دم ہوا	ناسخ
۱۸	بے مقامِ زندگی زیرِ دمِ شمشیرِ مرگ	ہو گیا جس طرح کوئی دم گذار ہو گیا	ذوق
۱۹	اعمال کا طلسم ہے نیرنگِ زندگی	تقدیر کیا ہے گردشِ لیل و نہار کیا	

٢٠ یہ عدم والوں کی خاموشی نے ثابت کر دیا
تھا عذابِ قبر سے بدتر عذابِ زندگی

٢١ خوشی کیا زندگی کی جب خضر تک
مرے جاتے ہیں عمرِ جاوداں سے

٢٢ غفلت میں زندگی کو نہ کھو گر شعور ہے
یہ خواب زیرِ سایۂ بالِ طیور ہے

٢٣ زندگی تک ہیں، قیامت کے یہ دھڑکے سارے
مجھ کو کیا غم ہے اگر حشر ہوا میرے بعد

٢٤ اپنی تو زندگی یہاں مثلِ حباب ہے
گو خضر لاکھ برس جیا پھر کسی کو کیا

٢٥ یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا۔ گل اپنا۔ باغباں اپنا

٢٦ شمع ساں رو رو کے یادِ گور میں شب روز کی
جب تلک میرا چراغِ زندگی روشن رہا

٢٧ آدمی قیدِ دہر میں رہ کر
کیوں ہیں مسرور زندگی کہہ کر

٢٨ زندگی اک تیر ہے جانے نہ پائے رائیگاں
دیکھ لو پہلے نشانہ۔ بعد میں کھینچو کماں

٢٩ زندگی اپنی جب اس شکل میں گذرے غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

٣٠ زندگی کی قدر اے محمود مشکل ہو گئی
بار وہ ڈالا حوادث نے دلِ ناشاد پر

٣١ زندگی کے ساتھ ہے ہنگامۂ یاس و امید
مرنے والوں کے لئے آرام ہی آرام ہے

٣٢ کھل گیا خالی ہوا بندی سے رازِ زندگی
یعنی اک تارِ نفس ہے نغمۂ سازِ زندگی

٣٣ زندگی کی کشمکش سے مر کے کچھ پائی نجات
اس سے پہلے اے نظر فرصت کبھی ایسی نہ تھی

٣٤ سوال میں نے جو انجامِ زندگی سے کیا
قدِ خمیدہ نے سوئے زمیں اشارت کی

٣٥ زندگی جب تک ہے کوئی عیب دیکھے یا ہنر
ورنہ زیرِ خاک سب عیب و ہنر چھپ جائیگا

٣٦ زندگی تک ہے یہ فرقِ اعتباری چند روز
مر کے یکساں رتبۂ شاہ و گدا ہو جائیگا

٣٧ زندگی کی ایک مدت سے ہے بیماری مجھے
اے طبیبو کچھ مری تدبیر میں سم چاہیئے

٣٨ نگہبانی کرے گی موت۔ اگر ہے زندگی باقی
نہ کر شرمندۂ عیسیٰ۔ دلِ بیمار جانے دے

٣٩ فکرِ معاش۔ عشقِ بتاں۔ یادِ رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے

٤٠ دین و دنیا دونوں اپنے جیب و داماں گیر ہیں
اس دو روزہ زندگی میں شاد ہم کیا کیا کریں

زندگی میں بھول کر لغزش نہ ہو انسان سے
تو بھول اس زندگی پہ غافل نہیں کچھ اختیار اس کا
کون سا جھونکا بجھا دیگا کسے معلوم ہے
تیغِ عریاں ننگی ہے زندگی میرے لئے
ہر نفس عمرِ گذشتہ کی ہے میّت فانی
اِس زندگی کو چاہیئے سامانِ زندگی
زندگی نام ہے اِک جذبِ پرستاری کا
زندگی اللہ کا احسان ہے
پسِ مُردن فراغت پائی جھگڑوں سے زمانے کے
مرنا ہی لکھا ہے میری قسمت میں عزیزو
جو ہیں اہلِ بصیرت اس تماشہ گاہِ ہستی میں
عرصہ تو زندگی کا نہیں اِس قدر بھی یاں
زندگانی ہے علامت مرگ کی اَے غافلو
خوشی جس کی تمنّا تھی ملی وہ کنجِ مرقد میں
ہیچ ہے نیرنگِ ہستی اصل کچھ اسکی نہیں
میرا لباسِ ہستی ہے ننگِ زندگانی
زندگی بحرِ جہاں میں ہے بشر کی ایسی
ہر اک کو ہے زمانے میں زندگی مقصود
جستجو سے یہ ملا آخر نشانِ زندگی
زندگی کا ایک دھبّہ دامنِ ہستی پہ تھا
کہتی ہے عقل موت یہ ہے بہرِ زندگی

گر نہاں آزار ہے کیا ہوگا مر جانے کے بعد
کہ راہ لیگی یہ اپنی اکدن عدم کا رستہ تجھے بتا کے
زندگی اِک شمع روشن ہے ہوا کے سامنے
موت کے پردے میں ہے پنہاں خوشی میرے لئے
زندگی نام ہے مر مر کے جیئے جانے کا
کچھ بھی نہ ہو تو شیشہ و پیمانہ چاہیئے
وائے وہ بندہ کہ جس کا کوئی معبود نہ ہو
یعنی جبتلک زندہ ہوں شرمندہ ہوں
کہ دار الحرب تھا عرصہ ہماری زندگانی کا
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا
طلسمِ زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں
افسوس میں کسی کے۔ کوئی ہاتھ مل سکے
اور کچھ اس خواب کو تعبیر کی حاجت نہیں
بہت ڈھونڈا تجھے بعدِ فنا ای زندگی میں نے
ٹوٹ جائیگا طلسمِ زندگانی وقتِ نزع
مرنے کے بعد اس پر پردہ زمین ڈالے
بُلبلا پانی میں جس طرح اٹھا بیٹھ گیا
کسے خبر ہے کہ مقصودِ زندگی کیا ہے
چند قبریں نقشِ پائے رہروانِ زندگی
ہائے وہ آنسو کہ اِس دھبے کو آکر دھو گئے
وہ زندگی کہ جو نہیں ہوگی برائے موت

۶۲ بشر کو زندگی میں غفلتِ امیدِ فردا ہے
اگر دم بھر بھی اپنے قصد سے وُہ جی نہیں ...

۶۳ سانچا یہ زندگی ہے فقط رُوح کے لئے
جب ڈھل چکے تو سانچے کو لازم ہے ...

۶۴ زندگی کیسی مصیبت تھی کہ اللہ کی پناہ
جان نکلی ہے تو اب ہوش ٹھکانے آئے

۶۵ ہماری زندگی ہے اِک چھلاوہ
دَمے پیدا۔ دَمے دیگر نہیں ہے

۶۶ کیا ثباتِ عمر بس اک جنبشِ فطرت کی دیر
زندگی کیا ہے فقط اِک عکس آئینے میں ...

۶۷ زندگی کہتی ہے دُنیا سے تو اپنا دِل لگا
موت کہتی ہے کہ ایسی دِل لگی اچھی نہیں

۶۸ عبث اس زندگی پر غافلوں کا فخر کرنا ہے
یہ جینا کوئی جینا ہے کہ جس کے ساتھ مرنا ہے

۶۹ گذر کی جب نہ ہو صورت گذر جانا ہی بہتر ہے
ہوئی جب زندگی دشوار مر جانا ہی بہتر ہے

۷۰ تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اُڑنے سے پیشتر ہی میرا رنگ زرد تھا

۷۱ کس زندگی پہ خوب اکڑتے تھے صبح و شام
جھونکا ہوا کا تھا ادھر آیا اُدھر نہ تھا

۷۲ زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مُردہ دِل خاک جیا کرتے ہیں

۷۳ رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے لئے
زندگی۔ موت ہے حیات نہیں

۷۴ موج کی شان ہے طوفان کے بپا ہونے میں
زندگی کیا ہے؟ گرفتارِ بلا ہو جانا

۷۵ آرزوئے زندگی تھی باعثِ تکلیفِ جاں
یہ خلش مٹتی تو پھر آرام ہی آرام تھا

۷۶ زندگی کی لذتوں میں جس قدر آگے بڑھے
دلکشی کے ساتھ رستہ پُرخطر ہوتا گیا

۷۷ زندگی سے ہے کہیں مرگ مرے دل کو پسند
مقبرے کی ہے سوا قصر سے تعمیر پسند

۷۸ نہ بھول اس زندگی پہ غافل نہیں ہے کچھ اعتبار اس کا
کہ راہ لیگی یہ اپنی اک دن۔ عدم کا رستہ تجھے بتا کر

۷۹ باعثِ بغض و عداوت زندگانی ہے فقط
ایک سے ہو جائینگے شیخ و برہمن خاک میں

۸۰ قیامِ زندگی بحرِ فنا میں غیر ممکن ہے
یہ کشتی تیر کی صورت چلی جاتی ہے طوفاں میں

۸۱ زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

اک عمر سے ہے زندگی اور موت میں جھگڑا
قصہ نہیں چکتا یہ بکھیڑا ہے کہاں کا — زند

کوئی دشمن بھی اب نہیں میرا
ہائے بے لطف زندگی میری — قیس

زندگی جامِ عیش ہے لیکن
فائدہ کیا اگر مدام نہیں — ولی

فقط بھروسہ پہ تیرے ہے زندگی اپنی
خدا حیات تری اے اجل دراز کرے — شاد

ہم زندگی سمجھتے تھے جس کو وہ خواب تھا
بالیں پہ آکے موت نے بیدار کر دیا — بسمل

کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی
اس سے جو کوئی جیا تو مر کر — قائم

ہے کس قدر غرور شکن راہِ زندگی
جس سر کو دیکھتا ہوں وہی پائمال ہے — حفیظ

درد بڑھ کر دوا نہ ہو جائے
زندگی بے مزہ نہ ہو جائے — ضیا

زندگی موجِ آب ہے گویا
دم کا آنا حباب ہے گویا — فقیر

عین ہستی تھی عدم کی نیستی میرے لئے
موت کا پیغام لائی زندگی میرے لئے — یوسف

رہے جس میں خطرہ سدا نیستی کا
بس اے زندگی ایسی ہستی سے گذرے — حسن

کونسا جھونکا بجھا دے گا کسے معلوم ہے
زندگی اک شمع روشن ہے ہوا کے سامنے — سراج

ہو طبیعت میں نہ رنگینی نہ دل میں دردِ عشق
ناصحا اتنی بھی ساری زندگی کس کام کی

موت

آدمی مختار ہو کر موت سے مجبور ہے
کہنے کو سب کچھ ہے لیکن کسی قابل نہیں — نظر

انتظارِ موت میں دن کاٹتا ہوں زیست کے
زندگی اب کے مقصد میں خلل انداز ہے — عزیز

موت ہے زندگی کا اک وقفہ
یعنی آگے چلینگے دم لیکر — میر تقی

موت آئی جی گئے چھٹ کر غم و اندوہ سے
یہ نیا مرنا ہے جس کا نام جینا ہو گیا

موت نے آکے زمانے کے چکائے قصے
اقربا روتے ہیں مُردے کو خبر کچھ بھی نہیں

زیست کا شوق نہیں جب سے یہ معلوم ہوا
موت مامور ہوئی میری نگہبانی پر

موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے
کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا دیتی ہے

۸ موت آئی اب طبیبوں کی رہی کیا احتیاج
ہو گئی بیمارِ غم کو صحت کامل نصیب

۹ موت سے بھاگا جو میں۔ آئی یہ تربت سے صدا
یہ سفر درپیش ہوگا۔ ہوگی یہ منزل نصیب

۱۰ آدمی کو موت کے آنے کی لازم ہے خوشی
عید ہے جس روز چھٹکارا ہوا محبوس کا

۱۱ کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جسکو خبر
پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک دستور ہے

۱۲ موت کے پیغام سے غمگیں عبث ہوتے ہیں لوگ
خاک سے جو کوئی پیدا ہے وہ آخر خاک ہے

۱۳ اہلِ ہستی کو عدم کا مرحلہ درپیش ہے
موت کو نزدیک جو سمجھے وہ دور اندیش ہے

۱۴ جو ہر بچے گا کوئی نہ دنیا میں۔ جان لو
موت از برائے عالم و عالم برائے موت

۱۵ موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی
اٹھ گیا دل دہر سے دولت نظر سے گر گئی

۱۶ زندگانی کی جو ہو جاتی ہیں کچھ امیدیں
موت کو میرے سمجھالوں یہ ہنسی آتی ہے

۱۷ ناخدا ہے موت جو دم ہے سو ہے بادِ مراد
عزم ہے کشتیِ تن کو بحرِ ہستی پار کا

۱۸ اے موت روزِ حشر کریگا نہ پھر نمود
نخلِ حیات قطع نہ بنیاد سے ہوا

۱۹ او موت تو نہ آئی۔ گلہ تجھ سے رہ گیا
سب آ چکے عیادتِ بیمار کے لئے

۲۰ چین اب زیست میں ممکن نہیں اسلا آئے
موت آئیگی تو سمجھوں گا مسیحا آئے

۲۱ جمع ہیں احباب بالیں پر مرے
موت کیسی خوبصورت بن گئی

۲۲ موت کے آتے ہی ہمکو خود بخود نیند آگئی
کیا اسی کی یاد میں کرتے تھے شب بیداریاں

۲۳ موت کو سمجھیں ہیں گبر و مسلماں۔ آئی
روح قالب میں دو ہی روز کی مہمان آئی

۲۴ توقع رہتی ہے ہر دم۔ کہ دم آنیکی مہلت ہے
معاذ اللہ۔ اپنی موت سے کس درجہ غافل ہوں

۲۵ غنیم موت ہے اس سے بھلا لڑیگا کون
عبث جناب فراہم سپاہ کرتے ہیں

۲۶ ڈیوڑھیوں پر بہرِ حفظِ جاں عبث ہو بندوبست
موت پھر جاتی ہے کوئی چوبِ درباں دیکھ کر

۲۷ خدا میں شک ہو تو ہو۔ موت میں نہیں کوئی شک
مشاہدہ میں کہیں احتمال ہوتا ہے

۲۸ زندگی بیٹھی تھی اپنے حسن پر بھولی ہوئی
موت نے آتے ہی سارا رنگ پھیکا کر دیا

مضمر ہے میری موت میں بھی راز زندگی
تکرار کیا ہے زندگیِ مستعار میں
نہیں طولِ الم سے اختصارِ زندگی ممکن
موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ایک پل میں موت کی تلخی سے ہوش آ جائے گا
آتی ہے کس طرح سے مری قبضِ روح کو
کہہ رہی ہے موت ہر دم ہر زماں بالائے سر
موت آتی نہیں قرینے کی
موت نے تیغِ زبانِ خلق سے دی ہے نجات
منزلیں ملکِ عدم کی صرفِ نسیاں ہو گئیں
زندگی نے سینکڑوں ساماں کئے
زندگی کی آنکھ سے دیکھا ہے نقشہ موت کا
کیا راہبری موت نے کی خضر کی صورت
موت ہے آسایشِ افتادگاں
سنتے ہیں جب عوام کی آہ و بکا کا شور
جینے مرنے کی حقیقت جب ہم پہ کھل گئی
موت آ۔ جینے سے جی گھبرا گیا
ایسے جینے پہ رند خاک پڑے
نہیں معلوم کہ کب پیکِ اجل آ جائے
دشتِ امید کی جانب جو بڑھاتے ہیں قدم
جانتا ہوں کہ یہ خواہش موت کی اچھی نہیں

جلوے دکھا رہی ہے فنا میں بقا مجھے — بقا
اے موت بار بار تقاضا نہ چاہیئے
مشکل سہل ہوئی موت ہی سبب چارہ گر ہوئی
ہے یہ شامِ زندگی۔ صبحِ دوامِ زندگی
کس نشے میں مست ہے مستِ شرابِ زندگی
دیکھوں تو موت ڈھونڈھ رہی ہے بہانہ کیا — آتش
غافلو آتا ہے وقتِ ناگہاں بالائے سر — بشیر
یہ سزا مل رہی ہے جینے کی — تپش
کہتے ہیں جس کو کفن وہ مجھ کو جوشن ہو گیا — ناسخ
موت ہی آئے گی اب رستہ بتانے کے لئے — حفیظ
موت نے آ کر پشیماں کر دیا — جوش
موت کے منہ سے سنوں گا داستانِ زندگی — برجموہن
بند آنکھ ہوئی تھی کہ کٹی راہِ عدم کی — امیر
چشمِ نقشِ پا کا مٹ جانا ہے خواب — درد
جی چاہتا ہے موت کو کوسیں برا کہیں — زین
زندگی اور موت دونوں کا مزا جاتا رہا
زندگی سے ناک میں دم آ گیا
موت اس زندگی پہ ہنستی ہے — رند
چاہیئے موت کا ہر دم رہے کھٹکا دل میں — ادیب
موت کہتی ہے یہ آہستہ کہ سر پر ہم ہیں — شاد
زندگی بے لطف ہو جائے مگر۔ تو کیا کروں

۵۰	ہے دیانت زندگی کی سعیٔ انساں تا بگور	خود بخود لے موت مر جانا خیانت ہے ضرور
۵۱	موت کہتے ہیں جسے وہ کیا ہے بس صبر و سکوں	زندگی کا راز پنہاں۔ شورشِ پیہم میں ہے
۵۲	موت کیا چیز ہے بیکار ہوئے اعضا و حواس	زندگی کیا ہے۔ یہی کاوشِ انجامِ عمل
۵۳	موت سے کس کو رستگاری ہے	آج وہ۔ کل ہماری باری ہے
۵۴	پاس ہی پاس تھی جب موت کا پیغام آیا	میں نہ سمجھا۔ کہ یہ جینا مرے کس کام آیا
۵۵	اپنے خمخانے کا دروازہ کر دو بند اکبر	اب نہیں کوئی سوا موت کے آنیوالا
۵۶	زیست بیوقعت ہوئی ہے بے سرِ شوقِ زیست سے	موت حیراں ہے مرا مرنے سے ڈرنا دیکھ کر
۵۷	ہے موت میں ضرور کوئی رازِ دل نشیں	سب کچھ کے بعد کچھ بھی نہیں۔ یہ تو کچھ نہیں
۵۸	اجل آ پہنچی قبل اس کے کہ سمجھیں رازِ ہستی کا	بگاڑا موت نے اور یہ نہیں سمجھے بنے کیوں تھے
۵۹	جو عدم سے آگیا دنیا میں بولی ہنس کے موت	اور لو دو چار دن کے مہماں پیدا ہوئے
۶۰	آگئی جب موت پھر ہے حکمِ "لا یستاخرون"	وقت آ پہنچا تو اک ساعت کو ٹل سکتا نہیں
۶۱	ہے تفاوت بوریا و تخت میں "تا زندگی	موت کا قابو برابر ہے گدا و شاہ پر
۶۲	بڑے ناداں ہیں جو لوگ ڈرتے ہیں اسیر اس سے	اجل تو نام ہے اک زندگانی کے نگہباں کا
۶۳	عقل کر دیتی ہے انساں کی جہالت زائل	موت سے جان چھپانے کو سپر لیتا ہے
۶۴	میں ہوں کیا چیز دلا خاک نشیں مورِ ضعیف	کر دیا موت نے اورنگِ سلیماں خالی
۶۵	کر چکی تھی خلق میں رسوا جدائی یار کی	موت کی شفقت سے میرا راز پنہاں رہ گیا
۶۶	موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے	مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
۶۷	تو نے احسان کیا آن کے اے عزرائیل	مرگ اور زیست کے جھگڑے سے چھڑایا مجھ کو
۶۸	گلچیں کا رنگ تو نے اڑایا ہے اے اجل	وہ پھول چن لئے ہیں جو چیدہ تھے باغ میں
۶۹	اے موت چلی آ کہ اسی وقت نکل جائے	کانٹا سا جو ہر وقت کھٹکتا ہے جگر میں
۷۰	موت کا ایک دن معین ہے	نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

۷۰ کفن بھی ہو گیا میلا ادھر دیکھ تو ذرا اے موت — تمام عمر ہوئی کب تک انتظار کریں (رند)

۷۱ سزائے موت پاکر تجھ سے گو اے آسماں چھوٹے — زمیں کی قیدِ تنہائی سے لیکن ہم کہاں چھوٹے (مسیح)

۷۲ دشتِ غربت ہے کنجِ تنہائی — موت آئی بھی تو کہاں آئی (تسلیم)

۷۳ موت کا جھٹکا لگا ایسا کہ آنکھیں کھل گئیں — روبرو منظر ہے خوابِ زیست کی تعبیر کا (روشن)

۷۴ جا رہا ہوں بچا کے حوادث سے بچانی ہو تجھے — موت کہتے ہیں جسے ہے پایانِ زندگی (اکبر)

۷۵ کیا غم ہو مجھ کو موت کا ناں اے عروسِ فتح — جیتا ہوں میں کہ تجھ سے ہوا ہمکنار میں (حامد)

۷۶ کچھ ہوا بھر دی گئی ہے خاک کی تعمیر میں — موت ہنستی ہے میری ہستی کا ساماں دیکھ کر (جگر)

۷۷ کسی نے نہ اے موت ہم کو بتایا — کہاں سے ہم آئے کہاں جا رہے ہیں (〃)

۷۸ ہر کام کو ہے ہر وقت نے گھیرا — پر نہیں اے موت وقت مقرر تیرا

رُوح اور جسم کا تعلق

۱ عجب طرح کے دو عملے ہیں جان و جسم پھنسے — بتوں کے حکم میں تن حکمِ کردگار میں رُوح (ضیا)

۲ یہ کہکر جسم کا پشتارہ پھینکا روح نے آخر — مرے سر مفت کی آٹھوں پہر بیگار کیسی ہے (آتش)

۳ اِس مشقت سے خاک نہ ہوگا حاصل — رُوح کیوں جسم کی بیگار لئے پھرتی ہے (ظِل)

۴ رُوح کو آرام۔ آغوشِ بدن میں کیوں نہیں — یا خدا اخلاص اِس دُولہا دولہن میں کیوں نہیں

۵ تنِ خاکی میں دیکھا رُوح کو تو اک مُسافر ہے — گمانِ صاحبِ خانہ تھا جسے پر مہماں نکلا

۶ باعث سے رُوح کے یہ شرف قصرِ تن کو ہے — اُترا ہے اس مکان میں اِک مہمان عزیز (رند)

۷ رُوح بلبل ہو گی اِک دن قیدِ ہستی سے رہا — مُشتِ پر رہ جائینگے باقی کفِ صیاد میں

۸ طلسمِ کالبد میں ہے مقید رُوحِ انساں کی — نہیں اربع عناصر چار دیواری ہے زنداں کی

۹ جبتک ہے رُوح جسم میں چلتے ہیں ہاتھ پاؤں — دُولہا کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے

۱۰ قفس سے کم نہیں ہے رُوح کو تن بھر جانا ہے — یہ یوسف دیکھیئے کبتک رہے محبوس زنداں میں

۱۱ روح ہے ہر جسم میں مشتاقِ اخبارِ اجل
اس لئے یہ آمد و رفتِ نفس کی ڈاک ہے

۱۲ تنِ خاکی تیرا کیوں برباد ہو جاں کے نکلنے سے
شہر کی ساری آبادی قیام کارواں تک ہے

۱۳ مثلِ پری اسیر ہے مدت سے اس میں روح
یارب کہیں طلسمِ عناصر کا در کھلے

۱۴ نہ گھیرا چار دن کیواسطے آئے روح قالب میں
گیا جب اس مکاں سے پھر نہیں اسکا مکیں آیا

۱۵ چھوڑے خوشی سے قالبِ خاکی کو روح کیا
ویراں کرے مکان۔ ہوا یہ مکیں سے کب

۱۶ روح کہتی ہوئی نکلی ہے مرے اعضا سے
کیوں اب تو کوئی مرحلہ درپیش نہیں

۱۷ ہنگامِ نزع روح نے قالب سے یہ کہا
اس خاکدانِ تیرہ میں بے آبرو رہے

۱۸ راہِ ناکامی میں مثلِ گرد رہ جائیں گے ہم
قافلہ روحِ رواں کا جب رواں ہو جائیگا

۱۹ نکل کے تن سے دکھا دیگی اپنے جوہر روح
کھلیگا مطلبِ خط۔ جبکہ ہوگا عنواں چاک

۲۰ دیکھئے ہوتی ہے کب راہیٔ شوقِ ملکِ عدم
خانۂ تن سے ہماری روح گھبرائی ہوئی

۲۱ اِک سِل ہے کلیجے پہ نہیں روح بدن میں
چھاتی کا پہاڑ آہ یہ ٹل جائے تو اچھا

۲۲ قصرِ تن سا بھی نہ دلچسپ کوئی گھر ہوگا
روح مہماں اسے کرتی ہے بمشکل خالی

۲۳ روح کو قالب میں آنے سے بڑا انکار تھا
یہ نہ سمجھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائیگی

۲۴ دوستی نبھتی نہیں ہرگز فرومایہ کے ساتھ
روح جنت کو گئی جسمِ گِلی یاں رہ گیا

۲۵ نہ کیوں لطیف کو ہوتی کثیف سے نفرت
کہ روح کو تنِ خاکی غبارِ دامن تھا

۲۶ دل سے رخصت ہوئی یہ کہہ کے شبِ ہجر میں روح
گھر میں راحت ہو تو نوبت نہ سفر تک پہنچے

۲۷ عدم کو روح گیا۔ رہ گیا تنِ خاکی
پہنچ سکے نہ پیادہ کبھی سوار کے ساتھ

۲۸ امانت روح کی چھنوا کے عزرائیل سے تونے
ہمارے نام کو لکھوا دیا بے اعتباروں میں

۲۹ گئی عدم کو سبکدوش روح صورتِ مار
یہیں رہا یہ گِلی جسم۔ کینچلی کی طرح

۳۰ روح کی خواہش ہے دم بھر بھی نہ ٹھہرے اِسجگہ
کیا کرے یہ جسمِ خاکی اس کا زنداں ہو گیا

۳۱ بحرِ فنا میں مجھ سے بے سائل زیاں موج
بے روح جسم میں کہ ہوا ہے حباب میں

یہ درائے دل نالاں سے صدا آتی ہے ۔۔۔ ناقۂ رُوح کو ہے جسم کا محمل بھاری

بولی یہ رُوح پھینک کے پشتارہ جسم کا ۔۔۔ بھاری ہے بوجھ۔ کون یہ بیگار لے چلے — آتش

خاک کا پشتارہ دوشِ رُوح سے اترا کہیں ۔۔۔ یا الٰہی ہے وبال اب بوجھ اس مزدور پر

جاں کو رُوح پہنچی۔ لاش آئی کوئے قاتل میں ۔۔۔ پئے تسکینِ یاراں رہ گیا خالی مزار اپنا

تنگ آکر جسم کو آپ رُوح چھوڑا چاہیئے ۔۔۔ طفل طبعوں کے لئے مٹی کا گھوڑا چاہیئے — ،،

یہ زندانِ تن ہے رُوحِ صافی کیوں نہ گھبرائے ۔۔۔ ملک کو کس طرح خوش آئے مسکن چاہِ بابل کا — گویا

طائرِ جاں کو پرِ پرواز ہے یہ قیدِ تن ۔۔۔ ہم لیئے پھرتے ہیں اپنے ساتھ زنداں کیا کریں — اثر

جسم کو جانتے ہیں صنعتِ دستِ قدرت ۔۔۔ رُوح کو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امرِ رب ہے — آتش

رُوح کرتی ہے سفر یوں جسمِ انساں چھوڑ کر ۔۔۔ نکہتِ گل جیسے جاتی ہے گلستاں چھوڑ کر — آباد

چشمِ تر سے کانپتی ہے قالبِ خاکی میں رُوح ۔۔۔ کس طرح کشتی نشیں کو ڈر نہ ہو گرداب کا — آتش

کہا یہ رُوح نے تن سے وداع ہوتے وقت ۔۔۔ مرا اسلام ہے اب میں تری نہ تو میرا — شاد

رُوح نے خاک کے پتلے کو حقیقت دی ہے ۔۔۔ یہ ہوا کاش بشر میں نہ سمائی ہوتی — رند

رُوح نے چھوڑا بدن کو تو عجب اسکا نہ جان ۔۔۔ لے نہیں چلتے سبک رو ساتھ اپنے یار کو

اے اجل دی تو نے بارِ جسم سے آکر نجات ۔۔۔ کب سے میری پیٹھ پر یہ خاک کا پشتارہ تھا — ناسخ

دیکھیئے ہلکا ہو کب دستِ قضا سے بارِ دوش ۔۔۔ رُوح کو بھاری نہایت جسم پر ملبوس ہے — آباد

رنج ہوتا ہے جہاں میں صحبتِ ناجنس سے ۔۔۔ جسم میں جبتک رہیگی رُوح بے آرام ہے — برق

جسم کو چھوڑا نہیں میں نے وطن آیا قریب ۔۔۔ رُوح نے اپنے بدن سے گردِ غربت دُور کی — ناسخ

بگڑ گیا جو نکلتے ہی رُوح کا نقشہ ۔۔۔ طلسم تھا کوئی یا اپنا خانۂ تن تھا۔ — آباد

رُوح کو خاک ہوا اس جسم کی تعمیر پسند ۔۔۔ کوئی قیدی نہ کرے خانۂ زنجیر پسند — جرار

ایسی گئی کہ پھر کے بھی دیکھا نہ اس طرف ۔۔۔ گویا بدن سے رُوح کبھی آشنا نہ تھی — رند

کیونکر نظر پڑے تنِ خاکی میں شکلِ رُوح ۔۔۔ صورت سوار کی ہے نہاں۔ گرد راہ میں

۵۳ بیکار ہے بے رُوح کے یہ پیکرِ خاکی | عزّ و شرف و رتبہ مکیں تک ہے مکاں
۵۴ اِک دن نفاق ہوویگا باہم۔ یقین ہے | ہے اس قدر موافقتِ رُوح و تن عبث
۵۵ مٹی جب تاب و طاقت۔ رُوح کیونکر جسم میں ٹھہرے | شکستِ بادشہ ہے فوج نے جب مورچہ چھوڑا
۵۶ تاب و طاقت چل بسینگے رُوح سے بھی پیشتر | پہلے یوسف سے روانہ قافلہ ہو جائے گا

۵۷ بدن سے رُوح کھینچتی ہے ہوئی جاتی ہیں بند آنکھیں
یہی کانٹا کھٹکتا تھا۔ جواب نکلا ہے مشکل سے

۵۸ ہمرہی رُوحِ رواں کی تنِ خاکی نے نہ کی | ساتھ یوسف کے زمانہ سے یہ زنداں نہ گیا
۵۹ جب بہت تنگیِ قصرِ تن سے گھبراتی ہے رُوح | صورتِ موجِ ہوا جھٹ پٹ نکل جاتی ہے رُوح
۶۰ نہ رُوح کا ہے بھروسہ نہ اعتبارِ بدن | ہوا حباب میں ہے یا حباب شیشے میں
۶۱ کب رُوح کو فنا ہے بدن کی فنا کے ساتھ | پِستا کہاں ہے رنگِ حنا کا حنا کے ساتھ
۶۲ بے ارادہ طے ہوئی جاتی ہے یاں راہِ عدم | طائرِ رُوحِ رواں کو کچھ نہیں درکار پَر
۶۳ پھنسی جسمِ خاکی میں رُوحِ لطیف | اسیرِ کمندِ ہوا ہو گئی
۶۴ پَری ہے حُور ہے یا رُوح قصرِ جسم میں ہے | بشر ہوں میں نہیں پردے کے حال سے واقف
۶۵ خوشا قسمت کہ پائی رُوح نے دم بھر میں آزادی | مبارک وہ گھڑی تھی جب قدم رکھا تھا زنداں میں
۶۶ جسم تو خاک میں مِل جاتے ہوئے دیکھتے ہیں | رُوح کیا جانے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے
۶۷ وہی چاہیگا تو اس سے یہ چھٹیگی آتش | حُکمِ اللہ نے ہے رُوح کو تن دکھلایا
۶۸ نہ ہوگا ہمسفر رُوحِ پیکرِ خاکی | یہ سُوئے ارض رواں ہوگا وہ سما کی طرف
۶۹ لذّت ہے رُوح کو تنِ خاکی سے میل میں | فطرت نے مست رکھا ہے قیدی کو جیل میں
۷۰ عزیز رُوح کے دم تک ہے کالبدِ گِل کا | خراب حال ہے بے مغز جب ہوا چھلکا
۷۱ اُداس قالبِ خاکی میں رُوح رہتی ہے | مکاں سے تنگ ہے مشتاق لامکاں ہوتا
۷۲ سہل چھٹنا نہیں اس راحتِ جاں کا آتش | رُوح قالب میں ہے مشکل سے جدائی ہوتی

،، ترک کرنا پڑا تن کا ہے یہاں ترک لباس — روح کو قالب سے آزادی ہے آزادی مجھے

،، باعثِ جسم ہوئی روح ہی کا حوصلہ تھا — کیونکہ نافہ ہو تو اس پہ ہے یہ محمل بھاری — جوش

،، چھوٹ کر روح سے اپنے ہو پریشاں حال روح — بھول کر گھر کو تباہی ہیں کبوتر ہو گیا — ،،

،، ہو کرے گی نہیں روح نکل کر تن سے — پھر نہ ہوگا یہ گھر آباد یہ ویراں ہوگا

،، نفرت آتی نہیں ہوگی مجھی عوض اس کا نہ سمجھ — روح کو جسم کے چھٹنے میں جو ایذا ہووے

،، روح واصل ہو چکے جسمِ مثالی ہیں کہیں — پاک ہو قصہ طلسمِ آب و گل مسمار ہو

،، زندہ تو وہ ہے اور نیر ہے مردہ آئینے — بوجھ در شانہ جسم کا کم ہے نفس کے بوجھ سے

،، نفس کی آمد و شد کا یہ حاصل میں نہ سمجھا تھا — کہ اس کی ذات سے گل میری شمعِ زندگی ہوگی

،، روح کو خاک کے دامن میں لیے بیٹھا ہوں — میرا قالب ہی حقیقت میں ہے مدفن میرا

،، روح و تن نے مل کے خود رکھی تھی بنیادِ وصال — یہ خبر کیا تھی فراقِ روح و تن ہو جائے گا

،، رفتہ رفتہ روح دنیا کے مزے میں پڑ گئی — دیکھیے کب راہ پر آتا ہے بھولا راہ کا

،، رہائی روح کی ہے جسم کے زنداں کی بربادی — یہ طائر جب ہوا آزاد تو سمجھو قفس ٹوٹا — اظہر

،، روح جب رخصت ہوئی سمجھا میں اپنے جسم کو — ماہِ کنعاں چھپ گیا خالی یہ زنداں رہ گیا — ناسخ

،، منزلِ راہِ فنا میں تن کو چھوڑا روح نے — ہے ضرورت کب مسافر ساتھ لے اسباب کو

،، ہوتی اگر نہ روح تو تھا خاک جسم میں — آئی دولھن جو گھر میں تو آباد گھر ہوا — امیر

،، اجل آئے تو جان و جسم کی آویزشیں چھوٹیں — اسی ثالث سے یہ مدت کا جھگڑا پاک ہونا تھا — مسیح

،، وہ بھی غرقِ معرفت یہ محوِ ماومن میں تھا — عینِ قربت پر بھی کتنا بُعد روح و تن میں تھا — جگر

،، غبارِ راہ ہم سمجھیں نہ کیونکر جسمِ خاکی کو — رگِ جاں توسنِ عمرِ رواں کو تازیانہ ہے — راسخ

،، نکلنا روح کا اے قالبِ خاکی نہیں آساں — بڑی دقت سے آئی ہے بڑی مشکل سے نکلے گی — جگر

بالیں پہ سب ہیں جمع مرے دیکھتی ہے کیا
اے روح یوں نکل کہ تماشہ کہیں جسے — سعدی

کفن

1. عالم اسباب سے حاصل ہوا آخر کفن — چلتے چلتے آسماں سے ہم بھی خلعت لے گئے
2. عدم کا رہرو اب راستے میں رُک نہیں سکتا — کفن پہنا۔ کہ پروانہ ملا شہرِ خموشاں کا
3. قطع کر رکھیو کفن اپنے لئے اے آسماں — ہو نہ ہنگامِ سفر۔ رخصتِ سفر کا انتظار
4. سمجھ کر موج دریائے فنا کو خنجرِ برّاں — کفن مثلِ حباب آ ذوق ہم نے سر سے باندھا
5. خوشی نے رنج کا پہلو نہ چھوڑا نامرادی میں — کفن بھی آ کے شامل ہو گیا سامانِ شادی میں
6. تکلیفِ کفن دُونگا نہ میں اہلِ وطن کو — ہووے گا میرا سامنا جنگل میں قضا سے
7. جو ہُوا دنیا میں پیدا فی الحقیقت مر گیا — آدمی کو جامۂ ہستی کفن سے کم نہیں
8. لاحاصل و بیفائدہ ہے تیری مشقّت — پائے گا نہ دو گز سے کفن اور زیادہ
9. رکھا ہے امانت کی طرح مجھ کو زمیں نے — میلا ہی نہیں ہونے دیا تارِ کفن اب تک
10. خلعت کی کیا امید رکھیں آسماں سے ہم — اِس نے تو داب رکھا ہے اپنا کفن ہنوز
11. خوشی ہوتے ہیں ناداں پہن کر کمخواب کا جوڑا — کفن ہے عاقبت اِس عالمِ اسباب کا جوڑا
12. مارا تھا کس لباس میں عُریانی نے مجھے — جس سے تہِ زمین بھی میں بے کفن گیا
13. خود کاٹ کر گلا ہمیں مرنا تھا اے اجل — میلا کیا دھرے دھرے اپنا کفن عبث
14. آسماں ناحق کفن تو نے دیا مرنے کے بعد — تہمتِ خلعت لگی مجھ عورِ مادر زاد پر
15. مٹی مری خراب نہ کر گاڑ چُک کہیں — دو گز کفن تو مجھ سے نہ کر آسماں عزیز
16. اے فلک رہنے دے عریاں ہی پسِ مرگ بھی تو — سونپتا کیا ہے کفن۔ وزر کا اسباب مجھے
17. پُوچھئے ان سے کفن کو بھی بدل سکیئے گا؟ — روز پوشاک پہنتے ہیں جو سردار نئی
18. جب نہایا میں تو آیا غسلِ میّت کا خیال — قطع جب ہونے لگے کپڑے کفن یاد آگیا
19. نہیں آتا جو وہ قاتل۔ تو اجل ہی آئے — کب سے پاس اپنے لئے اپنا کفن بیٹھے ہیں

رہتا ہے کیا جو آتش مرتے ہیں اہلِ دُنیا
اُبھرے ہے کیا حباب نمط اے حریر پوش
عالمِ اسباب کے اسباب کا خواہاں نہیں
جائیگا چوری کفن بھی بعدِ مُردن گور سے
ہم نے شادی میں بھی ماتم نہ فراموش کیا
رکھ دیں لحد میں لاش۔ تردّد فضول ہے
ڈھانپا کفن نے داغِ عیُوبِ برہنگی
کفِ افسوس کے ملنے کو کفن سے ناسخ
کھولے ہوئے ہوں ہاتھ جہاں سے بوقتِ کُوچ
ہستی سے جاؤں بے سروپا جانبِ عدم
مثلِ گل اپنا ہی جامہ ہو لباسِ آخرت
ہرگز نہ رکھ فلک سے عنایت کی چشمداشت
خُدا کے واسطے اے آسماں حوالے کر
تکیہ میں آدمی کو لازم کفن ہے رکھنا
دامانِ دشت کی ہے سکندر کو آرزو
آمد آمد کی اطبا۔ کی جو سُنتے ہیں خبر
گور میں رکھ کر عزیز و آشنا رخصت ہوئے
نہ مارے حق کسی کو کر کے مفلس۔ وائے رسوائی
کفن دیا ہے مجھے میری بے قراری نے
در سوختن آمد پر پروانہ بکارش
ہلا نہ بعدِ فنا اور کچھ سوائے کفن

آتش اِک دو وجب زمین پہ اِس یکدو گز کفن پر
یاں جسکو دیکھئے سو ہُوا ہے کفن بدوش
رند آسماں لیلے کفن مجھ عُورِ مادر زاد کا
رند حِصّۂ رہزن۔ مرا رختِ سفر ہو جائے گا
״ پہنی پوشاک مکلّف تو کفن یاد آیا
״ دیتے ہیں مجھ شہید کو غسل و کفن عبث
غالب ہیں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا
ناسخ نکلے تھے بعدِ فنا۔ دستِ سکندر باہر
لپٹی ہوئی کفن میں کوئی آرزو نہ ہو
اندر کفن کے سر ہو نہ اندر کفن کے پاؤں
اے فلک ہمکو نہیں تجھ سے کفن کی آرزو
رند خلعت سمجھہ کفن کا اگر چیتھڑا ملے
دھرے دھرے نہ کہیں ہو مرا کفن مٹی
بیٹھا رہے مسافر رختِ سفر سنبھالے
باہر کفن سے ہاتھ نہیں بے سبب رہے
مُنہ کو لیتے ہیں کفن سے تیرے بیمار لپیٹ
آج میں تنہا کفن میں مُنہ چھپا کر رہ گیا
جہاں کو تنہ ہُوا کپڑا کفن کا وہ کفن بگڑا
کہ رہگیا تنِ لاغر لپٹ کے بستر میں
چوں جامۂ مفلس کہ پس از مرگ کفن شد
فصاحت جیسے سمجھتے تھے ہم مال۔ کوئی مال نہ تھا

۴۱	ملا جہاں سے کچھ نہ ملا ہم کو جز کفن	دنیا میں کھینچ لائی ہمیں پیرہن کی یا
۴۲	عُریاں مجھ کو محض نہ کر کچھ خدا سے ڈر	چادر تو اے فلک کوئی میرے کفن کو
۴۳	رکھ دیں برہنہ گور میں اہلِ جہاں مجھے	دس گز کفن قبول نہیں روزگار سے
۴۴	کفن دینے میں کیا تکرار ہے بیکس کے مُردے کو	مُوا جاتا ہے کیوں چرخِ دُنی دو گز کی چادر
۴۵	خلعت پہن کے آنے کی تھی گھر میں آرزو	یہ حوصلہ بھی گور و کفن سے نکل گیا
۴۶	موئے جو پیشتر مرنے سے وہ لوگ	کفن سمجھے قبائے زندگانی
۴۷	یکرنگ تھے وہ ہم کہ دورنگی نہ کی پسند	پہنا کفن تو جامۂ ہستی اُتار کے
۴۸	مر کے جب پہنا کفن سمجھے یہ ہم	زیبِ تن کپڑے کیے دربار کے
۴۹	فنا کے بعد بھی ہے احتیاجِ خلعتِ نو	ضرورتِ کفن اب بھی ہے تجھ کو تن پرو
۵۰	نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی	جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھ
۵۱	کفن خلعت ہے میں دُولہا جنازہ تختِ دامادی	براتی نوحہ گر ہمراہ ہیں شہنا نوازی کو
۵۲	خاک میں وہ آج مرتے ہیں کفن پہنے ہوئے	کل معطر جن کے بر میں خلعتِ شاہانہ تھا
۵۳	منہ چھپا لیتا ہے عصیاں سے کفن میں اپنا	مر کے بھی ہوتی ہے انسان کو ندامت کیسی
۵۴	جاتا ہوں تہیدست سوئے مُلکِ عدم میں	ہے کوئی جو کچھ باندھ دے۔ دامانِ کفن میں
۵۵	وحشت کفن کو دیکھ کے کہتی ہے اس طرح	اچھا لباس ہے کہ کہیں آستیں نہیں
۵۶	مُنہ کفن میں جو چھپائے ہوئے ہم جاتے ہیں	ملکِ ہستی سے خجل سُوئے عدم جاتے ہیں

قضا

ممکن نہیں کہ حرفِ قضا ہو جبیں سے دُور	جب نقش ہو چکا نہیں ہوتا نگیں سے دُور
قلعۂ آہن بناؤں کیا برائے حفظِ جاں	ایک دن بچنا نہیں ممکن قضا کے ہاتھ سے
قضا آتی ہے ہر انسان کی وقتِ معیّن پر	مقاموں پر ٹھکانے ہیں بندھے کشتی کے لنگر کے

۴	قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر	کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں	اکبر
۵	سُلائیگی قضا گہوارۂ مرقد میں لیجا کر	پئے تیمار یہ دایہ مرے بالیں پہ آئی ہے	
۶	میں اُسے بھولا ہوا ہوں۔ وہ مجھے بھولی نہیں	میں تو غافل ہوں قضا سے پر نہیں غافل قضا	آتش
۷	حِطِ فرمانِ قضا سے آدمی مجبور ہے	ہے یہ مُشتِ خاک پر ہر حال میں مجبور ہے	عزیز
۸	پاس اپنے۔ وعدہ کے اُوپر سمجھتا ہوں اُسے	دُور ہو۔ ہر چند مجھ سے سینکڑوں منزل قضا	
۹	نفس کی آمد و شد ہے نمازِ اہلِ حیات	جو یہ قضا ہو تو اے غافلو قضا سمجھو	ذوق
۱۰	لائی حیات آئے۔ قضا لے چلی چلے	اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے	〃
۱۱	بے قضا کے نہیں ہوتا ہے کوئی پیوندِ زمین	روکیں ہاتھوں سے فرشتے جو گریں بام سے ہم	رند
۱۲	تھکے ہارے مسافر پر قضا تجھ کو بھی رحم آیا	کہ خوابِ مرگ میں کیفیتِ خوابِ گراں کہدی	
۱۳	اِس موجِ خیز دہر میں ہم کو قضا نے آہ	پانی کے بلبلے کی طرح سے مِٹا دیا	
۱۴	دوست ہی جب دشمنِ جاں ہو تو کیا معلوم ہو	آدمی کو کس طرح اپنی قضا معلوم ہو	آتش
۱۵	بیزار ہوں دَوا سے نہ دینا دَوا مجھے	سمجھوں میں زندگی۔ اگر آئے قضا مجھے	مائل
۱۶	مرنے والے نے جان دیدی	کیا کان میں کہہ دیا قضا نے	
۱۷	ہو جا فنا سے پہلے فنا ذاتِ پاک میں	مرنے سے پہلے مر کے خیالِ قضا کو چھوڑ	
۱۸	قضا لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے	یہ ہوش باش کہ عالم رَوا رَوی پر ہے	
۱۹	حُسن دیکھے نہ حسینوں کی جوانی دیکھے	کیسی بیرحم الٰہی یہ قضا ہوتی ہے	
۲۰	لسانِ دانۂ تسبیح جس کو ہو سَدا گردش	قضا کے ہاتھ پھر کیونکر نہ اُس کا فیصلہ ٹھیرے	
۲۱	مقتضی تیری جہالت کا ہے۔ لیتا ہے جو آڑ	روکے۔ جو تیغِ قضا ایسی سپر (ڈھال) ملتی نہیں	
۲۲	لاتی ہے واں قضا و قدر مرغِ رُوح کو	پانی جہاں قفس کا ہے دانہ ہے جال کا	آتش
۲۳	تیغِ قضا سے جبکہ نہ دیکھا کہیں بچاؤ	باہر کھڑا میں قلعۂ فولاد سے ہوا	〃
۲۴	اختیاری حرکت جان نہ مجبوروں کی	لئے جاتی ہے جدھر ہم کو قضا۔ جاتے ہیں	〃

۲۵ طفل جب چلتے ہیں اپنے پاؤں کہتی ہے قضا ۔۔۔ غیر آغوشِ لحد اب دامنِ مادر نہیں

۲۶ کرتا ہے انسانِ فانی پیدا جو کچھ دہر میں ۔۔۔ نیست وُہ اور خود وہ مرہونِ قضا ہو جائیگا

۲۷ کاڑہے قضا بغل میں ہے دشمن۔ کہ مرغ کو ۔۔۔ لاوے ہے شاخ سے پر پرواز دام میں

۲۸ آخر ہوا نصیب نہ گور و کفن مجھے ۔۔۔ مارا قضا نے کر کے غریب الوطن مجھے

۲۹ مرتا ہے خوف سے کیوں۔ کیوں جان ہے چراتا ۔۔۔ پیوندِ خاک ہوئیگا۔ کیوں بے قضا کے آئے

۳۰ نازِ قاتل پر فدا ہوگا نیازِ زندگی ۔۔۔ جب قضا ہوگی۔ ادا ہوگی۔ نمازِ زندگی

۳۱ قضا لے آئی ہے اہلِ قبور مجھ کو بھی ۔۔۔ جگہ دو تھوڑی سی یارو۔ ذرا ذرا سرکو

۳۲ آئی قضا تو ڈھونڈتی ناحق رہی مجھے ۔۔۔ میں تو کسی کی یاد میں۔ دنیا سے دُور تھا

۳۳ یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے ۔۔۔ قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہئے

۳۴ اپنے ہی ہاتھ سے سر کاٹوں گا اپنا ایکدن ۔۔۔ کون بیٹھا رہے پابندِ قضا کا ہوکر

۳۵ قضا ہنستی ہے ہم پہ۔ ہنستے ہیں جب ہم ۔۔۔ تو پھر ایسے ہنسنے سے رونا ہی اچھا

۳۶ دشمن ہزار وار کرے گر نہ ہو قضا ۔۔۔ تن پر پڑے نہ ایک بھی تیغ دو دم سے خط

۳۷ لحد میں سوئے ہیں چھوڑ کے شہ نشینوں کو ۔۔۔ قضا کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو

۳۸ یاں تو شوقِ سیرِ گلشن تھا دلِ شدّاد میں ۔۔۔ تھی وہاں در پہ قضا فکرِ مبارک باد میں

۳۹ یاد رکھ غافل تجھے اک روز فنا کردیگی ۔۔۔ جان دھوکا ہے اسے مُہلت جو قضا دیتی ہے

۴۰ سارے عالم میں پھرے ہم نہ ملی امن کی جا ۔۔۔ پہنچے جس شہر میں دیکھا کہ قضا ہے سر پر

۴۱ کوئی مرض ہو یا سبب موت کے سو بہانے ہیں ۔۔۔ اِس کی کسی کو کیا خبر آئیگی یُوں قضا کہ یُوں

۴۲ جو مر جاؤں تو لوحِ قبر پر میری یہ کھُدوانا ۔۔۔ مؤا یہ دردِ فرقت سے قضا کا اِک بہانہ تھا

۴۳ یارانِ رفتہ بات کا دیتے نہیں جواب ۔۔۔ کیا کہدیا قضا نے کہ خاموش ہو گئے

۴۴ آئیگی اُن کے آس نہ آئیگی آج پاس ۔۔۔ کرتی ہے ناز ہم سے قضا اور قضا سے ہم

۴۵ کی قضائے سر ہم نے زندگی کی غمخواری ۔۔۔ درد کی دوا پہنچی دردِ بے دوا ہو کر

کوئی دم اور بھی دیدار صنم دیکھنے دے | مہلت اے حضرت دل اتنی قضا سے مانگو | ظفر
قضا سر پر کھڑی تھی اور مسیحا بیٹھے بالیں پر | پھر ایسے وقت میں مرنا نہ مشکل تھا نہ آساں تھا | باسط
قضا آتے ہی کھانا تھا نہ پینا تھا نہ چلنا تھا | خدا کی شان عادت عمر بھر کی ناگہاں چھوٹے | مسیح
نہ پہنچا کوئی اپنے پاس پہنچا جبکہ وقت اپنا | قضا کو آفریں ہے وقت پر پہنچی تو یہ پہنچی | ظفر
الٰہی مر چکوں جھگڑا ابھی چھوٹے | کہیں آسان ہو مشکل قضا کی | امیر
یقین ہوا جو گرا دانت کوئی پیری میں | کہ آج کھل گئی کھڑکی قضا کے آنے کی | ،،
خاموش چلے جاتے ہیں دنیا سے ہزار اہل | کیا جانے کیا کہدیا چپکے سے قضا نے | ،،
موج نفس کی پینگیں لیجائینگی عدم تک | عمر رواں ہماری گہوارۂ قضا ہے | وکری
بجا ہے اضطراب روح وقت نزع اے اصغر | کیا ہے یاد حاکم نے۔ بلانے کو قضا آئی | اصغر
آگئی آخر قضا جانا پڑا | کیا کروں مردہ بدست زندہ ہوں | اختر
قضا جب آئی تو ہم کو یہ ہو گیا معلوم | وفائے عہد کی اک شرط تھی حیات نہ تھی | تسکین
جوانی جاچکی۔ سینے میں دل بھی مر چکا میرا | رہا کیا مجھ میں اب کیا دیکھتی ہے منہ قضا میرا | صفدر
رکھا ہے مجھے سوگ میں رہنے کو خدا نے | گھر دیکھ لیا ہے میرا بیدرد قضا نے
قضا نے میری ہر مشکل کو آساں کر دیا آکر | جو نکلی روح تن سے پھر نہ حسرت تھی نہ ارماں تھا | نذیر

گور

گور میں ہمکو سلایا یوں عروس مرگ نے | جسطرح سوتا ہے دولہا رات کا جاگا ہوا | جرار
ساحل مقصود دیکھا۔ میں نے جاکر گور میں | ڈوبنا کشتیٔ تن کو۔ مژدہ تھا پایاب کا | آتش
مژدہ دیگر گور میں کہتے ہیں یہ ہم سے ملک | منزل مقصود کو پہنچے۔ ہوئی راحت نصیب
تمامی عمر کی ہے۔ سامنے ہے گور کی منزل | سفر آخر ہوا۔ وقت آگیا قطع مسافت کا | جرار
میں جو نوشہ تو وہ بن جائیگی آغوش عروس | گور سے آئیگی شہنا کی صدا میرے بعد

۶ سلاکر گور میں مجھ کو مرے احباب کہتے ہیں
شریعت ہم بجا لائے ہیں اب تو …

۷ ساحلِ دریائے ہستی ہے کنارہ گور کا
کشتئ تن کے لئے یہی بادبان …

۸ اشتیاقِ گور میں دیتی ہے ایذا طولِ عمر
منزلِ مقصود کی دوری سفر میں …

۹ بلائے عشق سے بھاگوں نہ کیونکر گور کی جانب
برائے طفلِ ترسیدہ پناہ آغوشِ مادر …

۱۰ جامۂ تن ہوگیا راہِ عدم میں نذرِ گور
بوجھ اٹھایا تھا مگر ٹھگ کیلئے اسباب …

۱۱ پہلی منزل گور ہے اور اس میں منزل ہی نہیں
کیا ہے دنیا سے سفر بے سرے سفر کے سا…

۱۲ خانۂ شادی کا شک ہوتا ہے مجھ کو گور پر
جاتے ہیں اس گھر میں کپڑے پہنکر مہمان …

۱۳ تا روزِ حشر جل کے نکلتا نہیں کوئی
دنیا میں بس پسند ہے مجھ کو مکانِ گو…

۱۴ طالبِ مرگ ہو خواہاں ہے اگر راحت کا
گوشۂ امن کوئی اور بجز گور نہیں

۱۵ جیتے جی رنج میں تھا چین سے سویا پسِ مرگ
دامنِ دایہ ہوا گور کا آغوش مجھے

۱۶ مٹی مری عزیز ہوئی یار سے خاک کو
کیا گور نے بغل میں لیا مجھ کو پیار سے

۱۷ ہوا تھا صحبتِ اہلِ جہاں سے ہو کر تنگ
جگہ دی گور نے مجھ کو فشار کے بدلے

۱۸ ہے نا واقفِ راہ پہلے ہے رہبر موجود
گور سے آگے قدم دیکھو عصا نے رکھا

۱۹ مرنے کے بعد گور میں حرص و طلب محال
پھیلا کے پاؤں ہاتھ بڑھایا نہ جائے گا

۲۰ نہ چھوڑیگا کسی کو آسماں یے گور میں بھیجے
سمجھ زیرِ زمیں اس کو جو بالائے زمیں آیا

۲۱ تنہا تو اپنی گور میں رہتے پہ بعدِ مرگ
مت اضطراب کر تو کہ عالم ہے زیرِ خاک

۲۲ مجبور ہیں نہیں تو اندھیرے میں گور کے
مردے جلائیں بیچ کے اپنا کفن چراغ

۲۳ گورِ اسکندر پہ دیکھا ہم نے یہ مصرع رقم
کام کچھ آتی نہیں ہے شوکتِ شاہانہ آج

۲۴ آتی ہے یہ ہر ایک لبِ گور سے صدا
فکرِ مآل خاطرِ انساں سے دور ہے

۲۵ جان کرتی ہے لبوں کی راہ سے جانے کا قصد
گور نے کھولا مری خاطر دہن جاتا ہوں میں

۲۶ دانت ہلتے ہیں ہوئے ہیں مو سر سارے سفید
گور ہنستی ہے سمجھ کر مجھ کو شایان مرگ کا

جو کچھ عذاب زیر زمیں ہو۔ عجب نہیں ساتھ اپنے گور میں بھی ہمارے عمل چلے

عذاب گور کا یاں۔ سامنا واں رنج دنیا کا نہ گھر میں چین زندوں کو نہ مُردوں کو ہے مدفن میں

میسر شامیانہ ہے نہ اُن کی گور کو چادر کیا تھا جمع جن لوگوں نے اسباب جہاں برسوں

منزلِ گور میں منعم کے نہ زر کام آیا لیگیا خاک نہ۔ صندوق میں بھر کر توڑے

لاکھوں ہی نامور ہوئے دنیا میں بے نشاں اِک گور میں ہیں کتنے سکندر بھرے ہوئے

بغلِ گور میں تنہا وہ پڑے سوتے ہیں جنکو آغوش سے کرتی تھی نہ مادر باہر — رند

سونپا زمین کو مجھ کو میرے پردہ پوش نے پیوندِ خاک ہو گیا میں عیب ڈھک گیا — رند

قیدِ خودی سے چھوٹ گئے جا کے گور میں آتش ملا ہے گنبدِ گردوں کا در کہاں — آتش

گورِ اسکندر پہ دیکھا ہم نے یہ مصرع رقم کام کچھ آتی نہیں ہے شوکتِ شاہانہ آج — جرأت

قبر کی چاہیئے تعمیر۔ مکان کے بدلے وہ خردمند ہے جو گور کو مسکن سمجھا — آباد

جس جگہ تھے قصر و منزل بن گئیں گوریں تمام شہر جو آباد تھے شہرِ خموشاں ہو گئے — ناسخ

عبث ایواں میں منعم شمع کافوری جلاتا ہے تجھے کچھ گورِ تیرہ کا گڑھا بھی یاد آتا ہے — رند

گنہ ثواب سے تبدیل ہونگے مومن کے ملیگی گور میں راحت عذاب کے بدلے

خشت رکھ کر زیر سر سوتا ہے خاکِ گور پہ صاحبِ مسند ہو تو یا صاحبِ سجادہ ہو

ہوئی سیری نہ کچھ اب تک زمیں کا پیٹ خالی ہے دہانِ گور کے لقمے ہوئے پیر و جواں کیسے — جرأت

گڑھے میں گور کے پھینک آئے اقربا مجھ کو سلوک خاک کیا۔ سر کا بوجھ اتار آئے — امیر

مجلسِ گورِ غریباں نہیں رہتی خالی روز آ رہتے ہیں اس میں مہماں دو چار — امیر

دہانِ گور سے آواز یہ کانوں میں آتی ہے نہیں ہے کام اس گھر میں کسی ناخواندہ مہماں کا — ر

مُردوں کے نام سے بھی کوئی آشنا نہیں کیا فائدہ۔ رہا جو ہمیشہ نشانِ گور — ناسخ

گو مرا تابوت یاروں کو وبالِ دوش ہے گور تو میرے لئے کھولے ہوئے آغوش ہے — ناسخ

ہو یقیں سے مجھ کو اجل رہنے نہ دیگی غافل قصد کر قصر کی جا گور کی تیاری کا — آباد

۴۸ جسم خاکی ہوگیا داخل گڑھے میں گور کے
کھنچ گئی آخر یہ کشتی جذبہ گرداب سے

۴۹ پھر گیا آنکھوں میں آتش گورِ تیرہ کا گڑھا
خاک اُڑائی میں نے جب سوچا مآل کار کو

۵۰ عذاب گور ہے دُنیا کے رنج سے بدتر
سوائے خدا کے کرم کے کہیں پناہ نہیں

۵۱ گور کی مردہ پسندی ہوئی ظاہر مجھکو
مُردے کی طرح نہ زندوں کو ہم آغوش کیا

۵۲ ہستی نے بھلایا ہے مجھے گور کا رستہ
اے مرگ بتا دے تو پتہ میرے مکاں کا

۵۳ دیتے ہیں درسِ گریہ یہ خاموش مقبرے
ہنسئے نہ آکے گورِ غریباں کے آس پاس

۵۴ بستے ہیں کیسے کیسے ذی شرف گورِ غریباں میں
بڑے بیدرد ہیں بستی کو جو ویرانہ کہتے ہیں

۵۵ دیکھ کر گورِ غریباں ہوگیا سکتہ مجھے
واہ رے بستی کہ ہے آباد بھی برباد بھی

۵۶ منزلِ گور۔ اب مجھے اے آسماں درکار ہے
مردم بیمار کو نقل مکاں درکار ہے

۵۷ دِل مرا کیونکر ہو غافل گور سے
گھر نظر آتا ہے اپنا دُور سے

۵۸ ہم تہیدست لبِ گور تو پہنچے پر یوں
جس طرح لُٹ کے مسافر سرِ منزل آئے

۵۹ منزلِ گور میں وصال ہُوا
گوشہ میں چھپ کے ہوگیا مطلب

۶۰ پہنتے ہی کفن میلا ہوا جاتا ہے اے آتش
سرائے گور ویراں ہے اُسے آباد کرتے ہیں

۶۱ عدم پہنچائیگا شوق اس کمر کا مجھ کو ہستی سے
سمجھتا ہوں گڑھے ہیں گور میں گام نخستیں کو

۶۲ اجل کا لقمہ ہوا پہلے۔ پھر میں لقمۂ گور
یہ دونوں کھولے تھے منہ ایک ناتواں کیلئے

۶۳ اجل گور تک مجھ کو پہنچا کے بولی
مسافر۔ ٹھہر۔ تیری منزل یہی ہے

۶۴ یاں نکیرین کے جھگڑوں سے پریشاں ہو دماغ
سمجھے تھے گور کو ہم گوشۂ تنہائی ہے

۶۵ گور میں آئے نکیرین تو میں یہ سمجھا
ناصح آ پہنچے یہاں بھی مرا سر کھانے کو

۶۶ دو پھول گر کسی نے چڑھائے اُڑا دیئے
بادِ صبا کو گورِ غریباں سے لاگ ہے

۶۷ فوجِ حسرت گور کی منزل تلک ہمراہ ہے
گو لئے جاتا نہیں ہے کچھ سکندر ہاتھ میں

۶۸ تلاطم میں ہمیشہ کشتیٔ عمر رواں دیکھی
جہاں ہے قلزم طوفاں کنارِ گور ساحل ہے

۲۹	مکانِ گور بھی شائد کوئی دربارِ شاہی ہے	کہ تنہا ہم گئے باہر عزیز و اقربا چھوڑے	
۳۰	کنجِ تنہائی میں راحت ہے بڑی	یہ صدا آئی دہانِ گور سے	ارشد

لحد

۱	لحد میں سونے ہیں پھیلائے پاؤں بعد حیات	سفر کے بعد ملا ہے ہمیں وطن کیا خوب	سحر
۲	وہی عبث تکلیف احیا کو لحد کچھ دُور تھی	جان ہم نے کیوں چرائی دو قدم کیواسطے	
۳	اے لحد بعدِ فنا تو نے وہ راحت دی ہے	چین آغوش کا مادر کی مجھے یاد آیا	
۴	پہلی ہی شب لحد کا احوال کھل گیا سب	دولہا سے کچھ نہ پردہ باقی رہا دولہن کا	جرأ
۵	لحد کو چاہیئے یوں پیرِ پشت خم دیکھے	سوار کو جیسے تھکا اونٹ دمبدم دیکھے	
۶	عزلت گزینی کا جو میں نے کیا ارادہ	کنجِ لحد سے بہتر کوئی مکاں نہ ٹھہرا	آتش
۷	پیٹنا سر اپنے ماتم میں عزیز و یار کا	قلعۂ کنجِ لحد کی فتح کا نقارہ تھا	״
۸	اجل نے رہرو کی زندگی کے لاکھ عیبوں کی	لحد نے اور اُن پر خاک ڈالی پردہ پوشی سے	شوق
۹	لحد میں رہروِ ملکِ فنا آخر کو پہنچیں گے	مسافت اک نہ اک دن قطع ہو جائیگی منزل کی	
۱۰	لحد کے سونیوالوں کو حوادث کا نہیں غم ہے	ثمر جو شاخ سے ٹپکا اُسے کیا خوفِ صرصر کا	جرأ
۱۱	لحد میں جا کے بزمِ دہر پھر ہم کو نہ یاد آئی	مزہ پایا یہ خلوت میں کہ لطفِ انجمن بھولے	

۱۲ وہ راحت پائی ہے کنجِ لحد میں - خود میں حیراں ہوں
کنارِ گور میں سوتا ہوں یا آغوشِ مادر میں — رند

۱۳	لحد پر روئے اک عالم تو مُردہ جی نہیں سکتا	جگائے سبزۂ خوابیدہ کو کیا شورِ بُلبل کا	جرأ
۱۴	حشر تک زیرِ زمیں - دو روز بالائے زمیں	جز لحد دُنیا میں کچھ تعمیر کی حاجت نہیں	
۱۵	پس از مردن لحد میں جا کے سوئے پاؤں پھیلا کر	ملا آرام فرشِ خاک پر ہم کو چھپر کھٹ کا	رند
۱۶	خواب اس غفلت کدہ میں اچھے آتے ہیں نظر	فکر کرنی ہے لحد میں ایک دن تعبیر کی	ناسخ

۱۷ آخر دلا یہ چاہ لحد میں گرائے گا
ہم ہیں سوار توسنِ عُمرِ رواں عبث

۱۸ گر بعدِ مرگ وُسعتِ دل ہو نصیب ہیں
کُنجِ لحد بھی کم نہ ہو کُنجِ فراغ سے

۱۹ لحد میں جا کے اِن اٹکھیلیوں سے ہو گا چھٹکارہ
جیئینگے جب تلک دنیا میں کھیلے گی قضا ہم سے

۲۰ اے تاجدارِ مُلک کہاں۔ مغتنم یہ ہے
قابو میں گر لحد کی زمیں دو وجب رہے

۲۱ بعد مرنے کے لحد میں نہ کوئی کام آیا
وقت پر ہم سے سب اپنا گئے زباں دُور رہے

۲۲ فوجیں وہ اب کہاں ہیں۔ کہاں نوبت و نشاں
غُولوں کا ہے مقام لحد بادشاہ کی

۲۳ بیکسی کہتی ہے شاہوں کی لحد پر آ کے
کچھ بھی دنیا سے یہ حسرت کے سوا لے نہ گئے

۲۴ گدا و شاہ برابر ہے خاک کے نیچے
لحد میں ساتھ یہ قصرِ بلند بام نہیں

۲۵ زندگانی میں ہُوں میں مُردہ سے بدتر آتش
نقش تعویذ لحد کا خطِ پیشانی ہے

۲۶ پڑا ہوں کُنجِ لحد میں جو میکشو بیچین
ہُوا ہے اب مئے زیست کا خمار مجھے

۲۷ ہزار شکر چُھٹے قیل و قالِ دنیا سے
فقط لحد کا سوال و جواب باقی ہے

۲۸ آتی ہے مجھ کو شہرِ خموشاں سے یہ صدا
تاریکئِ لحد ہے سوادِ اس دیار کا

۲۹ بعدِ فنا بھی آئیگی مجھ مست کو نہ نیند
بے خشتِ خم لحد میں سرہانے دھرے ہوئے

۳۰ لحد پہ چاہیئے تعویذ مجھکو کیا اے چرخ
نشانِ قبر بھی بیکس کا بے نشاں کر دے

۳۱ جس جا کٹی ہے عُمر وہیں کیوں نہ ہو لحد
کچھ یادگار کوچۂ الفت میں چاہیے

۳۲ لحد پر یار آتا ہے مرے شرمندہ کرنے کو
نہ منہ دکھلانے کی جا ہے نہ موقعہ عذر خواہی کا

۳۳ الٰہی کس تغافل کیش کا مارا ہوا تھا میں
لحد میں لیٹتے ہی آ گیا خوابِ گراں مجھ کو

۳۴ تنہا لحد میں چھوڑ گئے آج وہ رفیق
ہوتے نہ تھے جو مجھ سے گھڑی بھر جدا کبھی

۳۵ سر اٹھانے کی نہیں کُنجِ لحد میں طاقت
تھک گئے بسکہ کڑی جھیل کے منزل آئے

۳۶ مرنے کے بعد چین سے سوئے لحد میں ہم
جبتک کہ زندگی رہی۔ اندوہگیں رہے

۳۷ تڑپنے والے ہجر کے لحد میں جا کر سو رہے
سکونِ جاوداں ہُوا۔ مآلِ اضطراب کا

۳۸	لحد میں جا کے تعشق نہ کوئی دوست پھرا	عجب کی جا ہے کہ جی لگ گیا نئے گھر میں	تعشق
۳۹	لحد کنار میں ہے لیگی صورت دایہ	شہید ناز پہ تیرے عذاب کیا ہوگا	جرار
۴۰	لحد کہتی ہے مجھ عاصی سے ہیں دونگی فشار ایسا	کہ ایک ایک استخواں تیرے بدن کا سرمہ سا ہوگا	
۴۱	معاذ اللہ بلا کی تیرگی ہے اے لحد تجھ میں	کہ میلا ہوگیا ہے دفن ہوتے ہی کفن اپنا	فصاحت
۴۲	عزیز و دوست اکیلا لحد میں چھوڑ گئے	اب آگیا جو دزدِ کفن غنیمت ہے	جرار
۴۳	زمانے بھر کی ایذاؤں سے چھٹی مر کے ملتی ہے	لحد کہتے ہیں جسکو ہے وہ سرحد کشورِ غم کی	امیر
۴۴	تاریکیٔ لحد سے نہ بچے ہم پس از فنا	داغوں سے روشنی ہے ہمارے مزار میں	آزاد
۴۵	کعبہ ساں جائے ادب ہے چار دیوار لحد	یاں قدم رکھتا ہے تخت اپنا سلیماں چھوڑ کر	آتش
۴۶	لحد کو جا ہیئے یوں پیر پشتِ خم دیکھے	سرا کو جیسے تھکا اونٹ دمبدم دیکھے	قلق
۴۷	دو گز زمین لحد کے بھی خاطر نہ اُن سے مانگ	احسانِ چرخ سفلہ نہ لے گر غرور ہے	رند
۴۸	کوئی دِن اور لحد میں رہو نہ گھبراؤ	ظہورِ حشر بھی اہلِ قبور ہوتا ہے	رشد
۴۹	پائیں جو میں نے دامنِ دایہ کی راحتیں	سویا لحد میں چین سے ٹانگیں پسار کے	″
۵۰	ماتم رہا لحد پہ کہ بزمِ طرب رہی	مجھ کو خبر نہیں پسِ دیوار کیا ہُوا	خلیل
۵۱	پھونک چکے صور کہیں جلد لحد سے نکلوں	اب طبیعت بہت اس قید میں گھبراتی ہے	امیر
۵۲	پس از مُردن بھی حسرت باقی رہتی ہے جوانی کی	لحد میں کرتے ہیں پیرانِ خم گشتہ کمر سیدھی	آتش
۵۳	قیامت دُور۔ تنہائی کا عالم۔ رُوح پر صدمہ	ہمارے دِن لحد میں دیکھئے کیونکر گذرتے ہیں	امیر
۵۴	لحد کو بھی نہ پایا تو وہ تیرِ جفا اُس نے	پشیماں ہے اجل کیا کیا چھپا کر مجھ کو تربت میں	بیان
۵۵	زیرِ لحد چمکتے نہیں اپنے داغِ دِل	مُنہ پھیرے ہنس رہی ہے زمین آسمان پر	
۵۶	لحد میں جا کے تعشق نہ کوئی دوست پھرا	عجب کی جا ہے کہ جی لگ گیا نئے گھر میں	تعشق
۵۷	یہ سناٹا یہ تاریکی لحد کی اور یہ تنہائی	ذرا اے لوٹنے والو۔ بتادو کون منزل ہے	
۵۸	جن کے سروں پہ آپ مگس راں رہے ہما	ان کا لحد میں آج کوئی استخواں نہیں	ناسخ

۵۹ فاتحہ کو بھی لحد پر نہیں آتا ہے کوئی — جیتے جی سب سے ملاقات ہوا کرتی
۶۰ لحد میں یہ کس بل نکل جائیں گے — مریں گے تو سانچے میں ڈھل جائیں
۶۱ وہ حسرتیں لحد میں ہیں دنیا تھی جس سے تنگ — وسعت کہاں کی آگئی دو گز زمین میں
۶۲ پیراہنِ حیات کی تنگی جو یاد ہے — ڈھیلے لحد میں بند ہمارے کفن کے ہیں

عبرت

۱ بانٹے جنہوں نے خلعتِ تقسیم کی تھی دولت — مُردہ بھی شادؔ اُن کا محتاج ہے کفن کا
۲ سو سخن شہرِ خموشاں میں لبِ گور پہ ہیں — ہم کو ہوتی نہیں عبرت کسی افسانہ پر
۳ دیدۂ عبرت سے گورستان کی جانب کر نگاہ — خاک پر سوتے ہیں کیا کیا قصر و ایواں چھوڑ
۴ تخت آرا تھا جو کل۔ وہ آج زیرِ خاک ہے — عالمِ فانی کا منظر کیسا عبرت ناک ہے
۵ پوشاک فاخرہ جو پہنتے تھے رات دن — عبرت کی جا ہے اُن کو میسّر کفن نہ ہو
۶ نشان تک تاجداروں کے نہیں ملتے یہ نوبت ہے — جو چشمِ غور سے دیکھو تو دُنیا جائے عبرت ہے
۷ ہوئے قصرِ فنا سے قصرِ عالی بے نشاں لاکھوں — تری عبرت کو منعم ایک باقی قصرِ گردوں ہے
۸ دیکھنا اے اہلِ عبرت۔ انتقامِ آسماں — بنتے ہیں جامِ گدا خاکِ سرِ فغفور سے
۹ چشمِ عبرت سے ذرا سیرِ چمن کر غافل — مل گئے خاک میں لاکھوں گلِ رعنا کیسے
۱۰ گلستانِ جہاں کی دید کیجو چشمِ عبرت سے — کہ ہر اک سرو قد ہے اس چمن میں نخلِ ماتم کا
۱۱ عبث ان غافلوں کو رات دن فکرِ عمارت ہے — کریں عبرت کہ کیا کیا قصر و ایواں ہو گئے خالی
۱۲ اس خرابے میں نہ اصلا جھونپڑا بھی چاہئے — چشمِ عبرت گر سوئے قصرِ فریدوں کیجئے
۱۳ عبرت کے واسطے یدِ قدرت نے غافلو — کھینچی ہے شبیہِ افسرِ شاہی حباب میں
۱۴ ہوتی ہے سامانِ غفلت سے بھی اک عبرت مجھے — جام سے دیکھا تو دھیان آیا جہاں میں جم نہیں
۱۵ ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک طور ہے — چشمِ عبرت کے لئے دنیا مقامِ غور ہے

ملال و عبرت کے کارخانے ہر ایک ذرّے میں ہیں یہاں کے
نہیں یہ قبریں نشانِ پا ہیں حیاتِ فانی کے کارواں کے

بند کیں آنکھیں یہ کہہ کر ہم نے وقتِ واپسیں
کیا تماشہ دیکھیے دنیائے عبرتناک کا

در و دیوارِ افتادہ کو بھی عبرت سے گر دیکھیں
عمارت سازِ مردم گھر جواب تعمیر کرتے ہیں

ذرا دیکھ عبرت سے سوتے ہیں غافل
مزاروں میں پہنے کفن کیسے کیسے

روگ الفت کا لگا کے پھرتے ہیں نقشا اپنے تاسے
لوگ مرتے جاتے ہیں ہوتی نہیں عبرت یہاں

دیدۂ ظاہر سے ہے اے غافلو پنہاں تو کیا
دیدۂ عبرت سے دیکھو گلشنِ شداد کو

جائے عبرت ہے بچا کر پاؤں رکھ آیا غیاں
تو نے سرسبزی کبھی دیکھی ہے برگِ کاہ کی — داغ

کیا اعتبار دہر کا عبرت کی جا ہے یہ
عشرت سرائے کبھی کبھی ماتم سرا ہے یہ — مومن

ہرچہ بدہد عالمِ ناساز بیگیر وز تو
غیرِ عبرت ہرچہ گیری باز بگیرد ز تو

جنہوں کے دل میں جگہ کی ہو نقشِ عبرت نے
سدا نظر میں وہ لوحِ مزار رکھتے ہیں — درد

جو لوگ آسماں نے یہاں خاک کر اڑائے
بے عبرتوں نے لیکر خاک اُن کی گھر بنائے — اکبر

ہے یہ عبرت کا محل اہلِ بصیرت تم کو
جو کبھی آنکھ سے اب تک نہیں دیکھا دیکھو — رند

اب نہیں دل میں کسی کے آرزوئے حسن و عشق
سب کو عبرت ہو گئی میری مصیبت دیکھ کر

مرے بوڑھا تو نہ ہو خوش کہ ہے عبرت کا مقام
راہ میں تھک کے جواں بیٹھ رہے پیر چلے

عبرت آ کر لحد پہ چلّائی
یہ ہے انجام زندگانی کا

گور میں کہتی ہے عبرت قیصر و فغفور سے
کیوں نہیں کرتے ہو اب صاحبقرانی پر گھمنڈ — امیر

حقیقت بیں نگاہوں کو چمن ہے منظرِ عبرت
نظر آتی ہے پھولوں میں جھلک خونِ عشاقِ دل کی

دنیا کا کارخانہ ہے اِک طلسمِ عبرت
دولت جہاں گڑی تھی مردے وہاں گڑے ہیں — حفیظ

فی الحقیقت ہستیِ دنیائے دوں کچھ بھی نہیں
چشمِ عبرت ہو تو دیکھو اے سفیر انجامِ عیش — سفیر

عبرت کا درس ہے مجھے ہر صورتِ فقیر
ہوتا ہے یہ خیال کوئی بادشہ نہ ہو

۳۶ تماشہ دیکھ اکبر دیدۂ عبرت سے دنیا کا — اجل کی نیند جب آئے لحد میں جا کے سو رہ

۳۷ کیوں یہاں ہیں باعثِ عبرت نہ ہو ہستی مری — ٹھوکریں کھانے کو گردوں کی سرِ فغفور ہوں

۳۸ عبرت فزا ہے گورِ غریباں کی بیکسی — میری نظر کے سامنے میرا مآل ہے

۳۹ غضب کا عبرت افزا انقلابِ چرخِ گرداں تھا — ابھی اک شور برپا تھا ابھی اک ہو کا میدان تھا

۴۰ محوِ عبرت ہوں مآلِ نقشِ پا کو دیکھ کر — آئینہ ساں چپ ہوں تصویرِ فنا کو دیکھ کر

۴۱ محلِ عبرت کا ہے سانحہ تجھ پر بھی گذریگا — ارے غافل نہ ہنسنا چاہیے تابوتِ دشمن پر

۴۲ نظرِ عبرت سے کرنی چاہیے اہلِ بصیرت کو — کہ ہیں نقشِ فنا نقش و نگارِ قصرِ شاہانہ

۴۳ کھول کر منہ کو مری گور ہیں مانندِ عروس — بولی عبرت کہ ذرا دیکھ یہ گھر کس کا ہے

۴۴ عبرت اے اہلِ دوَل منظور ہے مجھ کو امیر — بھیک بھی مانگوں تو کاسہ لوں سرِ فغفور کا

۴۵ چشمِ عبرت کھول نازاں ہو نہ تخت و تاج پر — دورِ شاہانِ سلف کا سب تجمل ہو گیا

۴۶ زمیں کا ذرہ ذرہ آئینہ ہے بزمِ عبرت کا — اسی مٹی میں لاکھوں مل گئے نام و نشاں والے

۴۷ آہ کیا کیا ہو چکے ہیں انقلابِ روزگار — موجبِ عبرت ہے تفسیرِ کتابِ روزگار

۴۸ آنکھوں میں پڑھ کے کہتی ہے یہ خاکِ رفتگاں — سرمۂ ضرور دیدۂ عبرت میں چاہیے

۴۹ عبرت یہ کہہ رہی ہے جوانوں کی قبر پر — یارو کہو امنگ جوانی کی کیا ہوئی

۵۰ برستی ہے اداسی چھا رہی ہے بیکسی غافل — بصیرت ہو تو عبرت کا محل قصرِ فریدوں ہے

۵۱ آئینہ ہے پیشِ نظرِ عبرت سے دیکھ اے بیخبر — بزمِ خموشاں بھی ادھر ہے عیش کی محفل کے پاس

۵۲ غرقِ عشرت ہو کے جینے سے کہیں بہتر ہے جو شخص — درسِ عبرت بن کے مرجاتا زمانے کے لئے

۵۳ سماں گورِ غریباں کا اداسی شمعِ تربت کی — ہوں آنکھیں جس کی آ کر دیکھ لے تصویر عبرت کی

۵۴

غفلت

۵۵

نہ چھوڑا صفحۂ روئے زمیں تعمیرِ غفلت نے — ہزاروں نقشِ عبرت گو فلک نے جا بجا کھینچے

اپنی غفلت پر ظفر جائے تاسف ہے نہ آہ — ہم نے سب کچھ جان کر جو آپ کو ناداں کہا — ظفر

تھی فقط غفلت ہی غفلت عیش کا دن کچھ نہ تھا — ہم نے سب کچھ اسکو سمجھا تھا ولیکن کچھ نہ تھا

خواب غفلت سے نہ چونکے اہل عالم ہے غضب — گو بہت نیرنگیٔ شام و سحر دیکھا کئے

ہو گئی بالکل ہماری عمر غفلت میں بسر — عرصہ اپنی زندگانی کا مگر اک خواب تھا — ناسخ

نہ کبھی ہوش میں آیا ہوں وہ مدہوش ازل — غفلت اس بیخبری پر مری ہنستی ہوگی

غافل خدا کی راہ پہ مت بھول زینہار — اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے — درد

نہ غافل رہ زمانے میں بسر لیجا بہ ہوشیاری — کہ خواب پاسباں ہے گرگ کے طالع کی بیداری

رہینگے کب تلک اے رند خواب غفلت میں — ہیں کس خیال میں اہل جہاں نہیں معلوم — رند

بعد مُردن خواب غفلت سے تو ہوگا ہوشیار — تب خبر ہوگی تجھے جب بیخبر ہوجائے گا — رند

غلط تھا آپ سے غافل گذرنا — نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تُو تھا

نہیں جز بے مزگی کوئی مزہ دنیا میں — پر مزیدار بنا دیتے ہیں غفلت کے مزے — ذوق

غافل جو دم کی آمد و شد سے نہ ہووے تُو — ہر دم ہے تجھ کو سیر وجود و عدم نصیب — ″

ترنّم ساز ہستی کا تجھے کیا لطف دے غافل — تری رُوح آشنائے صوت سرمد ہو نہیں سکتی

بحر غفلت کے تلاطم سے ذرا بچ کے نکل — اس کی ہر موج میں خمیازہ ہے طوفانوں کا

سر و سامان یہ ہے کیا کیر کہ غافل اِک دن — جسم سے سر ہے جُدا۔ سر سے ہے دستار جُدا — ناسخ

غفلت میں زندگی کو نہ کھو گر شعور ہے — یہ خواب زیر سایۂ بال طیور ہے — سودا

نفس امّارہ سا رکھتا ہے یہ سرکش دشمن — آدمی کے لئے غافل نہیں رہنا بہتر

دنیا کی غفلتوں کی تصویر ہیں بگولے — بنیاد ہے ہوا پر۔ سر آسمان پر ہیں۔

سرہانے کی گھڑی سے آتی ہے بانگِ جرس ہردم — مسہری کم نہیں اے اہلِ غفلت کچھ بھی محمل سے

بے سبب اسباب او غافل فراہم کیا کروں — چھوڑ جاونگا میں سارے عالم اسباب کو

اسی صندوق میں کل ان کی لاشیں بند ہونگی — یہ غافل آج کیوں بیفائدہ زر بند کرتے ہیں

۲۳ غافلو کرتے ہو کیا اپنی سواری کا غرور ۔ ایک دن ہوگی جنازے سے بدل ...

۲۴ نقشِ ہستی کو ذرا سوچ کے بھرنا غافل ۔ سب غلط ہوگا یہ تعویذ جو اک گھر ...

۲۵ کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جس کو خبر ۔ پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک ...

۲۶ بھول کر آنکھ اُڑا دیدِ جہاں کا غافل ۔ خواب ہو جائیگا پھر جاگنا سوتے سو...

۲۷ وائے قسمت غافل آیا ہیں آ پھر ۔ عمر بھر غافل رہا ۔ غافل گیا

۲۸ نہیں گوشِ شنوا باغِ جہاں میں غافل ۔ ورنہ ہر برگ ہے یاں نغمہ سرائی ...

۲۹ چشمِ غفلت کی ہو دنیاوی نتائج پر نظر ۔ دیدۂ تحقیق میں وہی خوش انجامی بھی ...

۳۰ اہلِ غفلت جو کہ ہیں دنیا میں نابینا وہ ہیں ۔ بند ہو جاتی ہیں آنکھیں خواب کی تاثیر سے

۳۱ گفتگوئے اہلِ غفلت کی حقیقت کچھ نہیں ۔ خواب میں چلائے ہر چند آدمی خاموش ہے

۳۲ غافل غضب سے ہو کے کرم پر نظر نہ رکھ ۔ پُر ہے شرارِ برق سے دامن سحاب کا

۳۳ نہ شادی میں اثر تا ہے نہ غم میں نشۂ غفلت ۔ اہلِ ہشیار اگر کر دے تو کر دے ہیں تو غافل ...

۳۴ اس عمارت کو نہ تو سر پہ اُٹھا لیجائے گا ۔ دیکھ اے غافل ذرا تیرا ہے مسکن زیرِ پا

۳۵ بزمِ عشرت میں ہیں طبلے غافلو طبلِ رحیل ۔ یہ گھڑیوں کی صدا ۔ بانگِ درا سے کم نہیں

۳۶ خندہ زن دیکھا نہ اک مُردے کو زندہ کی طرح ۔ ہوشیاری کے مزے سے آشنا غافل کہاں

۳۷ غافلو منزلِ دنیا ہے سرائے فانی ۔ اس خطرگاہ میں تم چھاؤنی چھاتے ہو عبث

۳۸ باور نہیں ابھی تجھے غافل پہ عنقریب ۔ معلوم ہووے گا کہ یہ عالم فسانہ تھا

۳۹ خوابِ غفلت سے تری جسوقت کھل جائیگی آنکھ ۔ ہے جو کچھ آنکھوں کے آگے جلوہ گر چھپ جائیگا

۴۰ جوں خواب ہے وابستہ یہ غفلت یہ تماشہ ۔ کھل جائے اگر آنکھ ۔ تو پھر کیا نظر آئے

۴۱ بزمِ گردوں میں ستاروں پہ نظر کر غافل ۔ کوئی ساقی بھی ہے اِن نور کے پیمانوں کا

۴۲ یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل ۔ گرمیٔ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

۴۳ کوئے مقصود سے یوں رکھتی ہے غفلت مجھے دور ۔ جیسے سو جانے سے سو جاتے ہیں یکبار قدم

اجل سر پر کھڑی ہے خوابِ غفلت میں زمانہ ہے	چھپر کھٹ کے عوض لازم جنازے کا بنانا ہے	ناسخ
نزع میں جس دم رگیں کھنچنے لگینگی غافلو	یاد آئیں گی خمارِ عیش کی انگڑائیاں	
ہم غافلانِ دہر کو اتنا ہوا نہ ہوش	تھا کون میزبان۔ کہاں مہمان رہے	امیر
غافلوں کے کان کیا کھلتے ہیں سنکر شورِ حشر	سونے والوں کو جگا سکتا نہیں غل دور کا	؍؍
اہلِ غفلت کا ہے ہر جزوِ بدن تا دشمن	ہاتھ بھی خواب میں ہے سینہ کو اک سل بھاری	ناسخ
خرمی اس دارِ فانی میں ہے غفلت کی دلیل	محفلِ اہلِ عزا میں پائے کیونکر یار خواب	؍؍
آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں	اپنی غفلت کے سوا کچھ درو دیوار نہیں	درد
غافل غرور و کبر کو اس میں جگہ نہ دے	بکھر جائیگا یہ کاسۂ سر مار و مور سے	رند
دفنِ زر کے لئے تونے جو کھدوائی ہے زمین	دیکھ منعم کہ اسی جا نہ ہو تربت تیری	امیر
غافل ہیں ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ	حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ	میر تقی
اُن غافلوں نے دیکھا تماشہ جہاں کا کیا	جو مست ہو کے نشۂ غفلت میں سو گئے	ظفر
خیالِ ہستی موہوم دل سے دُور کر انشاؔ	سفر درپیش ہے تجھ کو تو اس پر آہ غافل ہے	انشا
دولت کی اگر خواہش ہے تمہیں ہشیار رہو غفلت سے بچو	ہر جاگنے والا پاتا ہے ہر سونے والا کھوتا ہے	باغ
مجھ کو غفلت نے خبر ایام فرصت کی نہ دی	آہ جب جاتے رہے دن۔ تو میں پچھتانے لگا	قدرت
غافل جہاں کی دید کو مفت نظر سمجھ	پھر دیکھنا نہیں ہے اس عالم کو خواب میں	درد
کہیں دیکھی بھی ہے اس درجہ غفلت قافلے والو	کہ ہم ہیں نیند کے ماتے جرس فریاد کرتا ہے	وحشت
یہ روز و شب نہیں کٹتے ہیں غافل زندگانی کے	نکل جاتا ہے ہر روز اک ورقہ تیری دفتر سے	امیر
بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل	کٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا	ناجی
کٹ گئی ساری عمر غفلت میں	کچھ تیری بندگی ادا نہ ہوئی	فغان
نہ ہووے اگر تجھ کو دم کا بھروسہ	تو جو دم ہے غافل دمِ واپسیں ہے	ذوق
خوابِ غفلت میں نہ کھو ایامِ پیری رائیگاں	چونک ہوتی ہے نمازِ صبح اے غافل قضا	آتش

۶۵ غفلت میں ہم نے عہدِ جوانی کو کھو دیا
اَب بیٹھے ہاتھ ملتے ہیں کھو کر تمام رات

۶۶ جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے
اس کی غفلت پر فنا اسوقت ہنستی خوب ہے

۶۷ نفس کی آمد و شد پر نہ دم بھر زندگانی کا
ارے غافل یہی منقراضِ بھرِ رشتۂ ہستی ہے

۶۸ جمع کیا کرتے ہو معماروں کو تم اَے غافلو
قبر پر جا بیٹھے ہیں ہم چھوڑ کر تعمیر کو

۶۹ غافل نہ رہ تو اہلِ تواضع کے حال سے
تیغ و کماں کی طرح خم و چم بہت ہے یار

۷۰ دکھا دیتا ہے کافورِ سحر روز آسماں سب کو
و لیکن غافل اپنی غسلِ میت سے زمانہ ہے

۷۱ ہم کو قدرت نے ودیعت کی تھیں جو جو نعمتیں
وائے غفلت عیشِ فانی کے لئے کھویا کئے

۷۲

حالتِ پیدائش اور اُس کا اشارہ

۱ طفلِ نو کی اشکباری سے یہ عُقدہ کھل گیا
داستانِ غم سے ہے آغاز بابِ زندگی

۲ طفلی کے رونے کا کھُلا ہے حال بعدِ مرگ
آغاز ہی میں روتے تھے انجام کے لئے

۳ آکے ہستی میں عدم سے طفل روتا ہے ضرور
کچھ تو ہے ایذا مسافر کو سرِ منزل نصیب

۴ یاں سے ہوتی نہ زیادہ جو عدم میں راحت
آکے ہستی میں کوئی طفل نہ گریاں ہوتا

۵ طفل یہ رو رو کے کہتے ہیں زبانِ حال سے
جو عدم میں چین تھا۔ دامانِ مادر میں نہیں

۶ روزِ مولد سے نہیں عیش و طرب قسمت میں
رمز یہ ہے کہ بشر ہوتے ہیں گریاں پیدا

۷ جز گریہ محرومی مری تقدیر میں نہیں
طفلی سے رو رہے ہیں ہنسانے سے فائدہ

۸ تھا ازل سے مجھ کو تا وقتِ ولادت خوابِ عیش
کھُل گئیں آنکھیں مری شورِ مبارکباد سے

۹ ازل سے تلخئ ہجراں جو لکھی تھی مقدر میں
حلاوت زہر کی ملتی تھی مجھ کو شیرِ مادر میں

۱۰ تلخ کامی کے مزے سے ہوا ازل سے آشنا
عہدِ طفلی میں پیا ہے زہر بدلے شیر کے

۱۱ مقدر میں جو لکھا تھا مرے خونِ جگر پینا
لڑکپن میں لہو کی آتی تھی بُو شیرِ مادر سے

۱۲ شربت ہے مجھے زہر۔ غمِ ہجر میں تیرے
گھُٹی جو نہی روزِ تولد۔ سو وہ غم سے

چھلکے ہیں عالمِ طفلی کی کیفیت ملی	شیرِ دایہ میکشوں کو خونِ مینا ہو گیا	آتش
خمخانۂ حدوث میں مستِ قدیم ہوں	طفلی میں نشہ مجھ کو مئے شیر سے ہوا	
مزہ پڑا ہے قناعت کا عہدِ طفلی سے	میں سیر ہوکے نہ پیتا تھا شیرِ مادر کو	رند
نکلیں جو اشک لے اثر آنکھوں سے کیا عجب	پیدا ہوئے ہیں طفل ہزاروں مرے ہوئے	
روزِ مولد سے ساتھ اپنے ہوا غم پیدا	لالہ ساں داغ اٹھانے کو ہوئے ہم پیدا	
طفلی سے ہوں دوچار نشیب و فرازِ دہر	راحت نہ گود میں تھی نہ آرام دوش پر	
چین سے دامنِ دایہ میں بھی سوئے نہ کبھی	روزِ مولود سے واقف نہیں آرام سے ہم	رند
پہلے ہی فقر و فنا سے میں ہوا آگاہ	روزِ مولود کیا ہے کفنی پوش مجھے	"
زیست بھر مجھ کو رہا خونریز محبوبوں سے کام	روزِ مولد نال کٹوائی تھی کیا جلاد سے	
عہدِ طفلی سے لگا ہے مجھے الفت کا روگ	پل گیا کس کو توقع تھی میری پلنے کی	"
ہوں دولتِ دشت سے غنی روزِ اوّل سے	محتاج نہ تھا روزِ تولد کفنی کا	"
اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہے	کہ تا ہو جائے لذت آشنا تلخیِ دوراں سے	ذوق
طفلی سے سامنا غم و اندوہ کا رہا	کیا کیا نہ حادثے ہوئے ہم پر قدیم سے	
مجھے گہوارہ بھی تھا کشتیِ طوفاں زدہ آسا	وہ ہوں جوں طفلِ اشک آفت رسیدہ میں لڑکپن سے	
عہدِ طفلی میں بھی تھا میں ایسا سودائی مزاج	بیڑیاں سنت کی بھی پہنیں تو میں نے پھاڑیا	آتش
بلند و پست سے آگاہ ہوں ایامِ طفلی میں	کبھی تھا دوشِ دایہ پر کبھی آغوشِ مادر میں	"
بطنِ مادر ہی سے جب پیدا ہوا تکلیف سے	یاں کہاں راحت کہ تو کرتا ہے راحت کی طلب	ذوق
ازل ہی سے مری قسمت میں تھی سرگشتی لکھی	گیا طفلی میں بھی ہر روز میں اک دو کناروں میں	آتش
ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے	اڑ گیا جب رنگ رخ سے استخواں پیدا ہوئے	
وقتِ پیدائش جو گریہ تھا۔ بدستور اب بھی ہے	ابتدا میں جو ہوا۔ وہ عمر بھر ہوتا گیا	
وقتِ پیدائش ہمارے گریہ کا باعث نہ پوچھ	ابتدا ہی سے چلے ہیں انتہا کو دیکھ کر	

۳۴ ازل سے جو کہ باہم ہیں جدا ہوتے ہیں دنیا میں
دلیل اس پر جدا ہونا ہے یاں اطفال [illegible]

۳۵ سرگشتگی نصیبوں میں طفلی سے تھی لکھی
پھرتے تھے لیے سب سحر و شام [illegible]

۳۶ خوشی نہیں ہے ہنساتی ہے مجھ کو بے خبری
تبسم لب اطفال شیر خوار نہیں [illegible]

۳۷ طفلی سے مجھ کو بادہ کشی کا ہے ذائقہ
ملتی تھی شیرِ دایہ میں لذت شراب کی

۳۸ میری قسمت میں لکھی موت جو تلوار کی تھی
شیرِ دایہ میں حلاوت ہی ہر اک دھار کی تھی

۳۹ آباد کچھ شباب میں بیتاب ہم نہیں
طفلی میں بھی نہ آیا تھا آرام دوش [illegible]

۴۰ تڑپ تھی نوجوانوں کی یہیں طفلی میں جوبن پر
مچل جاتے تھے طفلِ اشک کی صورت [illegible]

۴۱ بے تمیزی سے ہے اپنی مجھے امیدِ نجات
باعثِ بیگنہی طفل کی نادانی ہے

۴۲ طفلی میں بھی مرا ہی عالی دماغ تھا
جاتا تھا روز تا بہ لبِ بام دوش پر

۴۳ بے حجابوں کا مگر شہرہ ہے اقلیمِ عدم
دیکھتا ہوں جسے ہوتا ہے وہ عریاں پیدا

۴۴ فرصت اک دم عہدِ طفلی میں نہ رونے سے ملی
پرورش پایا ہوا ہوں دامنِ سیلاب کا

۴۵ بیکسی کی نکلے حسرت کیا جوانی میں بھلا
آنسو پی جاتے تھے ہم طفلی میں بدلے شیر کے

۴۶ اوّل ہی سے شیر کو ہے رغبت خلاف سے
لیتا تھا منہ کا کام شکم میں یہ ناف سے

۴۷ عہدِ طفلی سے ہوئے بہرِ اسیری پرورش
ابتدا سے ہم نمک پروردۂ صیاد ہیں

۴۸ پائیں جو ہیں نے دامنِ دایہ کی راحتیں
سویا لحد میں چین سے ٹانگیں پسار کے

۴۹ ترقی کچھ جوانی میں نہیں ہے بیقراری کی
ہلا کرتا تھا گہوارہ ہمارا خود لڑکپن میں

۵۰ روزِ مولود سے ہے اصلِ حقیقت کا خیال
بوئے خوں آتی تھی دایہ کے مجھے پستان سے

۵۱ تہی کف آئے تھے ہم عدم سے چلے یہاں سے تو دستِ خالی
نہ توشہ واں سے یہاں تھا آیا نہ ساتھ یاں سے قدم اٹھائے

۵۲ مکتب میں بھی سبق تھا الف-لام-میم کا
طفلی سے ہی ہوا ہوں میں خوگرِ الم کے ساتھ

۵۳ گریہ ہنگامِ ولادت کیوں نہ ہو ہر طفل کو
جو ہوا دنیا میں پیدا۔ نوحہ گر پیدا ہوا

۵۴ جیسے آئے تھے یہاں۔ ویسے ہی خالی جائینگے
واں سے کیا لائے تھے یہاں سے ساتھ لیجائینگے کیا

افتادگی پسند تھی طفلی ہی سے مجھے
آیا نہ ایک دم کبھی آرام دوش پر — سلطان

ہاتھ خالی آئے تھے سب ہاتھ خالی جائینگے
لائے تھے کیا ہاتھ میں لیجائینگے کیا ہاتھ میں — شاعر

کیوں نہ ہم عالم امکاں میں کریں ترک لباس
جبکہ خالق نے کیا ہو ہمیں عریاں پیدا — ناسخ

مجھ کو دم لینے کی بھی فرصت نہ دنیا میں ملی
روز مولد شادیانہ کوچ کا نقارہ تھا — ؍؍

شیر سے تا شربت مرگ ایک سی تلخی ہے یاں
غم لگا کھانے وہیں انسان جب پیدا ہوا — ؍؍

ہوں وہ آوارہ کہ طفلی ہی میں جوں اشک مجھے
کردیا مادر ایام نے گھر سے باہر — سودا

یارو کفن ہمارے لئے کیا ضرور ہے
عریاں جہاں میں آئے ہیں عریاں ہی جائینگے — قدرت

خالی ہی ہاتھ جائینگے آئے تھے جیسے ہم
لایا نہ ہو جو کچھ بھی تو پھر لے کے جائے کیا — خورشید

لڑکپن میں نہ تھا کچھ امتیاز ذائقہ ورنہ
حلاوت نعمت دنیا کی ملتی شیر مادر میں — اعظم

جب دہر سے سوئے آخرت جائینگے
کیا لائے تھے ساتھ کچھ جو لیجائینگے — جلیل

اثر زندگی بعد مرگ

سنگ دنیا پس از مردن بھی دامنگیر دنیا ہو
کہ اس کتے کی مٹی سے بھی کتا گھاس پیدا ہو — ذوق

اثر بعد فنا بھی گردش قسمت کا باقی ہے
بگولے بنکے میری خاک اڑتی ہے بیاباں میں

بجھنے کی دل کی آگ نہیں زیر خاک بھی
ہوگا درخت گور پہ میری چنار کا

فنا ہو کر بھی کوئے یار سے اٹھنا نہ تھا لازم
ہمیں ہٹی پکڑ کر پشتۂ دیوار ہونا تھا

موا ہوں عشق کاکل میں پس از مردن لحد سے بھی
مثال عشق پیچہ پیچ در پیچ استخواں نکلے — رند

اللہ رے شوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں — غالب

ہوئے جب خاک لپٹے گرد بنکر ان کے دامن سے
پس مردن نہ ہم نے شیوۂ مردانگی چھوڑا

بعد فنا بھی عشق کا آتش اثر رہا
تربت سے اپنی بید مولّٰہ ہرے ہوئے — آتش

خوش قدوں کی ہے پس از مرگ بھی الفت اے رند
خاک سے میرے اگا کرتے ہیں شمشاد ابھی

۱۰ حسن گندم گوں کی الفت کے اثر سے بعد مرگ — لوح تربت تھی جو رنگ سرخ کی دھانی ہو

۱۱ آوارگی سے خوش ہوں میں اتنا کہ بعد مرگ — ہر ذرہ میری خاک کا ہووے ہوا پرست

۱۲ خبر کاں کو سرگشتگی کی تھی ناسخ — جو میری خاک سے تیار اس نے چاک کیا

۱۳ بعد مردن بھی خیال چشم فتاں ہی رہا — سبزۂ تربت مرا وقف غزالاں ہی رہا

۱۴ اثر بعد از فنا میری سیاہ قلبی کا باقی ہے — ہوا پر خاک انداز اپنی ہے دود پریشاں

۱۵ آئے جو مرقد پہ میرے سو مکدر ہو گئے — خاک ہو کر بھی غبار خاطر یاراں ہوا

۱۶ آتش دل سے پس از مرگ برنگ شعلہ — خاک عاشق سے نکلتا ہے گل خود رو گر

۱۷ خاک میری بعد مردن بن گئی ریگ رواں — کوچہ گرد عشق کو ہوتی نہیں منزل نصیب

۱۸ گر اثر باقی رہے سرگشتگی کا بعد مرگ — گنبد مدفن کو گرداں مثل گردوں چاہئے

۱۹ وحشت گئی نہ بعد فنا بھی۔ میرا غبار — باتیں کرے ہے سقف سپہر کہن کے ساتھ

۲۰ یاد اس کاکل زیبا کی مرے سینے میں — سانپ سا کاٹیگی مرقد میں بھی آ میرے بعد

۲۱ ہیں جہاں مدفن تمہارے کشتگان زلف کے — نخل کی جا بید مجنوں ہے وہاں پیدا ہوئے

۲۲ الٰہی کس تغافل کیش کا مارا ہوا تھا میں — لحد میں لیٹتے ہی آ گیا خواب گراں مجھ کو

۲۳ تشنہ کام عشق ہوں۔ گر خاک سے میری بنے — آب جو جوں بھر کر توں توں اور ساغر خشک ہو

۲۴ یہ بعد مرگ رہا درد کا اثر اے داغ — کہ استخواں مرے کھا کر ہما نے کھائی چوٹ

۲۵ جھونکے دیتی ہے پس از مرگ بھی بیتابیٔ دل — تیرے کشتوں کے جنازے نہیں گہوارے ہیں

۲۶ پس از فنا جو یہی شورشیں جنوں کی رہیں — تو اٹھ کے پھوڑوں میں سنگ مزار سے در کو

۲۷ مر جائیگا جو تیرا گرفتار دام زلف — تربت پہ اس کی جال کا پائیگا پیڑ تو

۲۸ پس از فنا نہ پھروں چاک کی طرح اے چرخ — نہ آئے گور میں مٹی کلال لینے کو

۲۹ پس از مردن بھی جھگڑوں سے زمانے کے نہ چھوٹینگے — لڑیں گے گوشت پر زاغ۔ استخواں پر ہما کیا کیا

۳۰ نمو ہو بعد از مرگ بھی گر اے محبت دستگیر — استخواں سے ہو مرے دستہ ترے ساطور کا

۳۱ چشمِ مخمور کا ہوں کس کی میں کشتہ یارب
کہ مری خاک سے بھی جامِ مئے ناب بنا

۳۲ بعد مرنے کے اگر تقدیر کی گردش رہی
قبر کا پتھّر بھی سنگِ آسیا ہو جائے گا — فصاحت

۳۳ وہی تڑپ ہے اب تک وہی ہے شیون بھی
وہی ہے عشق کا عالم میانِ مدفن بھی — حبیب

۳۴ زندگی میں نہ میں نے پھل پایا
ہو نہ میرے سرِ مزار درخت — گویا

۳۵ اثر بعد از فنا بھی ہے یہ سوزِ ہجرِ جاناں میں
کہ اکثر سبزہ خاکستر ہوا ہے جل کے مدفن پر — آباد

۳۶ میں وہ شوریدہ سر دیوانہ تھا۔ کہ بعدِ مُردن بھی
چڑھا جاتے ہیں پتّھر لوگ آکر میری مدفن پر — ناسخ

۳۷ بعد مرنے کے بھی ہم چھوٹے نہ دامِ عشق سے
جسم سے نکلا جو مرغِ رُوح بلبل ہو گیا — 〃

۳۸ دل میں غبار لے کے چلا ہوں جہان سے
تودہ لگے گا گور پہ گردِ ملال کا — رند

۳۹ یاں تک ہے شوقِ دشت نوردی کہ دوں نکال
میں اپنے بعدِ مرگ بھی باہر کفن کے پاؤں — 〃

۴۰ فروتنی کا تھا یہ شوق بعد مرگ کبھی
ہوا بلند نہ اپنا غبارِ مدفن بھی — ظفر

۴۱ بعد مرنے کے بھی اک گردش رہی ہم کو مدام
مشتِ خاک اپنی رہی تھی کچھ سو پیمانہ بنا — شاغل

۴۲ بعدِ فنا بھی رنگِ طبیعت نہ جائیگا
تربت سے میری پیڑ اوگے گا پتنگ کا — فراق

۴۳ بعدِ مُردن بھی نہ ہونگے بند روزن کی طرح
میری آنکھوں سے بہت رکھتا ہے ننگ و عار خواب — فراق

۴۴ عشق کی تاثیر سے بعدِ فنا ہو گا فروغ
میری مٹی کے جلیں گے کوئے جاناں میں چراغ — آتش

۴۵ کنجِ تنہائی میں میں نے زندگی کی ہے بسر
گور بھی میری کسی کے گور کے شامل نہ ہو — 〃

۴۶ کمی ہوگی نہ بعدِ مرگ بھی بیتابیٔ دل میں
قیامت تک رہیگا زلزلہ سا میرے مدفن کو — 〃

۴۷ بعدِ مُردن بھی رہیگا دل کو شوقِ قصرِ یار
سایہ بنکر روح لپیٹے گی مری دیوار سے — آتش

۴۸ حرارت اِس قدر سوزِ محبت کی ہے سینے میں
نہ ہو گا بعد مردن بھی بدن زیرِ کفن ٹھنڈا — ظفر

۴۹ اُٹھتا ہے بعدِ مرگ بھی مانندِ گردِ باد
اے دردؔ خاک سے مری اب تک غبارِ دل — درد

۵۰ خاک سے میری بنینگے بعدِ مردن جام مے
کون اے آبادؔ مجھ سا رند ساغر نوش ہے — آباد

۵۱ ترا تشنہ لب جہاں سے جو گیا لحد پر اُس کی
پسِ مرگ بھی کسی نے سبُوئے آب اُلٹا — مصحفی

تسکینِ قلب

۱۔ اے بدگماں شدایدِ دنیا پہ صبر کر — فطرت کو تیرے ساتھ کوئی دشمنی نہیں

۲۔ تکلیف ہے پُر شکر گدا کو ہے مناسب — شاہوں کی طرح کچھ غمِ عالم تو نہیں ہے

۳۔ تلخ کامی ہے جب انجام ہر اک عشرت کا — فکر کیا کیجیئے پھر عیش کے سامان کیلئے

۴۔ مال و زر ہوتا تو یہ راحت کہاں ہوتی نصیب — سو رہے اور گھر کا دروازہ کھلا رہنے دیا

۵۔ نہ لٹتا دن کو۔ تو کب رات کو یوں بیفکر سوتا — رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

۶۔ بے سرانجامی فقیروں کے لئے ہے قُفلِ دَر — اپنے دروازے کو کچھ زنجیر کی حاجت نہیں

۷۔ کسی شب پاسبانوں کیطرح دم بھر نہیں سوتے — تموّل اہلِ دولت کے لئے اک گونہ زحمت ہے

۸۔ گھر ہے اللہ کا گھر۔ بے سروسامانوں کا — پاسبانوں کا یہاں کام۔ نہ دربانوں کا

۹۔ پھیلا کے پاؤں سوتے ہیں اللہ کے فقیر — دہشت سے جاگتے ہیں توانگر تمام رات

۱۰۔ کہتی ہے ماہیِ بریاں کہ دبیرانِ قضا — داغ دیتے ہیں اُسے جسکو درم دیتے ہیں

۱۱۔ مال ملتا جو فلک سے خطرِ جاں ہوتا — سر نہ ہوتا جو میسّر مجھے ساماں ہوتا

۱۲۔ جو مالدار ہے اُسے کھٹکا ہے چور کا — مچھلی کی طرح خار ہے پائے درم کے ساتھ

۱۳۔ کہ رہا ہے باغ میں ہر گُل زبانِ حال سے — مبتلائے خارِ غم رہتا ہے جو زردار ہے

۱۴۔ ہوتی ہے جمعِ زر سے پریشانی آخرش — درم کی شکل صورت درہم سے کم نہیں

۱۵۔ سدِّ راہ کس و ناکس ہے مرا شہرہ فقر — ورنہ کب مجھ کو میسر کوئی دَرباں ہوتا

۱۶۔ مفلسوں کو نہیں دنیا میں کسی سے خطرہ — خوف ہے انکو جو کوئی دام و درم رکھتے ہیں

۱۷۔ ہو نہ غمگیں اگر زادِ سفر پاس نہیں — شکر کر شکر کہ اندیشۂ رہزن نہ رہا

۱۸۔ کھُلے دروازے ہر شب چین سے سوتے ہیں ہم جیسے — دیا ہے خانۂ ویراں کو عہدہ پاسبانی کا

۱۹۔ فراہم زر کا کرنا باعثِ اندوہِ دل ہووے — نہیں کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جز پریشانی

۲۰ جو زیست چاہے کرے مال سے تہی پہلو — صدف کے سینے کو کرتے ہیں دیکھ بار ۲ چاک

۲۱ چھین لیگا کیا بھلا ہم سے زبردستی کوئی — مفلسی بھی کیا کسی زردار کی دولت ہوئی

۲۲ درویش زمانے سے نہ کیوں جائیں سبکدوش — قاروں کی طرح سر پہ خزانہ نہیں رکھتے

۲۳ اگر فقیر نظر آتیں نہ دارا و سکندر کی — مجھے کبھی اشتیاقِ دولت و جاہ و حشم ہوتا

۲۴ تسلی ہے غریبوں کو اس بات سے کہ اجل نے — مفلس کو جو نہ مارا تو نہ زردار کو چھوڑا — ظفر

۲۵ خوش نہ ہوں دولتِ دنیا سے زمانے والے — روئیں گے صورتِ فوّارہ خزانے والے

۲۶ مفلسی کا شکوہ اور زر کی ہوس ہے سب فضول — مر بنو لئے ہیں یہاں مفلس بھی اور زردار بھی

۲۷ دلخواہ کب کسیکو زمانے نے کچھ دیا — جنکو دیا کچھ اس میں سے وہ کچھ نہ لے گئے

۲۸ خاک ہو جاتے ہیں دونو خاک میں ملنے کے بعد — چار دن کوئی گدا ہے کوئی کیکاؤس ہے — ناسخ

۲۹ ہے جیتے جی مراتبِ شاہ و گدا میں فرق — جب خاک میں ملے تو برابر کے ہو گئے

۳۰ بعد مردن اسکو راحت اسکو حسرت ہے نصیب — فرق اِتنا ہی نظر آیا گدا و شاہ میں

۳۱ سینکڑوں مفلس ہزاروں ہی تونگر ہو گئے — مل گئے جب خاک میں دونوں برابر ہو گئے

۳۲ اسباب سے جہاں کے گو اب پاس کچھ نہیں — یہ فکر تو نہیں ہے کہ یہ ہے اور وہ نہیں

۳۳ کمال کونسا وہ ہے۔ جسے زوال نہیں — ہزار شکر کہ مجھ کو نہ کچھ کمال ہوا — آتش

۳۴ زندگی ہے تو خزاں کے بھی گذر جائینگے دن — فصلِ گل جیتوں کو پھر اگلے برس آتی ہے — حسن

۳۵ ہوتا تو دل کا راز چھپانا محال تھا — ہوں مطمئن کہ اپنا کوئی رازداں نہیں

۳۶ غم نہ کھا اے دل اگر شب زلف کی تاریک ہے — پاس ہے رُخ اُن کا یعنی صبح بھی نزدیک ہے — شگفتہ

۳۷ طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ تاج و تخت — ہم سے خلاف ہو کے کریگا زمانہ کیا — آتش

۳۸ شکوہ جو ہے نوکری کا کرتے ہیں نادان ہیں — آپ آقا ہے کسی کا جو کوئی نوکر نہیں — ناسخ

۳۹ گدا کی مرگ و حیات دونو بری ہیں دنیا کے دغدغے سے — نہ فکرِ طبل و علم میں مرنا نہ شوقِ تاج و نگیں میں جینا — اعظم

۴۰ چہ ضرورت است کشتی رنج وداعم بیدل — مے روم من بہ مقامے کہ تو ہم مے آئی — بیدل

٤١ بھول تلخی بھی اگر یاد نہیں شیرینی — نوش کا شکر نہیں تو گلۂ نیش ہے کیا

٤٢ مال و زر کا زندگی میں رہتا ہے گردن پہ بار — اے خدا مفلس بنا - حاصل ہو روحانی خوشی

٤٣ شب غم کو بسر کر صبح راحت کی امیدوں میں — بلاؤں سے نہ ڈر خاموش یہ کس پر نہیں آتیں

٤٤ صاحب تاج و تخت بھی موت سے یاں نہ بچ سکے — جاہ و حشم سے کیا ہوا - کثرت زر نے کیا کیا

٤٥ طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال — ہم سے خلاف ہو کے کریگا زمانہ کیا

٤٦ بیکس بنا کے فکر سے آزاد کر دیا — احسان میں نہ بھولوں گا برق و شرار کا

٤٧ وصلِ جاناں کس کی قسمت میں ہمیشہ ہے ولا — جاتی ہے اک روز آخر جسم کو روح چھوڑ کر

٤٨ بحرِ ہستی میں نہ کر ایام پیری کا ملال — لوگ خوش ہوتے ہیں کشتی قربِ ساحل دیکھ کر

٤٩ اچھا ہوا کہ زندگی مختصر ملی — ورنہ امید و یاس کا قصہ دراز تھا

٥٠ گھبرا نہ شبِ تارِ غمِ ہجر میں اے دل — ہوتی ہے کوئی دم میں ابھی دیکھ سحر بھی

٥١ ہے شکرِ کردگار عقوبات سے بچے — خالق نے کر دیا مجھے تاج و نگیں سے دور

٥٢ افسوس کیا جوانیٔ رفتہ کا کیجیے — وہ کون سی بہار تھی جسکو خزاں نہ تھی

٥٣ رو کے کیوں کھوتا ہے اے یعقوب نورِ چشم کو — پھر ملیگا آ کے یوسف زندگانی چاہیئے

٥٤ کوئی تو دوش سے بارِ سفر اتاریگا — ہزار رہزن امیدوار رہ میں ہے

٥٥ بلا کے پیچھے پیچھے ہے ولا فضلِ الٰہی بھی — کہ جیسے تیغِ ماہِ نو سے ہوتی ہے سپر پیدا

٥٦ فاقہ مستی سے ہمیں بھی ہے بھلا ہوش کہاں — ہیں اگر نشۂ دولت سے تونگر بیہوش

٥٧ غیر حسرت لیگیا یاں سے کوئی کیا اپنے ساتھ — آسماں سے کس توقع پر میں دولت مانگتا

٥٨ نقصان کوئی نفع سے خالی نہیں ولا — کم گردش اس کو رہتی ہے جو کوئی لنگ ہے

٥٩ گذر جائیگی ہر صورت کروں کیوں داغ اندیشہ — مرے مولا کو ہر دم فکر ہے میرے گذارے کا

٦٠ آغازِ جدائی کو جدائی نہ سمجھ تو — ہوتا ہے وصل ایک دن انجام جدائی

٦١ وزیں مصائبِ دوراں منال شاداں باش — کہ تیرِ دوست بہ پہلوئے دوست مے آید

کس نیاند بخانۂ درویش
دور گردوں گرد و روزے برمرادِ ما نگشت
شکوۂ تاجِ سلطانی کہ بیم جاں درو درج است
حافظ تو تا یہ۔ کے غمِ مالِ جہاں خوری
نہ عمرِ خضر بماند نہ ملک اسکندر
ہید ہد اسبابِ شادی غم چو میگردد کمال
نہ داغ یاس سے گھبرا۔ بر آئیگی امید
چہ جائے شکوہ شکایت کہ نقش نیک و بد است
رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
بے سرانجامی کا غم کھاتے ہو کیوں بادہ کشو
عریاں تنوں پہ تیرے ہے اللہ کا کرم
جو علم غیب نہیں ہے سوائے عالم الغیب
دنیا میں کون غم ہے نہیں جسکے بعد عیش
بیگانگئے خلق سے بیدل نہ ہو غالب
ہے عین ہجر میں بھی میسر وصالِ دوست
نہ کچھ بھی ساتھ اپنے لیگیا منعم بجز حسرت
یک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق
باغ عالم میں ہے نا فہموں کو بے برگی کا غم
ظاہر میں وصل کا نہیں اسباب کچھ بیاں
نفرت شبِ وصال سحر سے نہ کر دلا

کہ خراجِ زمین و باغ بن
دائما یکساں نہ ماند حالِ دوراں غم مخور حافظ
کلاہِ دلکش است اما بدردِ سر نمے ارزد 〃
بسیار غم مخور کہ جہاں نیست پائدار حافظ
نزاع بر سرِ دنیائے دوں مکن درویش
چوں چمن پژمردہ گردد زعفراں پیدا شود
گلوں کے بعد ہوا کرتے ہیں ثمر پیدا داغ
کہ کس ہمیشہ گرفتارِ غم نخواہد ماند
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ۔ گھبرائیں کیا
فصلِ گل۔ ساتھ لئے جام و سبو آتا ہے
گذریں ہیں مدتیں نہیں ہوتا کہن لباس امیر
ہلاکِ جان نہ کر آج فکرِ فردا میں ناسخ
آئی بہار۔ خشک جو گلزار ہو چکا۔ امیر
کوئی نہیں تیرا۔ تو میری جان خدا ہے۔ غالب
اب کچھ خیال دل میں نہیں جز خیالِ دوست جرأت
ظفر یہ دولت و حشمت نہیں کی سب ہیں چھوڑی
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی غالب
سبز پتے اس چمن سے زرد صورت لے گئے آتش
نومید بھی نہ ہو کہ خدا کارساز ہے بیاں
اک دن شبِ فراق میں ہے یہ سحر کہاں ناسخ

فقر و فقیری

۱ فقیر اللہ کے ہیں بوریائے فقر ہے بستر
توکل پر نظر۔ تکیہ ہے اپنا۔ ذات باری

۲ جیتے جی خاک میں مل جاؤ فقیری یہ ہے
کپڑے مٹی سے نہ ملکر فقیرا ہیں رنگو

۳ خاک واکسیر کی ہے قدر برابر ہمکو
کر دیا فقر کی دولت نے تونگر ہم کو

۴ اے ہما پیش فقیری سلطنت کیا مال ہے
بادشاہ آتے ہیں پابوس گدا کیواسطے

۵ ہم فقیروں کے ہوئے سلطنت سر میں نہ آئے
گر ہما آکر لگائے آشیاں بالائے سر

۶ دولت فقر کے حضور گرد ہے جاہ و سلطنت
کہتے ہیں جس کو ہما اپنی نظر میں زاغ ہے

۷ تیری درگاہ کے فقیروں کیلئے اے محبوب
تخت پر اپنی جگہ کرتے ہیں سلطاں خالی

۸ اس بوریائے فقر کی توقیر دیکھنا
جھک کر سلام کرتے ہیں مسند نشیں مجھے

۹ فقر کی دولت غنی کر دیتی ہے انسان کو
جسکو یہ منصب ملا۔ جاگیر کی حاجت نہیں

۱۰ امارت کا مزہ یاں فقر کی دولت سے حاصل ہے
اٹھایا بوریے پر چین پھولوں کی چھپر کھٹ کا

۱۱ تیرے در کے فقیروں کو شرف ہے بادشاہی سے
جسکو یہ منصب ملا۔ جاگیر کی حاجت نہیں

۱۲ چھوڑ کر ہم نے امیری۔ کی فقیری اختیار
بوریے پر بیٹھے ہیں قالین کو ٹھوکر مار کر

۱۳ بادشاہی سے فقیری کا ہے پایہ بلند
بوریہ چھوڑ کے کیا تخت سلیماں مانگوں

۱۴ کب مزے سے فقر کے ہوتے ہیں واقف بادشہ
حظ مسند اور لطف بوریا کچھ اور ہے

۱۵ گرچہ درویش ہیں یہ لوگ مگر جانیں تو
سلطنت مول تیرے در کے گدا لیتے ہیں

۱۶ مالک کونین تھے گو پاس کچھ رکھتے نہ تھے
دو جہاں کی نعمتیں تھیں انکے خالی ہاتھ میں

۱۷ ترے درویش میں ہیں ساتھ استغنا کے وحشت بھی
بغل میں بوریا ہے پاؤں میں تخت سکندر

۱۸ فقیری جس نے کی گویا کہ اس نے بادشاہی کی
جسے ظل ہما کہتے ہیں درویشوں کا کمبل ہے

۱۹ نعمت فقر سے محظوظ ہوا ہوں ایسا
خشک کر کے انہیں کھاؤں جو ملیں تر ٹکڑے

اے تاج شاہ نہ سر کو فرو لاؤں تیری پاس
بیٹھے تکیہ بھی لگا کر نہ کبھی اُس دِن سے
رہا وزیر سے مطلب نہ بادشاہ سے کام
جنگ ہیں غالب امیروں پر نہ کیونکر ہوں فقیر
ہم فقیر ایسے ہیں اے شاہ کہ جاڑا جو لگا
حماقت ہے غرورِ جاہ اہلِ فقر کے آگے
دونوں جہان کی جو ملے سلطنت نہ لیں
طعنہ زن ہوں نہ لباسِ فقر اپر منعم
اللہ کے فقیر کا دِل کیوں نہ ہو سخی
بس فقیر اس جا وہی ہے جو کوئی ہے بے سوال
ثابت قدم فقر کو ہے نفس کشی شرط
یہ حال ہو اُس کے فقیروں سے ہویدا
تو گردہِ فُقرا کو نہ سمجھ بے جبروت
عرش پر ہے نمد پوشانِ اُلفت کا دماغ
دین و دنیا کے تماشے بھی یاں ہیں حاضر
رکھتے ہیں فقیری میں دماغ اہلِ دول کا
فقیری کا ترے کوچہ کی جن کے سر کو سودا ہے
آرام سے ہوں فقر کے بستر پہ ہیں گدا
عبث ہے فاقہ تمول پر ان امیروں کو
جو اس غنی کے در کا دِل و جاں سے ہے فقیر
در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے

ہے معتقد فقیر نمد کی کلاہ کا
ہم فقیروں نے لیا جب سے سہارا تیرا
چھڑایا فقر نے اِک اِک کی التجا سے غرض
زور چل سکتا نہیں کمبل کے آگے شال کا
پھاڑ ہیں تاپنے کو بال ہما کے جھونکے
یہ تاج و تخت ہے ردکردہ ابراہیم ادہم کا — آتش
مستغنی ہیں جو یار کے در کے فقیر ہیں — رند
پشم دونوں ہیں ترے شال ہمارے لوئی
تکیہ ہے کیسے خسروِ مسکیں نواز کا — آتش
لے لیا جام گدائی جس نے وہ جم ہو گیا
بے دیو کے مارے ہوئے رستم نہیں ہوتا — آتش
آلودۂ دنیا جو ہے بیگانہ ہے اُس کا
ذاتِ مولائی میں یہی لوگ سما سکتے ہیں — انشا
اوج دولت کا سا ہے یاں فقر کی بستی کے بیچ
ہے وُہ کیا شے کہ فقیروں کے جو بستر میں نہیں — انشا
ہم جھونپڑے میں دیکھتے ہیں خواب محل کا
پروں کا تکیہ وہ سمجھے ہوئے ہیں خشتِ بالیں کو — آتش
تکیہ ہے جب سے رازقِ مطلق کی ذات پر — امیر
اوٹھا کے لائے ہیں کوڑا فقر کے گھر کا — امیر
کیا حاجتِ سوال ہے اس کو امیر سے
سر جھکا رکھتے ہیں سب۔ ہم واں قدم رکھتے ہیں

۴۱	مجھ خاکسار کو نہیں حاجت سریر کی	ہے بوریائے فقر پہ عزت فقیر کی
۴۲	باغ جہاں میں مجھ سا نہ ہوگا غنی فقیر	سر میں ہوائے دولت جاہ و حشم نہیں
۴۳	ہم فقیروں کو ہے دیوار کا سایہ کافی	خوش رہیں وہ کہ جو خسخانہ میں آرام کریں
۴۴	چشم خواہش سے نہ دیکھا کبھی دولت کیطرف	مالِ مردار غذائے سگ دنیا سمجھا
۴۵	یکساں ہے مرتبہ یہاں اکسیر و خاک کا	ہمت تو بادشاہ کی ہے گو فقیر ہیں
۴۶	چاہے رضائے حق تو فقیری کر اختیار	عقبےٰ بخیر ہوتی ہے تاج و نگیں سے کب
۴۷	ایسی سجی ہے سر پہ ہمارے کلاہِ فقر	جس کے حضور ہو نہ سکے تاج شاہِ سر
۴۸	نہیں ہے کچھ تو کیا۔ یہ فخر کچھ کم ہے فقیروں کو	فقیری ہے وہ دولت جو نہیں ملتی امیروں کو
۴۹	فقر کے کوچہ میں قدرِ دولتِ دنیا نہیں	ٹھوکریں کھاتے ہیں یاں پارس سے پتھر سینکڑوں
۵۰	منزلِ فقر و فنا جائے ادب ہے غافل	بادشاہ تخت سے یاں اپنے اُتر لیتا ہے
۵۱	ہو سکے تیرے فقیروں سے اطاعت کس کی	لائق بندگیِ غیر یہ آزاد نہیں
۵۲	نہ چھوڑا فقر میں بھی شیوۂ مردانگی اے رند	نیستاں بوریہ تھا میرا۔ میں شیر نیستاں تھا
۵۳	زنہار ادھر کھولیو مت چشمِ حقارت	یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے
۵۴	کسی کے دل میں رہے تا نہ حسرتِ شاہی	فقیر اس لئے نام اپنا شاہ کرتے ہیں
۵۵	فقیر وجد میں گر ہاتھ اُٹھائے عالم سے	تو پہنچے عرش پہ وہ کودتے اُچھلتے ہاتھ
۵۶	پھیلاتے نہیں دستِ سوال آگے کسی کے	مٹھی کو سدا رکھتے ہیں تیرے فقرا بند
۵۷	سائل صبر و سکونت ہے خدا سے شب و روز	منصبِ فقر ہے مطلوب مجھے سلطاں سے
۵۸	حسرتِ شاہی ترے در کے فقیروں کو نہیں	تخت ہے ہمکو زمیں چتر آسماں بالائے سر
۵۹	قالین کی احتیاج نہیں کچھ فقیر کو	بہتر نمد کے فرش سے بستر ہے کھال کا
۶۰	گر کلاہِ فقر سے تو آشنا ہو جائے گا	بار سر پر طرۂ بالِ ہما ہو جائے گا
۶۱	کیا فقر میں گذر ہو چشمِ طمع سیئے بِن	ہے وہ راہ تنگ ایسی جیسے سوئی کا ناکا

۶۲ افسرِ شاہی کو سر پر جب سمجھتے ہیں وبال — کیوں اثر مرہونِ منت ہوں ہمارے بال کے — اثر

۶۳ کس شان سے رہتا ہے اللہ کا دیوانہ — انداز ہیں شاہانہ۔ سامان گدایانہ

۶۴ دلِ فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے — دُنیا کے زر و مال پہ میں تف نہیں کرتا — ذوق

۶۵ غنی دلوں کو کسی شے کی احتیاج نہیں — فقیر کب ہوسِ عزّ و جاہ کرتے ہیں — سحر

۶۶ ظفرؔ مطلب فقیروں کو کسی کی کیا شکایت سے — کہ یاں تو صبر و تسلیم و رضا کا کارخانہ ہے — ظفر

۶۷ بوریائے فقر بہتر مسندِ قاقم سے ہے — کیا کرونگا مول لیکر اطلس و کمخواب کو — آباد

۶۸ مسندِ شاہی کی عزّت ہم فقیروں کو نہیں — فرش ہے گھر میں ہمارے چادرِ مہتاب کا — آتش

۶۹ فقیری نے دیا ہے رتبہ اعلےٰ بادشاہی سے — دو عالم ہی مرا دل ہے جہاں میں جام تھا جم کا — "

۷۰ کیا مالِ رُعب فقر کے آگے ہے سلطنت — رویا میں سر سے افسرِ نوشیرواں گرا — ناسخ

۷۱ تباہی کا ہے اندیشہ جہازِ اہلِ دنیا کو — نہیں ہے کشتی درویش کو کچھ خوف طوفاں کا — "

۷۲ گدا ترے درِ دولت کے ہیں یہ مستغنی — جو سلطنت بھی ملے تو نہ اختیار کریں — "

۷۳ دولتِ شاہی باطن بھی اگر چاہے تو — تو ارادت سے ظفرؔ تم فقرا سے مانگو — "

۷۴ ساتھ اپنے کوئی اسبابِ سفر لیتا ہے — تو فقیر اس گھڑی سر زانو پہ دھر لیتا ہے — انشا

۷۵ جامِ جم سے اُسے رتبے میں سمجھتے ہیں زیاد — بھیک جس کاسے میں تیرے فقرا لیتے ہیں — رند

۷۶ عزیز رکھتے ہیں ہم اسکو تختِ شاہی سے — فقیر ہیں کوئی چھینے نہ بوریا ہم سے — باسط

۷۷ غنی ہوں فقر میں بھی آ گیا مہمان جب کوئی — نہ کھائی خود اسی کے سامنے نانِ جویں رکھدی — نفیس

۷۸ فقیر جائے کمر بند باندھتے ہیں سدا — کمر میں ہمتِ پُر استوار کے تسمیں — ظفر

۷۹ دولتِ شاہیٔ باطن بھی اگر چاہے تو — تو ارادت سے ظفرؔ تم فقرا سے مانگو — "

۸۰ فقیر کو نہیں درکار شان امیروں کی — سرِ برہنہ سرِ گوشوارہ کیا کرتا — آتش

۸۱ خود آئے کچھ غرض ہو اگر بادشاہ کو — اوٹھے گا یہ فقیر نہ اپنے مقام سے — امیر

۸۲ نعمتِ فقر میں بھی یاں نہیں تنہا خوری — بانٹ کھاتا ہوں جو ہوتے ہیں میسر ٹکڑے — آتش

۴۳ جہاں کی سرد مہری سے نہیں غم ہم فقیروں کو | دوشالوں سے کہیں بڑھ کر گدڑیاں پاس ہیں

خوئے سوال

۱ کس کے دروازے پہ جائے وہ کرے کس سے سوال | دربدر کی بھیک کی خو تیرے سائل میں نہیں

۲ ہمت نہیں اگر فلکِ دوں کو کیا ہے غم | یاں لب بھی آشنا نہیں حرفِ سوال کے

۳ کریم ذات ہے جس کی بنیں اس سے سائل ہوں | کسی لئیم سے درویش کا سوال نہیں

۴ بخشش پہ دو جہاں کی آئی تھی ہمتِ دہر | لیکن نہ یاں زباں تک حرفِ سوال آیا

۵ مجھ گدا نے بھی کسی شاہ سے ڈالا نہ سوال | گو مجھے بخت نے اسکندر و دارا نہ کیا

۶ خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر | یہی وہ در ہے۔ ذلت نہیں سوال کے بعد

۷ درِ کریم نہیں سیرگاہِ مغروراں | نہ آئے یاں وہ۔ نہ ہو جو سوال سے واقف

۸ تنگ ہمت ہے اگر دولت کو نہیں ملے | جو نہ ہو پورا کسی سے وہ سوال اچھا ہے

۹ سب کے خالق نے بنائے کاسۂ سر واژگوں | آدمی اس پہ بھی پیشِ آدمی سائل ہوا

۱۰ عاشق کی اور فقیر کی صورت سوال ہے | مطلب سمجھ لیں۔ آپ تو روشن ضمیر ہیں

۱۱ فریاد بھی کرتا ہوں تو اللہ سے اپنے | اس در کے سوا میں کہیں سائل نہیں ہوتا

۱۲ چو کارساز ز حاجات آگہی دارد | برائے چیست دعا و چہ سود حرفِ سوال

۱۳ اے فلک نعمتِ دنیا مجھے درکار نہیں | مثلِ دریوزہ گراں مجھ کو تو دَر دَر نہ پھرا

۱۴ بھیک سے بدتر دعا بھی مانگنا انساں کو ہے | ہاتھ آئے بے طلب نانِ جویں گر خشک ہو

۱۵ نہ ہیچ میدانی کہ سگ را چیست غوغا با گدا | منع مے سازد کہ جز حق بہ درِ دیگر میا

۱۶ تو جو ہے بندۂ حق بیٹھ خدا کے دَر پر | دَربدر پھر کے نہ بن حرص و ہوا کا بندہ

۱۷ برائے یک لبِ ناں دربدر چہ میگردی | تُو راہِ درگہِ حق را مگر نمیدانی

۱۸ اے دل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلا | مانگ اُس سے جس کے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھا

خدا سے مانگ اے دل شرم کر بندوں کی منت سے ‏— جو حاجتمند ہے ہر دم وہ کیا حاجت روا ہوگا

محتاج غیر کو نہیں اک حال پر ثبات ‏— کیا رنگ دیکھنے نہیں تم ماہتاب کا

نہ اٹھ کر در بدر ہو کنج عزلت میں جو بیٹھا ہے ‏— دہن سے پیٹ بھر کر بقید دیکھا ہم نے دنداں کو

گھر بیٹھے ہیں ہاتھ لگی منزل مقصود ‏— جب ٹوٹ کے ہم بیٹھ رہے پاؤں طلب کے ‏(امیر)

بے طلب سے اس قدر نفرت کہ رہتا ہی خیال ‏— آنہ جائے لفظ لب پر یا کے استعمال کا

یکتا در در پھرے اور دُر دُر۔ دُر دُر ہوئے ‏— ایک ہی در کا ہو رہے تو دُر دُر کرے نہ کوئی

ترن نے تول ارتول تے ہر دو جا چک جات ‏— پُولن تہ نال ڈوہنگ آتن ہی۔ مانگن ڈوبے مان

بھوکے گھر میں سو رہو دس فاقے ہو جائیں ‏— تلسی بھیا مانگنے بھول کبھو نہیں جائیں

تلسی پر گھر جائے کے دکھ نہ کہیئے روئے ‏— بھرم گنوا دے اپنا اور بانٹ نہ دیوے کوئی

مانگن مرن سمان ہے مت کوئی مانگے بھیک ‏— مانگن سے مرنا بھلا یہ ستگور کی سیکھ

بھیکھک بھیکھ نہ مانگئی۔ گھر گھر سیکھ سکھال ‏— دیکھو دیکھو ہر ہیت دکھن تا تو ہم سم حال

بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے ‏— وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے ‏(غالب)

کریم جو مجھے دینا ہو بے طلب دیدے ‏— فقیر ہوں پہ نہیں عادت سوال مجھے

کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں ‏— مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

چیز مانگے کی ہو اچھی بھی تو کس مصرف کی ‏— ہو برا بھی مگر اپنا ہو تو مال اچھا ہے ‏(امیر)

مجھ کو لباس فقر سے ہے عار اس لئے ‏— تا سینہ تانئے کہیں صورت سوال کی

جز خدا جھکتے نہیں ہم بادشہ کے سامنے ‏— ہاتھ پھیلائے توانگر کیا گدا کے سامنے

شرم آتی ہے کروں کیا اہل دولت سے سوال ‏— حرف حاجت کی ہوئی ہے تا بہ لب مشکل پہنچ ‏(فصاحت)

سوال سے ہے یہ نفرت نہ ہاتھ اوٹھاؤں امیر ‏— پڑھوں جو فاتحہ میں تربت توانگر پر ‏(امیر)

بیحیائی سے ہے دنیا میں حصول مقصد ‏— نظر آیا نہ کبھی کاسۂ سائل خالی ‏(ناسخ)

لگے کسو کے کیا کریں دست طمع دراز ‏— وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے ‏(میر تقی)

۴۰ ہم بھی فلک سے کرتے کسی چیز کی طلب — ڈھونڈا پر اپنے دل میں تو کچھ چاہ ہی نہیں

۴۱ وہ پیاسا ہوں کہ مر جاؤں نہ مانگوں خضر سے پانی — گئی جب آبرو پھر خاک آبِ زندگانی ہے

۴۲ تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے — سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

۴۳ طمعِ خام سے جو پھیلے کسی کے آگے — یا رب ایسا تو مجھے ہو نہ میسر دامن

۴۴ باعثِ ذلت و خواری ہے دِلا دستِ سوال — ہاتھ پھیلانے سے کب رہتی ہے عزت باقی

۴۵ کسی کے سامنے پھیلاؤں میں کیا دستِ سوال — یہ ہاتھ تو کبھی اُٹھے نہیں دعا کے لئے

۴۶ غربت کے رنج فاقہ کشی کے مَلال کھینچ — اے داغ پر زمانے سے دستِ سوال کھینچ

۴۷ رزق کا قدرت میں ہر جا دیکھتے ہیں اہتمام

۴۸ کیوں گنوائیں حرمت اپنی ہاتھ پھیلاتے ہوئے

توکّل

توکل پیشہ را کا آں رساند خود خدا روزی — کہ کودک بے طلب یابد ز مادر شیر پستاں را

۲ ہوا ہوں مہماں جس روز سے خوانِ توکل پر — زباں پاتی ہے میری لذّتِ شکرِ خدا کیا کیا

۳ زباں کو ذائقہ دیتا ہے کیا کیا مردِ قانع کی — نہیں کم قند و شکر سے نمک خوانِ توکل کا

۴ فقیر اللہ کے ہیں بوریائے فقر ہے بستر — توکل پر نظر تکیہ ہے اپنا ذاتِ باری پر

۵ زیادہ ہوگا توکل سے بھی کہیں روزہ — کہ اس میں آیا تو روزی ہے اور نہیں روزہ

۶ واقف جو کبھی ہوتے توکل کے مزے سے — مفلس کبھی دنیا میں نہ زردار کو تکتے

۷ حرصِ دنیا پر کمر تو کس لئے باندھی ہے چست — سُست اے غافل کمر بند توکل کیوں ہوا

۸ مردِ درویش ہوں تکیہ ہے توکل میرا — خرچ ہر روز ہے یاں آمدِ بالائی کا

۹ نیتِ اہلِ توکل ہے کرم نے بھر دی — سیر نعمت سے دو عالم کے ہیں مہماں تیرا

۱۰ خدا پر رکھ نظر طالب اگر ہے دین و دُنیا کا — یقین ہے دولتِ کونین حاصل ہو توکل سے

خدا چاہے تو رندا کے دُرِ مقصود ہاتھ آئے ۔ توکل کر کے اک غوطہ لگا تو بھر سمندر میں — رند

تماشہ نخل ہے نخلِ توکل ۔ ہر اک میوہ ہے رکھتی اس کی ہر شاخ

منزلِ عشق و توکّل منزلِ اعزاز ہے ۔ شاہ سب بستے ہیں یاں کوئی گدا ملتا نہیں

نظر اللہ پر رکھو۔ نہ گھبراؤ کہ یہ سچ ہے ۔ خدا خود میرِ سامان است اربابِ توکل را

منعقد ہو گئی بزمِ توکل آخر ۔ اب وہ نالہ نہیں شورش نہیں فریاد نہیں

پہنچتی ہے مجھے ہر صبح بے کوشش مری روزی ۔ توکل آدمی کے واسطے گویا موکل ہے

چکھا کے خوان کا اپنے نمک توکل نے ۔ زباں کو مزۂ لقمۂ حلال دیا — آتش

سوئے دولت نظر آئی نہ جو راہِ اعزاز ۔ مسندِ صبر و توکل ہی پہ ہم تن بیٹھے

ہیں جو اربابِ توکل وہ ہوں کسکے محتاج ۔ کشتیِ نوح کو کچھ حاجتِ ملاح نہیں — ناسخ

توکل نر بود اندیشہ مادہ ۔ چرا غم میخوری اے مرد سادہ

رہا جو اس کو سمجھے من و سلویٰ ۔ توکل پر رہا شام و سحر خرچ — آتش

سبزہ بر بالا کوہ از آبِ دریا فارغ است ۔ بے ہوایاں را خدا رزقِ ہوائی مے دہد

تلسی بروا باگ کے سینچت ہی کملائیں ۔ رام بھروسے جو رہیں پربت پر ہریائیں — تلسی

روز دیگا وہ یونہیں حسبِ تمنا مجھکو ۔ آج ہو کس لئے اندیشۂ فردا مجھکو

خدا خانہ بدوشوں کی کرے خود خانہ سامانی ۔ کہ ہر شب کو نئی منزل بنا دانہ نیا پانی

ان کو کیا کام توکل سے جو بن جاتے ہیں ۔ قاب پر پانی پہ ہر اہلِ دول کی نکھی — نصیر

اہلِ دولت سے نہیں مطلب انیس ۔ یاں توکل ہے سدا اللہ پر — انیس

ہیں توکل سے شکیبائی اگر پیدا کروں ۔ خاکِ صحرائے قناعت سے شکر پیدا کروں — گویا

گھر میں بیٹھا رہوں توکل کے ۔ سچ ہے ناسخ کہاں کہاں جاؤں — ناسخ

خود ہی پہ تکیہ نہ بالکل کرے ۔ خدا پر بھی انساں توکل کرے — ظفر

کبھی نہ اہلِ توکل کو دیکھا گردش میں ۔ پھر آیا کرتا ہے انساں کو دربدر لالچ — زیب

۳۲ جان اہلِ توکل انہی اشخاص کو ۔ جو ہیں … مخلوط پیاز و نمک ولرده جو سے

۳۳ ایک کشکول توکل ایک نقدِ جاں ہے پاس … ہیں غنی دل کے کوئی دام و درم رکھتے نہیں

۳۴ چاہیے کنجِ قناعت میں توکل اے ظفر … باندھنی سیکھے کوئی اہلِ توکل سے کمر

۳۵ کیا درمانده ایسا بارِ احسانِ توکل نے … اگر اپڑتا ہے کشکولِ گدائی دستِ سائل سے

۳۶ ہے توکل پر مدار اس کا تو بس اس کا معیں … ایک گر جائے گا پیدا دوسرا ہو جائیگا

۳۷ سامانِ توکل ہے مجھے عظمتِ شاہی

۳۸ دریوزه گرِ نقشِ حصیرِ فقرا ہوں

قناعت

۱ ۲ قناعت آ مرے سینے سے لگ جا … تو ہی راحت فزائے جسم و جاں ہے

۳ دولتِ دنیا سے مستغنی قناعت نے کیا … جانتے ہیں خاکِ کوئے فقر کو اکسیر ہم

۴ کنجِ عزلت میں قناعت کی جو نانِ خشک پر … نعمتیں دنیا کی جو کچھ تھیں مہیا ہو گئیں

۴ نہ تھا منزلِ عافیت کا پتہ … قناعت مری رہنما ہو گئی

۵ گر قناعت ہو تو نانِ خشک ہے نعمت وَلا … دیکھ لے پانی چراغِ گل کو روغن ہو گیا

۶ قناعت جسکو ہے وہ رزقِ ما یحتاج پر خوش ہے … سمجھ جسکو ہے اسکو بحثِ بیش و کم سے کیا مطلب

۷ پسند آئی ہے عزلت میں ہوں اب اور گھر کا گوشہ ہے … خدا کی یاد منزل ہے قناعت اپنا توشہ ہے

۸ طلب گر نعمتِ اعلیٰ کی ہے کم پر قناعت کر … گلوں کو دیکھ پیاس آخر بجھا لیتے ہیں شبنم پر

۹ طلب اپنی نہ بڑھنے دو ضروری رزق کی حد سے … بچا لیگی قناعت تیری تجھ کو کفر کی زد سے

۱۰ کریگی مست قناعت ہی مجھ کو بادہ نوش … اگر شراب نہیں بھر دے آب شیشے میں (ناسخ)

۱۱ اگر غنی ہو بشر دولتِ قناعت سے … کسی کے آگے نہ دستِ طلب دراز کرے

۱۲ ہے ایک قناعت کو فقط نانِ جویں بس … درکار نہیں اُن کو تکلف کے سموسے (انشا)

۱۳ جو قناعت کے مزے سے آشنا ہو جائیگا | بھیک کا کاسہ اُسے دستِ دُعا ہو جائیگا

۱۴ جو کنجِ قناعت میں ہیں تقدیر پہ شاکر | ہے ذوقؔ برابر اُنہیں کم اور زیادہ — ذوق

۱۵ تمنا دولتِ دنیا کی اے آتشؔ نہیں رہتی | قناعت سے غنی اللہ کر دیتا ہے مسکیں کو — آتش

۱۶ باغِ جہاں میں گل کی قناعت ہے جائے رشک | عُمرِ دو روزہ ایک قبا میں تمام کی

۱۷ ہوا جو کوئی قناعت گزیں جہاں میں ظفرؔ | پھر اس نے گوشۂ امن و فراغ لے تو لیا — ظفر

۱۸ قناعت دی ہے مثلِ قبر مجھ کو خاکساری نے | رہونگا باغ باغ آتشؔ میں اک پھولوں کی چادر میں — آتش

۱۹ ہوس ہے رہنما ہر دم درِ اربابِ دولت کی | قناعت کہتی ہے بیٹھو خدا ہے کارساز اپنا

۲۰ معروفؔ میرے پاس ہے وہ گنجِ قناعت | اسکندر و دارا کی بھی شوکت سے نہ بدلوں — معروف

۲۱ لبِ نانِ جوین خشک رکھتا ہے دہن شیریں | قناعت شہد ہے آتشؔ ہوا و حرص حنظل ہے

۲۲ بڑی دولت ہے درویشی جو ہمراہ ہو قناعت کے | کہ عرصہ تنگ ہے حرص و ہوا سے تاجداروں پر

۲۳ ملجائے نانِ خشک تو نعمت سمجھ اُسے | پیوند حرص کا نہ قناعت میں چاہیئے

۲۴ گر خدا دیوے قناعت ماہِ یک ہفتہ کی طرح | دوڑے ساری کو کبھی آدھی نہ انساں چھوڑ کر

۲۵ ہے کشتئ نجات قناعت ہی غافلو | ڈوبیں گے بحرِ غم میں جو ہیں آشنائے حرص — ناسخ

۲۶ در خشک سال آبِ گہر کم نمے شود | بخلِ فلک بہ اہلِ قناعت چہ میکند

۲۷ کل جہاں مُلک اور جو کی روٹی غذا | اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

۲۸ شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ | قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے — آتش

۲۹ ما آبروئے فقر و قناعت نمے بریم | با پادشاہ بگوئے کہ روزی مقرر است

۳۰ کھلا ہے باغِ قناعت میں غنچۂ خاطر | خدا بچائے کہیں حرص کی ہوا نہ چلے

۳۱ قناعت ایسی حاصل ہے تری دولت جنوں مجکو | چمکتی ہے جو ریگِ دشت گویا گنجِ قاروں ہے

۳۲ ہیں جو قانع خانہ ویرانی میں بے ساماں نہیں
ہے ہر اک روزن مرے بیت الحزن میں آئینہ

۳۳ نہیں ہے قانع کو خواہش زر۔ وہ مفلسی میں بھی ہے توانگر
جہاں میں مانندِ کیمیاگر ہمیشہ محتاج دل غنی ہے

۳۴ اثرِ زہد و قناعت نے بنایا اخگر
ہاتھ میں لیتے ہی بس ہم نے تو زر چھوڑ دیا

۳۵ نظر میں اُن کے جنکو دولت استغنائی بخشی ہے
مگس سے ہے ہما بہتر۔ ہما سے ہے مگس بہتر

۳۶ نہ ستم کا کبھی شکوہ نہ کرم کی خواہش
دیکھ تو ہم بھی ہیں کیا صبر و قناعت والے

۳۷ کیا کرتے ہیں خونِ آرزو۔ گنج قناعت ہیں
ہمارے پاس جائے گنج زر۔ گنج شہیداں ہے

۳۸ کیا قناعت عشق کی دولت سے ہوتی ہے حصول
لاکھ عاشق کو ہے کافی ایک دانہ خال کا

۳۹ گوارا ناگوارا بھی ہو بدگردیے دوراں سے
اوبالے پر قناعت کرتے ہیں سب قحطِ روغن میں

۴۰ اے قناعت توانگرم گرداں
کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست

۴۱ شرابِ دولت سے مست ہیں وہ مئے قناعت سے ہم ہیں سرخوش
نہیں ہے کچھ باہمی تعلق وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

۴۲ مستِ صہبائے قناعت نہیں مجھ سا کوئی
کاسۂ فقر خجل ہے مرے پیمانے سے

۴۳ جو اٹھاتا ہے طمع سے ہاتھ وہ بے رنج ہے
طائرِ رنگ پریدہ کو خطر کیا جال کا

۴۴ گلشن دہر میں شبنم کی طرح قانع ہوں
قطرۂ آب ملا تو اُسے دریا سمجھا

۴۵ خشک روٹی کا فقیروں کے مزہ جسکو پڑا
پھر نہ بیٹھے سفرۂ شاہاں پہ جا کر جوں مگس

۴۶ جتنے جگائے فتنۂ خوابیدہ حرص نے
سب آکے میرے گنج قناعت میں سو گئے

۴۷ دلا گر قناعت بدست آوری
در اقلیم راحت کنی سروری

۴۸ اے قناعت تیری مٹھی میں ہے اُن کی آبرو
شرم سے بہر دعا جو ہاتھ اُٹھ سکتے نہیں

۴۹ دنیا سے بے نیاز قناعت نے کر دیا
اکسیر کا جو کام تھا اکسیر سے ہوا

۵۰ ممکن نہیں بغیر قناعت فراغ بال
ہر چند تودہ تودہ تجھے سیم و زر ملے

۵۱ گر اقلیمِ قناعت کا سفر تا تجھ پہ روشن ہو
کہ چشم مور سے بھی تنگ تر ملکِ سلیماں ہے

دنیا اگر دہند نہ خیزم ز جائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بہ پائے خویش — بیدل

دل کو تو کر اپنی دولت سے قناعت کے غنی
بس بہت دستِ ہوس اپنا نہ ای غافل بڑھا — ظفر

ایسی راحت ملی قناعت میں
سو گئے پاؤں کنجِ عزلت میں — امیر

یہ دل نے کنجِ قناعت سے آشنائی کی
کہ ہاتھ اٹھا کے دعا کی شکستہ پائی کی — ”

دستگیری سے بری رکھتی ہی استغنائے دل
کھینچ لوں میں ہاتھ کوئی ہاتھ لے گر ہاتھ میں — شعور

ہو قناعت جو زندگی کا اصول
تنگدستی فراخ دستی ہے — اقبال

واقف ہے جہاں میں جو قناعت کے مزے سے
بس بھیک کا کاسہ ہے اسے ہاتھ دعا کا — رسا

ساکن گوشۂ قناعت ہوں
پاس سرمایۂ توکل ہے — سعید

حرص

حرص کے پھیلتے ہیں پاؤں بقدرِ وسعت
تنگ ہی رہتے ہیں دنیا میں فراغت والے

منہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے
ان حریصوں کو خدا اگر ساری خدائی دیتا

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسبابِ معاش
ہر چہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

منعماں را حرص زر باقیست تا روزِ حساب
تشنہ آخر تشنہ خیزد گر کشد دریا بہ خواب

ہے کشتیٔ نجات قناعت ہی غافلو
ڈوبیں گے بحرِ غم میں جو ہیں آشنائے حرص

نکلے دنیا سے کہاں احمق اٹھا کر بارِ حرص
رہ گیا وہ مثلِ خر دلدل میں پھنس کے بوجھ سے

حرص کرواتی ہے روباہ بازیاں سب ورنہ یاں
اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا

حرص و ہوا کو سینے میں غافل جگہ نہ دے
مطلب کو فوت کرتا ہے کیڑا کتاب کا

حرص دنیا حسنِ غارت گر کو رکھتی ہی خراب
بہرِ زر کرتے ہیں محبوبانِ سیم اندام رقص

گردِ غم کا ہے سبب حرص و ہوا سے پیدا
آندھیاں ہوتی ہیں تحریکِ ہوا سے پیدا

کوئی اتنا تو حریصوں کو سنا دے جا کر
ہاتھ خالی لئے جاتا ہے سکندر اپنا

١٢ قانع کو نہ یوں ہیں ہے سَو نعمتوں کا لطف — بھرتا ہے دلِ حریص کا نانِ جویں سے کب

١٣ اگر حرص ہوائے باغِ عالم سے جُدا ہوتے — تو حق یہ ہے کہ پھر اس شہر کو بہشت خدا ہوتے

١٤ طمع و حرص و ہوا نے کیا انساں کو خراب — کہ ہے یہ ساری خرابی انھی تینوں کے کام

١٥ ممکن نہیں ہے یہ کہ بھرے کاسۂ طمع — دن میں کروڑ در جو پھر آئے گدائے حرص

١٦ مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا — آفتاب اونچا ہوا اتنا کہ تارا ہو گیا

١٧ سعی سے فارغ نہیں ہر چند ہوں سیر اہلِ حرص — ہو دہن لبریز نعمت سے زباں گردش میں ہے

١٨ حرص دامنگیرِ دُنیا۔ مالِ دنیا بے ثبات — جسقدر حاصل کیا اس سے سوا جاتا رہا

١٩ آرام پھر کہاں ہے جو ہو دل میں جائے حرص — آسودہ زیرِ چرخ نہیں آشنائے حرص

٢٠ حرص و ہوا سے باز رہے دل تو خوب ہے — ہے پھر اس گلی کے تئیں گر ہوا لگے

٢١ کوششیں بے سود ہیں جس ان میں کہوں یہ حریص — وُہ ملے گا جو ازل کے دن مقدر ہو گیا

٢٢ اگر انسان قانع ہو غنی ہووے دو عالم میں — ہوا و حرص لیکن اس کی مٹی خوار کرتی ہے

٢٣ شہد میں جیسے مگس ہم حرص میں پابند ہیں — وائے غفلت اس پہ زنداں میں بھی خورسند ہیں

٢٤ تو رشتہ عمر اپنی سے مانے جو مری بات — مت حرص و ہوا باندھ کہ بودا ہے یہ تاگا

٢٥ حرص سے زاہد یہ کہتا ہے جو گر جائینگے دانت — کیا کشادہ پھر رزق اپنا وہاں ہو جائے گا

٢٦ ہے جوں مہ و خورشید زر و سیم میسّر — تو بھی تو حریصوں کے تئیں دربدری ہے

٢٧ اگر آرام کی خواہش ہے تجھ کو قیدِ ہستی میں — تو اپنے دل میں استغنائے حرص و آز پیدا کر

٢٨ اِس قدر اہلِ جہاں کو ہے محبت زر سے — پیٹ میں مارتے سونے کا جو خنجر ہوتا

٢٩ اے مرغِ دل سمجھ کے تو چشمِ طمع کو کھول — تو نے سُنا ہے دام جسے ہے وُہ دانے ہیں

٣٠ خواہی کہ آبروئے نہ ریزی بہ زیرِ خاک — بر سفرۂ زمانۂ دُوں چوں مگس مباش

٣١ گھر امن کا اسی کو ملا زیرِ آسماں — جسنے جہاں میں آن کے مسمار کی ہوس

٣٢ خاک اُڑائی جو رہِ حرص میں تو اور بھی — اہلِ دُنیا کے سوا جامۂ ناپاک پہ گرد

آتشِ حرص پئے مزرعِ دل آفت ہے ۔ دیکھ کھیتی تیری اے مردِ خدا جلتی ہے — نجیل

آفت ہے یوں جہان میں اہلِ ہوس کے گرد ۔ ہو عنکبوت گھات میں جیسے مگس کے گرد — امیر

ناداں تلاشِ طرۂ زر سے تو باز آ ۔ جُوں شمع یُوں نہ ہو کہ تیرا سر کٹائے حرص — سودا

ہوائے جاہ و دولت وجہِ ناکامی ہوئی ۔ ورنہ ۔ ہمارا بُوریائے بے ریا تختِ سلیماں تھا

رکھتے ہیں حرص ایسی گر اختیار رہوتا ۔ لیجاتے اہلِ دُنیا زر باندھ کر کفن میں — جرار

جس اِنساں کو سگِ دُنیا نہ پایا ۔ فرشتہ اس کا ہمپایہ نہ پایا

جلا ہے حرص و ہوائے دنیا کہ جس سے چکر میں ہیں سب انسان
کیا پریشاں ان آندھیوں نے تمام ذروں کو خاک اڑا کر — امیر

صرصرِ حرص و ہوا سے ہے مکدّر عالم ۔ اے ظفر سب کے پڑی ہی رخِ ادراک پہ گرد — ظفر

ہے محالِ عقل زیرِ آسماں ۔ حرص ہو جس دِل میں وہ خرم رہے — درد

اگر جمعیت دل ہے تجھے منظور قانع ہو ۔ کہ اہلِ حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں — درد

اگر تم چاہتے ہو محرمِ اسرار ہوجانا ۔ سکھاؤ اپنے دل کو حرص سے بیزار ہوجانا — اکبر

غارتگر ناموس نہ ہو ۔ گر ہوسِ زر ۔ کیوں شاہدِ گُل ۔ باغ سے بازار میں آئے — ظفر

آسودہ زیرِ چرخ نہیں آشنائے حرص ۔ دِن میں ہزار در جو پھر آئے گدائے حرص — سوز

کیوں حرص دی کہ سارے عطا نخل ہو گئے ۔ کچھ بھی نہیں دیا ۔ جو دیئے دو جہاں مجھے — تلق

مجھ گدا کو دے نہ تکلیفِ حکومت اے ہوس ۔ چار دن کی زندگی میں بادشاہی کیا کروں — امیر

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے ۔ ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا؟ — غالب

حریصوں کو نہیں جا ۔ وُسعت آبادِ قناعت میں
جو کھینچے ہاتھ کو وُہ پانوں پھیلا دے فراغت سے — ذوق

مُنہ سے بس کرتے نہ ہرگز یہ خدا کے بندے ۔ گر انہیں آگے خُدا ساری خدائی دیتا — ״

نکلے دنیا سے کہاں احمق اٹھا کر بارِ حرص ۔ یہ گدھا تو رہ گیا دلدل میں پھنس کے بوجھ سے — ״

۵۲ اڑائی حرص نے آکر جہاں میں سب کی خاک
نہیں ہے کس کو ہوا زیر آسماں لگی

۵۳ مقدور حریصوں کو ظفر ہو نہ زر و سیم
لیں باندھ پس از مرگ بھی یکمشت کفن میں

۵۴ سلطنت پہلے ہی کرتا نہ قبول ابراہیم
گر نہ ہوتی ہوسِ تاج و نگیں تھوڑی سی

۵۵ طمع کی لت مرے پر بھی نہیں جاتی حریصوں سے
کم تحت الثّریٰ میں جاکے قارونکی ٹولی ہو

۵۶ آبرو کھوتی ہے پھر بھی رکھتی ہے ناکام حرص
دشمن عزّت ہی جسکا ہے جہاں میں نام حرص

۵۷ ناسخ نہ ہو جیو مگسِ خوانِ اغنیاء
سنتا ہوں یہ سخن لبِ نانِ جویں سے میں

۵۸ حرص نعمت کی بہت کرتی ہے انساں کو خراب
پھوٹ جائے بدن۔ اکسیر جو کھائے بہت

۵۹ منعمانِ دہر کا قابو چلے گر وقتِ مرگ
تعزیوں کی طرح لیجاویں مکاں بالائے سر

۶۰ سودا یسر ہو خوبی سے اوقات ہر طرح
پر درمیاں نہ ہووے بشرطیکہ پائے حرص

۶۱ کھلا جس کا دہانِ حرص وہ رہتا ہی چکر میں
صراحیاً جام مے گردش میں ہو اور آئینہ گھر میں

توڑیں جو پاؤں تو بھی جہاں میں پھرے حریص
بیٹھا گیا نہ کونے میں تیمورِ لنگ سے

دنیا کی ساری خاک اگر ہو غذائے حرص
ایسی ہی اے حریص رہے اشتہائے حرص

آشنائے زمانہ

۱ آشنا ہیں جتنے ہیں اپنی غرض کے آشنا
خوب دیکھا ہم نے اپنا آشنا کوئی نہیں

۲ عجب نا آشنا ہیں آشنا اس بحرِ ہستی کے
ڈبو دیتے ہیں اسکو ہاتھ یہ جس کا پکڑتے ہیں

۳ ہے عجب قسمت کہ سمجھے جسکو اپنا آشنا
آخر کار اس کو پایا آپ سے بیگانہ ہم

۴ یک رنگ آشنا نہیں ہم نے پرکھ لیا
منہ پر کھرے ہیں آپ مگر دل میں کھوٹ ہے

۵ اُٹھ گیا مہر و محبّت کا زمانے سے نشاں
آجکل کے آشنا بس آشنا کہنے کو ہیں

۶ زبانِ شکوہ سوا اب زمانہ میں ہیہات
کوئی کسی سے بہ ہمدگر آشنا بھی ہے

۷ مصیبت سخت تھی لیکن زمانہ دیکھ کر دل نے
کہا کیا فائدہ احباب کو آگاہ کرنے سے

یارانِ این زمانہ چوں گلہائے کاغذ اند
رونق دہند۔ رنگ دہند۔ بُو نمے دہند

کیا کوئی یاری کسی سے کرکے ہووے شاد کام
دوستی ہے دشمنی۔ الفت نہیں کلفت ہو اب

دوستوں کی اشک شوئی سے مجھے کیا فائدہ
اُنکو آنکھوں کی پڑی ہے مجھکو رونا دل کا ہے

غضب ہے دوستوں نے کردیا رازِ دروں ظاہر
مجھے امید تھی اُن سے وہ ہوں گے رازداروں میں

چار دن کی دوستی کا ہے زمانے میں رواج
کس توقع پر کسی سے آشنائی کیجئے
رند

یاں کون آشنا ہے ترا۔ کس کو تجھ سے ربط
کہنے کو یہ بھی لوگوں کو اک بات رہ گئی
درد

شکوہ عیاری ہے یاروں سے بیجا اے ظفر
اس زمانہ میں یہی ہے رسم یاری رہ گئی
ظفر

دوستی کے جو کیا کرتے ہیں دعوٰی احباب
وقت پڑتا ہے تو پھر آنکھ چرا لیتے ہیں

دوستوں سے ہم نے وہ صدمے اٹھائے جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

اُسے عیار پایا یار سمجھے ذوق ہم جسکو
جسے یاں دوست اپنا ہم نے جانا وہ عدو نکلا
ذوق

جو تونے کی سو دشمن بھی نہیں دشمن سے کرتا ہے
غلط تھا جانتے تھے تجھ کو جو ہم مہرباں اپنا

رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کے
بس اب دل سے شکووں کو دھونا پڑیگا

شامی بہت رہے ہیں احباب و آشنا
ایسا ملا نہ کوئی کہ اپنا کہیں جسے
شامی

غرض کی محبت غرض کی مدارا
عداوت نہاں۔ دوستی آشکارا

نہیں بکنے کا سودا ہم سے اس بازارِ عالم میں
عداوت کی ہے ارزانی۔ محبت کی گرانی ہے

ہے عبث شکوۂ بے مہریٔ ابنائے زماں
کاش دنیا میں کسی کا کوئی اے جاں ہوتا

ازل سے جانتے ہیں ہم نہیں مہر و وفا ہرگز
جہاں میں آزمائش خلق کی تحصیل حاصل ہے
ناسخ

کہوں کیا خوبیٔ اوضاعِ ابنائے زماں غالب
بدی کی اُسنے جس سے ہمنے کی تھی بارہا نیکی
غالب

اس دور میں گئی ہے مروت کی آنکھ پھوٹ
معدوم ہے جہان میں چشمِ حیا پرست
سودا

۲۷ کیا توقع رکھیے اپنوں سے کہ غمگساں ہیں مگر
آنکھ اگر دکھ جائے علاج اس کا ہو برگِ کاسنی

۲۸ سرخرو ہوں اے ظفر کیونکر عزیزوں سے عزیز
بے مروّت ہے زمانہ ۔ ہو گئے لہو سفید

۲۹ خیرخواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

۳۰ اب زُباں پر بھی نہیں آتا کہیں الفت کا نام
اگلے مکتوبوں میں کچھ رسمِ کتابت ہو تو ہو

۳۱ نہ اپنوں میں محبّت ہے ۔ نہ یاروں میں مروّت ہے
یہ کہیے کوئی کِس برتے پہ دُنیا میں کسی کا ہو

۳۲ خُوں سفید ایسا ہوا ابنائے زماں کا ناسخ
کیجیے قتل جو اُن کو تو ہو شمشیر سفید

۳۳ اپنے مطلب کیلئے ہر ایک بنتا ہے دوست
یوں کوئی بحرِ جہاں میں آشنا ہوتا نہیں

۳۴ دیکھ ہمصحبت کی دولت پر نہ رکھ چشمِ اُمّید
لَبِ صدف کے تر نہیں ہر چند گوہر میں ہے آب

۳۵ ثاقب بس اب تو گوشۂ عزلت میں بیٹھ رہ
مطلب کا اس زمانہ میں یارا نہ رہ گیا

۳۶ کیا حال پوچھتے ہو زمانہ کا اے ادیب
اُلفت عزیز میں ہے نہ مہرِ آشنا میں ہے

۳۷ نہیں حاجت روا ہمجنس ہمجنسوں کے دُنیا میں
یتیموں کی بجُھی ہے پیاس کِس دن آبِ گوہر سے

۳۸ باغِ عالم میں نہیں کوئی کسی کی سُننا
نہ دماغ اپنا کرے مرغِ خوش الحاں خالی

۳۹ کیوں ہو نہ جائے اہلِ جہاں کا لہُو سفید
الفت کا کر گیا ہے جہاں سے فرار رنگ

۴۰ جسے دیکھا اُسے خود مطلبُ خود غرضی کا پایا
آشنا پورا نہ دیکھا میں کہیں یاری میں

۴۱ دوستی کا مارتے ہیں یکدگر دَم آشنا
ہوئے ہے معلوم باہم آپڑی ہے جب غرض

۴۲ خاک میں ناموسِ پیمانِ محبّت مِل گئے
اُٹھ گئی دُنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے

۴۳ عزیزوں سے نہ رکھ امید بہبودی کی اے جراَت
نکالا ہے کہیں خارِ کفِ پا ناخنِ پا نے

۴۴ میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالبؔ کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ دُنیا جل گیا

۴۵ آشنا غالبؔ نہیں ہیں دردِ دِل کے آشنا
ورنہ کِس کو میرے افسانے کی تابِ استماع

۴۶ یُوں وفا اُٹھ گئی زمانے سے
کبھی گویا جہاں میں تھی ہی نہیں

۴۷ مِٹ گئے جوہرِ وفا کے اُٹھ گئے سب اہلِ دل
اب وفا ہے نام کو اور یا وفا کہنے کو ہیں

جیب بیمروت سے ہو غرض حال لا حاصل	نہ بخشے نفع ہرگز کوٹنا کچھ سردِ آہن کا	آتش
آشنائے حال بھی بیگانہ بعدِ مرگ ہے	گور پر دیوانے کے لاتا نہیں دیوانہ شمع	۔
شیشۂ دل کو پھرے لیکے بغل میں خالی	مئے الفت نہ ملی ہم کو کہیں تھوڑی سی	آزاد
صاف بیگانہ نظر وقت پہ آیا وہ دوست	زندگی بھر جسے افسوس میں اپنا سمجھا	وقار
وقت پر افسوس کام آیا نہ اپنے کوئی یار	آشناؤں کی غلط تھا آشنائی پر گھمنڈ	سحر
گوہرِ مقصود ہاتھ آیا نہ پایا آشنا	بحرِ الفت میں دلا لاکھوں ہی مارے ہاتھ پاؤں	اسیر
نفع اپنوں سے نہیں ہوتا ہے بے تائیدِ غیر	دیکھ سکتی ہے کبھی بے آئینہ رخسار آنکھ	[illegible]
الفت کا حرف صفحۂ ہستی سے مٹ گیا	بھائی کو بھائی سے بھی محبت نہیں رہی	فروغ
من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم	کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد	حافظ
نہ تو یاروں پہ بھروسہ ہے نہ یارانے پر	دیکھ دھوکا نہ یگانہ کا ہو بیگانے پر	منظم
خزاں سے پھول ۔ جہنم سے بوستاں مانگے	وفا کا اہلِ جہاں سے امیدوار نہ ہو	جوش
عزیز و اقارب ہیں مطلب کے غرضی	انہیں آزما ہم نے سو بار دیکھا	سراج
دِلوں میں بھنوں کے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ہارا	کہیں جو پایا بھی میں نے تو بزباں اخلاص	سودا
ہوا حاصل یہ ہم کو دوستوں کی بیوفائی سے	کہ ہم نے عمر بھر کو توبہ کر لی آشنائی سے	خورشید
بہت تحقیق پر میں نے اگر پایا تو یہ پایا	وجودِ دوستی گر ہے تو یاروں کی زباں تک ہے	رنجور
بہت آشنا ہیں زمانہ میں لیکن	کوئی دوست ورد آشنا چاہتا ہوں	آزاد

گردشِ دوراں

رہتا ہے روز و شب کی طرح باہم اتصال	شادی کے ساتھ غم ہے تو شادی ہے غم کے ساتھ	ناسخ
اے وہ کوئی جو آج پیئے ہے شرابِ عیش	خاطر میں رکھیو گل کے بھی رنج و خمار کو	
مئے عشرت سے کوئی جام جو بھر لیتا ہے	آسماں اس کا وہیں کاسۂ سر لیتا ہے	

۴ ملایا خاک میں اس کو جسے چمکا ہوا دیکھا — فلک اِن فتنوں پہ دیکھنا کیا بہت ہنستے

۵ خاتمہ عیش کا حسرت ہی پہ ہوتے دیکھا — رو کے ہی اٹھے ہیں اس بزم سے گانیوالے

۶ راحت کوئی خالی نہیں غم سے نظر آئی — دیکھا ہے کہ جب خوب ہنسے آنکھ بھر آئی

۷ خوشی کسی کو نہ تنہا ملی ہے اور نہ ملے — جہاں ہو غم وہیں پاؤ گے تم خوشی کا سراغ

۸ اُستخواں پیسے فلک نے سرمہ آسا سالہا — چار دِن جسکو ہوئی دنیا میں یاں راحت نصیب

۹ ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثلِ قلقلِ مینا — کسی نے قہقہہ اے بیخبر مارا تو کیا مارا

۱۰ شرابِ عیش مُیسّر ہوئی جسے یکشب — پھر اُس کو روزِ قیامت تلک خمار رہا

۱۱ حسینوں سے کہو نازاں نہ ہو حُسنِ دو روزہ پر — خزاں میں بیٹھ کر رویا کرینگے ان بہاروں کو

۱۲ پیادہ پا جو چمن میں بہار کو دیکھا — ہوا کے گھوڑے کے اوپر خزاں سوار آئی

۱۳ سازِ شادی سُن کے ہوتی ہو پریشانی مجھے — اس سے آتی ہے صدائے مرثیہ خوانی مجھے

۱۴ خندہ گُل۔ گریۂ شبنم ہیں دو تو ساتھ ساتھ — مدّعا یہ ہے کہ رہیئے شاد بھی ناشاد بھی

۱۵ خُدا محفوظ رکھے نعمتِ دُنیا کے چسکے سے — خیالِ نیش آتا ہے جو ذکرِ نوش آتا ہے

۱۶ نال گرتی ہی کبھی اور لاش گرتی ہے کبھی — یہ جو زچہ خانہ ہے وہ اِک روز ماتم خانہ ہے

۱۷ کرے ہے گردشِ دوراں طرح ہنڈولے کی — ہر ایک شخص کو یاں گاہ پست گاہ بلند

۱۸ کیا اعتبار دہر کا عبرت کی جا ہے یہ — عشرت سرا کبھی کبھی ماتم سرا ہے یہ

۱۹ دریں حدیقۂ بہار و خزاں ہم آغوش است — زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

۲۰ تنزّل ہیں ترقّی ہے ترقّی میں تنزّل ہے — تماشہ دیکھ غافل ۔ ماہِ نو کا ماہِ کامل کا

۲۱ عجیب دُنیا کا حال دیکھا۔ کمال ہی کو زوال دیکھا
اُنہیں کو اب پُر مَلال دیکھا جو لُطف راحت اٹھا چکے ہیں

۲۲ گردشِ گردونِ گرداں ہر زماں دارد خیال — ہر کمالے را زوالے ہر زوالے را خیال

۲۳ بدل لیتا ہی کروٹ ایک حالت پر نہیں رہتا — کبھی یہ شعبدہ گر ایک صورت پر نہیں رہتا

فلک نے چین سے دو دن بھی کب رہنے دیا مجھ کو
ادھر سر سے خزاں گذری اُدھر سر پر بہار آئی — جگر

یاد رکھ۔ دیکھ کے دنیا کے نشیب اور فراز
اَب بلندی ہے جہاں پھر وہیں پستی ہوگی

یک ساعت یک لحظہ۔ یک دم
دِگر گوں مے شود احوالِ عالم

یوں نہیں رہنے کا بدلیگا جہاں کا انتظام
کل وہی مجبور ہوں گے آج جو مختار ہیں — رند

فلک گہ خزاں آورد گہ بہار
کہ بر یک نمط مے نگیرد قرار

اِک وضع پر نہیں ہے زمانے کا طور آہ
معلوم ہوگیا مجھے لیل و نہار سے

برو مال زشامیکہ صبح در پے اوست
کہ نیش و نوش بہم باشد و نشیب فراز

دورِ ساغر تھا ابھی یا ہے ابھی چشم پُر آب
دیکھ سوؔدا گردشِ افلاک سے کیا کیا ہوا — سودا

پست و بلندِ دہر مٹائے گا ایک دن
واقف ہیں خوب اس کے نشیب و فراز سے

فلک دیتا ہے جن کو عیش اُن کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقّارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

دیکھا نہ ایک رنگ جہانِ دورنگ میں
اچھا کسی کا ہے تو کسی کا بُرا نصیب — امیر مینائی

آج ہے قبضے میں تیرے غیر کے قابو میں کل
کیا بھروسہ ہے عنانِ ابلقِ ایّام کا — آباد

ایک دم ہے یاں ترقی اور تنزّل ایک دم
کوزے ہیں اہلِ جہاں اور آسماں دولاب ہے — ناسخ

پست تر کرنے کو گردوں سبکو کرتا ہے بلند
اشک بھی اس رتبۂ عالی پہ زیرِ خاک ہے

کچھ بھی حاصل باکمالوں کو نہیں ہے جز زوال
موردِ نقصان ہوا جب ماہ کامل ہوگیا

ہے رنگِ تماشائے جہاں صورتِ خورشید
جو صبح کو دیکھا وُہ نظر شام نہ آیا — سودا

ہر مرتبہ زمانے کو ہوتا ہے انقلاب
لاتی ہے رنگ گردشِ دوراں نئے نئے

کبھی شادی کبھی غم ہے کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے
بدلتا رنگ ہے مانند حربہ روزگار اپنا — بیقرار

نہیں ثبات بلندئ عزّ و شاں کے لئے
کہ ساتھ اوج کے پستی ہے آسماں کے لئے — ذوق

۴۴ چمن دہر میں توام ہیں سدا شادی و غم | خندۂ گل نہ رہے گریۂ شبنم سے دور

۴۵ نیرنگیئ زمانہ سے خاطر نہ جمع رکھ | سو رنگ بدلے جاتے ہیں یاں ایک آن

۴۶ کہاں ہیں تغیر زمانے کا دیکھیں | خدائی کا سامان کر جانے والے

۴۷ اک رنگ مستقل پہ کہاں دہر کو قیام | ہنگامے ہر جمود میں ہیں انتشار کے

۴۸ ہوئی یہ رات بھر میں خندہ ہائے عیش کی صورت | چمن کا غنچہ صبح کو اک چشم گریاں تھا

۴۹ ایک بنتا ہے بگڑ جاتا ہے فوراً دوسرا | دیکھ او ناداں تماشہ گردشِ ایام کا

۵۰ زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا | بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

۵۱ دو روز ایک وضع پہ رنگِ جہاں نہیں | وہ کونسا چمن ہے کہ جسکو خزاں نہیں

۵۲ رکھتا ہے چرخ اوج کسی کا کب ایک دن | ہوتا ہے دوپہر میں زوال آفتاب کا

۵۳ ترقی اور تنزل کو یاں کچھ عرصہ | مثالِ ماہ زیادہ نہیں مہینے سے

۵۴ نہیں رہتی ہمیشہ ایک سی رنگت زمانہ کی | کچھ اس کے رنگ ہیں رنگِ حنا کا کارخانہ ہے

۵۵ گذرے ہے کوئی لحظہ جو بے فکر تو برسوں | دیتا ہے فلک اس کی مکافات میں تشویش

۵۶ کسی کو پست کرے ہے فلک کسی کو بلند | کہ اس ہنڈولے میں ہے ہر زماں نشیب و فراز

۵۷ جو ہے آج خنداں وہ کل نعرہ زن ہے | رہا ایک سا کب کسی کا زمانہ

۵۸ کیا اختلافِ آب و ہوا ہے زمانے میں | ہیں اشک گرم گاہ و گہے آہِ سرد ہے

۵۹ کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس | عروجِ مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

۶۰ دن ایک سے نہیں ہیں چمنِ روزگار کے | دو دن خزاں کے ہوتے ہیں دو دن بہار کے

۶۱ تصویرِ غم مجھے نظر آتی ہے عیش میں | ماتم صدف کا کرتا ہوں۔ گوہر کو دیکھ کر

پل بھر میں کچھ سے کچھ ہیں زمانے کی رنگتیں | عالم کے انقلاب قیامت سے کم نہیں

ہوتا نہ کیونکہ اے مہ کامل تجھے زوال | باعث ترے زوال کا تیرا کمال تھا

گاہ گرمی گاہ سردی گاہ دن ہے گاہ رات | اے ظفر رہتا نہیں دائم زمانہ ایک سا

خوشی کا رنج ہے مجھ کو۔ ملال کی ہے خوشی ۔۔۔ کہ رنج ہے پسِ راحت خوشی ملال کے بعد — امیر

نہیں قرار زمانے کو ایک حالت پر۔ ۔۔۔ جو دو پہر ہوں میں نالاں تو دو پہر خاموش — آتش

کوئی رہ سکتا زمانے میں نہیں اِک طور پر ۔۔۔ کچھ سے کچھ کر ڈالتا ہے اے ظفر دم بھر میں چرخ — ظفر

کچھ رنج ہے دنیا میں تو کچھ ہم کو خوشی ہے ۔۔۔ آنکھوں میں جو آنسو ہیں تو ہونٹوں پہ ہنسی ہے — امیر

دکھلایا روزِ ہجر شبِ وصل نے امیر ۔۔۔ وہ رات اگر نہ آتی تو یہ دن نہ دیکھتے — امیر

کبھی شادی کبھی غم ہے یہی عالم ہے عالم کا ۔۔۔ سرِ عید الضحیٰ گذرا۔ تو چاند آیا محرّم کا — احسان

آسمان عیش کے پردے میں ستم کرتا ہے ۔۔۔ لفظ عُسرت سے بدل دیتا ہے عشرت میری — احسان

زُبان اَور اُس کا استعمال

فطرت کو ناپسند ہے سختی زبان میں ۔۔۔ پیدا ہوئی نہ اس لئے ہڈی زبان میں

پاک رکھ اپنا دہاں ذکرِ خدائے پاک سے ۔۔۔ ورنہ مُنہ میں کم نہیں تیری زباں مسواک سے — ذوق

حیوان پر آدمی کو شرف نُطق سے ہُوا ۔۔۔ شکرِ خُدا کرے جو زبانِ بشر کُھلے

حیف کی جا ہے نہ ہووے نرم چرب اسکی زُبان ۔۔۔ پرورش پایا ہوا ہے آدمی یہ شیر کا — آتش

نگہدارِ زباں را تا بدوزخت نبرد ۔۔۔ کہ بدتر از زباں اندر جہاں زیانے نیست

مُنعم کے شکر میں بھی ہلائیں کبھی کبھی ۔۔۔ تنہا برائے لذّت دُنیا زباں نہیں

از برائے نرم گفتن شد زُباں بے استخواں ۔۔۔ سخت و ترش و تنگ گفتن نیست کارِ عاقلاں

گویا زبان ہو تو کرے شُکر آدمی ۔۔۔ سمجھے جو تُو تُو کرتے ہیں یہ گنگ اشارتیں

دُشمن سے بھی رَوا ہے تم کو زبانِ شیریں ۔۔۔ جب دل کو رنج پونچا کیا لُطف گفتگو کا

شکوہ اس سے کبھی نہ اَدائے شُکر ہوا ۔۔۔ خُدا نے دی ہے مجھے کیوں۔ زباں نہیں معلوم — رند

لاکھ نعمت کے برابر ہے کلام شیریں ۔۔۔ ذائقہ بس ہے زباں کا مرے دنداں کے تلے

ہو گے خسروِ اقلیمِ دل شیریں زباں ہو کر ۔۔۔ جہانگیری کرے گی یہ ادا شیریں زباں ہو کر

۱۳ بند کر اپنی زباں پھر نہیں دشمن کا خطر
مُرغِ تصویر کو اندیشۂ صیاد نہیں

۱۴ ہر لفظِ حمدِ حق ہیں بنا میوہ بہشت
طوطے کا برگ ہے مرے مُنہ میں زباں نہیں

۱۵ بے بصر ہیں وہ جو بحثوں میں بہت خورسند ہیں
جنکی آنکھیں کھل گئیں اُنکی زبانیں بند ہیں

۱۶ زُباں ایک احسان لاکھوں ترے
خُدایا ادا ہو شُکر کس طرح

۱۷ زباں وُہی ہے کہ ہلتے ہیں جسکے ہو کچھ فیض
ورنہ یُوں حرکت میں زبان ہے سب کی

۱۸ ہم وہ جا نیاز نہیں ہیں کہ پھریں جیتے جی
تُم سے جس بات میں اے شوخ زبان ہاریں

۱۹ جو کچھ کہ مُنہ سے کہا ہے اُسے رہنا ہو بحر
زُبان دے چکے اب کیا ہے گفتگو باقی

۲۰ تاب کیا حاسد کی جو بگڑے کبھی میری زباں
شمع ہے لیکن اِسے گلگیر کی حاجت نہیں

۲۱ کیسی زُبان بند دمِ واپسیں ہوئی
حسرت رہی کہ یار سے کچھ بات کیجئے

۲۲ اے دِل کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلا
مانگ اُس سے جسکے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کے کھا

۲۳ اب چٹکیاں جو لوگے تو ہم دینگے گالیاں
پیارے کسی کا ہاتھ کسی کی زباں چلے

۲۴ لگے ہو مُنہ چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زُباں بگڑی تو بگڑی تھی ۔ خبر لیجے دہن بگڑا

۲۵ کب وہ گذرتے ہیں سرلاف و گذاف سے
جن کی کہ آشنا ہے زباں لام و کاف سے

۲۶ جوہر اسمیں ہیں تیغِ براں کے
رُکنے والی مری زُبان نہیں

۲۷ جو شوقِ دِل ہے نہیں وُہ زباں پہ آسکتا
زُباں نہ دِل کی طرح ہے نہ دل زباں کیطرح

۲۸ زباں سنبھالو یہ مُنہ زوریاں غریبوں پر
خُدا کی قسم کوئی تم سا بد لگام نہیں

۲۹ تلسی میٹھے بچن سے سکھ اپجت چہوں اور
وشی کرن یہ منتر ہے تجیئے بچن کٹھور

۳۰ کاگا کا کو دھن ہرے کوئل کا کو دے
میٹھے وچن کے کارنے جگ اپنا کر لے

۳۱ بہت نازک زمانہ ہے زباں کو بند ہی رکھو
مثل مشہور ہے دیوار کے بھی کان ہوتے

۳۲ کیا زباں چلتی ہے اس بزم میں بدگویوں کی
مُنہ میں اُنکے یہ زباں ہے کہ الٰہی مقراض

آہی آشنائے شکوہ غم ہو ہی جاتی ہے ۔ مقدر میں مصیبت تھی تو کیوں منہ میں زباں رکھی ۔ شاد

التجا ہے یہی زباں سے مجھے ۔ گوش سے ہو نہ آشنا مطلب

مطلب میں صفا ہو یہ تکلف ہے زباں کا ۔ دقت ہوئی معنی میں تو کیا لطف زباں کا

چلتے ہیں صاحب سخن انکی طبیعت نرم ہے ۔ ہے دلیل اس پر زباں میں استخواں ہوتا نہیں ۔ ناسخ

ہونٹ اپنا ہلا نہ سمجھے بن ۔ یعنی جب کھولے تو زباں ۔ ٹک سوچ ۔ میر

ہے یہ زباں فضیحت انسان کا سبب ۔ اچھے وہی ہیں جن کے دہن میں زباں نہیں ۔ سحر

ناحق زبان شمع نہ گل گیر کاٹتا ۔ کرتی نہ وہ زبان سرِ انجمن دراز ۔ ظفر

اے زباں کچھ نہ شرح حالتِ دل کا خیال ۔ منکشف ہونا نہیں بہتر ہے مخفی راز کا ۔ آتش

ہر اک کا عیب و ہنر صاف منہ پہ رکھتی ہے ۔ کریگی کیا میرے حق میں زباں نہیں معلوم ۔ رند

بات کا زخم ہے تلوار کے زخموں سے سوا ۔ قتل کر دیجئے پر منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو ۔ داغ

زباں رکھ غنچہ ساں اپنے دہن میں ۔ بندھی مٹھی چلا جا اِس چمن میں ۔ میر تقی

مزا نہیں ہے خموشی کا خوش بیاں کیلئے ۔ زباں سخن کے لئے ہے سخن زباں کے لئے

زبانِ پاک اگر پیدا کرے انساں اے آتش ۔ ہر اک نام الٰہی میں اثر ہے اسمِ اعظم کا ۔ آتش

زباں کے لینے کا نقش منہ بھر آئی ہے ۔ دہانِ غنچہ گو رکھتا ہے مشتِ زر خاموش

وردِ زباں ہو نام ترا جسکو اے حبیب ۔ حاصل اُسے نگیں سے سوا اعتبار ہو ۔ ″

مطلب کی بات منہ تلک آتی نہیں کبھی ۔ اک بات ہے کہ میری دہن میں زبان ہے ۔ امیر

کرے جس قدر شکرِ نعمت وہ کم ہے ۔ مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے ۔ آتش

تیری ہی یاد ۔ ذکر ترا ہی ہر آن ہے ۔ گویا کہ اِس لئے مرے مُنہ میں زبان ہے ۔ بسمل

ہوئی اس بزم میں بے طور زباں جسکی دراز ۔ شمع کی طرح سے سر کٹنے میں تاخیر نہیں ۔ ناسخ

دیتی ہے اکثر زبانِ چرب آفت سے نجات ۔ جس طرح ہوتا نہیں ہے غرق روغن آب میں ۔ ″

زباں بریدہ بکنج نشست صمٌ و بکمٌ ۔ بہ از کسے کہ نباشد زبانش اندر حکم ۔ سعدی

سمجھ کر بول جو بولے نہیں پھر بازگشت اُسکو
سخن بیرونِ لب۔ مُنہ سے ترے جبدم زُباں لائی

ہے زمین و آسمان کا فرق قول و فعل میں
احمدی جو مُنہ سے کہتے ہو وہ کرنا چاہئے

خموشی و اخفائے راز

١ وصفِ خاموشی کا کچھ کہنے میں آسکتا نہیں
جس نے اس لذّت کو پایا ہی سدا خاموش ہے

٢ بزمِ عالم میں ہر خاموشی سے اے ناسخ فروغ
گو سراپا ہے زباں کرتی نہیں گفتار شمع

٣ نشو و نما ہے اصل سے غالب فروغ کو
خاموشی سے ہی نکلے ہے جو بات چاہیئے

٤ خموشی اس لئے دیوانگی میں ہم نے حاصل کی
خدا جانے وہ کیا پوچھے ہمارے منہ سی کیا نکلے

٥ قطع مقراضِ خموشی سے زباں کو کیجیئے
قفل دیگر گنج پر مفتاح توڑا چاہیئے

٦ درِ دہن کے لئے خامشی مناسب ہے
یہی ہے قفل نہیں جس میں کیل کا کھٹکا

٧ قفلِ بے مفتاح کا عالم کریگی خامشی
مثل ماہی بے زباں اپنا دہن ہو جائیگا

٨ خاموشی ہی میں ہم نے دیکھی ہے مصلحت اَب
ہراک سے حال دِل کا مدّت کہاں زباں سے

٩ نہ ہو ہر زہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر
نہیں اس قافلے میں اہلِ دل ضبطِ نفس بہتر

١٠ مقامِ ضبط و خاموشی ہے محفل رازداروں کی
کبھی اسپند کا دانہ نہ مجمر میں یہاں چٹکا

١١ ایمائے ملاقات تھی خاموشی ہماری
گونگے نے اشارے سے لیا کام زباں کا

١٢ میری خاموشی سے عزّت آہ و نالہ کی رہی
کس سے میں فریاد کرتا۔ کَون ہی فریاد رس

١٣ باعثِ رنج اہلِ دُنیا سے ہے ناسخ گُفتگو
غیر خاموشی۔ پئے زخمِ دہاں۔ مرہم نہیں

١٤ خاموش رہ سکے تو بڑھ کر بھی کچھ نہ پُوچھ
سرِ شمع کا کٹے ہے زبانِ دراز سے

١٥ خموشی میں جمالِ شاہدِ معنی نظر آیا
عبث اُلجھے رہے لفظوں میں ہم محوِ بیاں ہو کر

١٦ بات آوے نہ۔ تو چپ رہ کہ کماں کے نزدیک
سو طرح کا ہے سخن۔ پردۂ خاموشی میں

زبانِ یار خموشی نے میری کھلوائی
ہیں قفل بن کے کلیدِ درِ خزانہ ہوا

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے

غالبؔ

موسیٰ ہیں اس خیال سے بیخود پڑے ہوئے
پوچھے نہ آکے ہم سے کوئی ماجرائے دوست

سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

کہتا ہوں رازِ عشق۔ مگر ساتھ شرط کے
کانوں ہی تک رہے نہ زباں کو خبر کھلے

اے جرس کسلئے یہ ہرزہ درائی چپ رہ
قافلے میں کوئی سنتا تیری فریاد نہیں

نہ کھولی آنکھ۔ وقتِ نزع بیمارِ محبت نے
کسی کا راز رکھنا تھا۔ کوئی آنکھوں میں پنہاں تھا

ہو نہ رازِ عشق افشا۔ آبرو ریزی نہ ہو
پھوٹ بہنا تو اگر اے چشم گریاں چھوڑ دے

رازپوشی کاش ہم کو بھی سکھائے عندلیب
نام شبنم کا ہوا اور آنسو بہائے عندلیب

چاہے کوئی جو رتبۂ اعلیٰ کرے سکوت
ہے سب زباں سے شمع کی دیکھو زباں بلند

اے زباں کیجیو نہ شرحِ حالتِ دل کا خیال
منکشف ہونا نہیں بہتر ہے مخفی راز کا

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغِ مُردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

غالب

لبوں تک آئی ہوئی بات پی گئے سو بار
زباں کو دل نے نہ اذنِ بیانِ حال دیا

ہوگئی بینشِ صنم قفلِ دہن خاموشی
حرفِ مطلب نہ کبھی منہ سے نکلتے دیکھا

رند

ضبط دیکھو سب کی سن لی پر نہ اپنی کچھ کہی
اس زباندانی پہ گویا۔ بے زباں پیدا ہوئے

ہماری شکل نے سب حال کہدیا ان سے
زباں سے گو نہ کہا ہم نے دل کا غم یہ لحاظ

ظفر

گرچہ دیوانہ ہوں پر ملحوظ ہے اخفائے راز
قید رہتے ہیں مرے نالے بھی زنجیروں کے بیچ

گویا

خاموشی ہی ہزاروں سوالوں کا ہے جواب
حاصل کیا یہ اس نے کمالِ اختصار میں

سحر

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا

اس خموشی سے بھی سو باتیں نکلتی ہیں صنم
عین گویائی ہے چپ رہنا تیری تصویر کا

۳۸ چھپایا ہم نے ایسا گوہرِ رازِ حقیقت کو — صدف کی طرح خاموشی رہی مُہرِ دہاں برسوں

۳۹ جو ہوا کامل وُہ کرتا ہے خموشی اختیار — ماہِ نو جب بدر ہوگا بے زُباں ہو جائیگا

۴۰ کیا جانیے کیا منہ سے نہ رے آگے نکل جائے — خاموش ہی رہنا بہت اچھا ہے زباں کا

۴۱ حالِ دل کہنے سے کٹتی ہے زُباں شمع کیطرح — لب سے لب کیجو نہ اس بزم میں اے رازِ ہمارا رہدا

۴۲ کچھ نہیں سُننا خبر جا کر کہے کیا یار سے — دم خموشی سے ہماری بند ہے جاسُوس کا

۴۳ سو رمز کی کرتا ہے اشارے میں وُہ باتیں — ہے لُطف خموشی میں تکلم سے زیادہ

۴۴ کیا جانیے کیا بات نکل جائے دہن سے — اَب گنگ ہی ہونا ہے بھلا میری زباں کا

۴۵ چہرے سے عیاں ہوتا ہے جو حال ہے دل کا — خاموشیٔ عاشق میں بھی عالم ہے بیاں کا

۴۶ افشائے رازِ عشق میں ہیں سو قباحتیں — کاٹوں زُبان اپنی اگر یہ خبر کھلے

۴۷ کثرت نے ذکرِ یار کی چُپ کر دیا ہمیں — گویا ہوئے جو حد سے تو خاموش ہو گئے

۴۸ اظہارِ خموشی میں ہے سو طرح کی فریاد — ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

۴۹ سب طرح سے بہتر اپنے حق میں ہے لب بستگی — جُوں دہانِ زخم یاں کس کو زُباں درکار ہے

۵۰ لذّت جو خاموشی میں ہے کیونکر بیاں کروں — قابل بیان کے جو نہ ہو کیا بیاں کروں

۵۱ خامشی بہ کہ ضمیرِ دلِ خویش — با کسے گفتن و گفتن کہ مگوئے

۵۲ جان گو اپنی نکل جائے بدن سے باہر — دخل کیا راز کا ہو حرفِ دہن سے باہر

۵۳ میری چُپ سے زمانہ بھر میں رازِ عشق افشا ہے — خموشی ترجمانِ آرزو و شرحِ تمنا ہے

۵۴ یاد دارم از صدف ایں نکتۂ سربستہ را — سینہ ہا را خامشی گنجینۂ گوہر کند

ظالم اور انجام ظلم

۱ چار دن مظلوم ہیں دُنیا میں جن پر ظلم ہو — پر یہ ظالم کی بھی ہے نامہربانی چند رُوز

۲ جو کہ ظالم ہے وُہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں — سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھی شمشیر کا

نہ چین پائیگا تو بھی ظالم کسی کا خانہ خراب کرکے
منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا
پڑیگا صبر عنادل کا باغباں پہ ضرور
ناتوانی سے پناہ اے ظالمو مانگا کرو
ظالم ذرا سمجھ کے ستانا کسی کا دل
عوض اللہ لیگا ہم سے مظلوموں کا ظالم سے
آشیاں میرا جلا کر وہ بھی ایذا پائے گا
جو ضعیفوں کو ستائیگا سزا پائے گا
ڈر ظلم سے کہ اس کی سزا بس شتاب ہے
کیا کرتا ہے گردوں بے نشاں بنیاد ظالم کو
حذر اے ظالمو! لازم ہے مظلوموں کے رونے سے
آبلوں کو دیکھ کر عبرت کرو اے ظالمو
سینۂ مظلوم میں اب تک سلگتی جو رہیں
خاک میں ملجائیگا خار بیاباں کی طرح
پھولتے پھلتے نہ دیکھا شاخ کو تلوار کے
ستم بر ضعیفان مسکیں مکن
ظالم کو بعد مرگ بھی ہے ظالموں سے ربط
پناہ ملتی ہے خلقت کو مرگ ظالم سے
تباہی میں ہے موذی کے حلاوت اہل عالم کی
کب چھٹے ایذا رسانی موذیوں کی بعد مرگ
جو کہ ظالم ہیں وہ ہرگز تر زباں ہوتے نہیں

یہ یاد رکھنا کہ لیگا بدلہ جناب باری حساب کرکے
پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا — میر
درخت چھانٹ کے ظالم نہال کیا ہوگا
دیکھ لو اک بال ہے بازو شکن شمشیر کا
ہر موئے تن قلم ہے وقائع نگار کا — جرار
خدا اسکو ستائیگا ہمیں جسنے ستایا ہے
پھونک دیگی آتش گل جھونپڑہ صیاد کا — رند
آپ دکھ پاتے ہیں جو روندتے ہیں خاروں کو — ناسخ
آیا عمل میں یاں کہ مکافات ہو گئی
کہیں ہوتا نہیں شدّاد کا باغ ارم پیدا
بہا دیتے ہیں دم میں دونوں عالم ایک آنسو سے
اشک خونیں روتی ہیں آنکھیں غریب آزار کی
خانۂ ظالم سے اٹھینگے اس آتش کے شرار
ہاتھ اپنا کاوشوں سے ای غریب آزار کھینچ
وہ نہیں سرسبز ہوتا جو غریب آزار ہو — رند
کہ ظالم بدوزخ رود بے سخن
خنجر کا دستہ کیوں نہ بنے کرگدن کی شاخ — ناسخ
جو کرگدن کو کریں قتل ہو سپر پیدا
کہ ویراں خانۂ زنبور ہو جب انگبیں نکلے
استخواں لگتا ہے ظالم کا ہر اک سوفار میں — "
کیوں نہ خونریزی سے آپ تیغ خنجر خشک ہو — "

۲۴	خلقِ خدا کو ہوتی ہیں اِس سے اذیتیں	ظالم کی رسّی کر نہ تو او آسماں دراز
۲۵	فیض ظالم سے نہیں پایا کسی نے جز ظلم	آبِ خنجر سے بھلا کیا کشتِ دہقاں سبز ہو
۲۶	صرف دو ہاتھ ہیں جن سے کہ ظالم ظلم ڈھاتا ہے	وہ مظلوموں کو لاکھوں ہاتھ سے لیکن بچاتا ہے
۲۷	حال پر مظلوم کے ظالم کو کب آتا ہے رحم	نالۂ بلبل سے دل دکھتا نہیں صیاد کا
۲۸	ظالم کو سعی سے نہیں ہرگز جہاں میں نفع	ممکن نہیں کہ پائے جو مچھلی کا شست کھائے
۲۹	جو یہاں مغلوب ہے عقبیٰ میں غالب ہے وہی	مرکبِ مقتول ہے اک روز جو قاتل ہوا
۳۰	روندنے والے نہ ہرگز دُزد سے ہوں نعرہ زن	صبر سے گر پائمالی میں نہ ہو ہر خار چُپ
۳۱	شمع گھُل گھُل کر دیا کرتی ہے شعلے کو فروغ	سوز ہے مظلوم کا ۔ ظالم کا سازِ زندگی
۳۲	جل گئے گو ظلم کی آتش سے پروانے کے پر	شمع کے بھی پھول ہو جائیں گے تا وقتِ سحر
۳۳	موذیوں کو حق نہ دے آنکھیں کہ تا لا دیں بلا	عین حکمت تھی کہ محرومُ البصر عقرب بنے
۳۴	کہتی تھی چوبِ دستہ تیری طرح ایک دن	سوکھے گی نخلِ آرزوئے کوہکن کی شاخ
۳۵	موذیوں کا بھی ہے یہ خاک کا پُتلا موذی	زیرِ پا پوشِ سرِ مار سرِ عقرب ہے
۳۶	دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ ۔ شمع را	چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند
۳۷	منجنیقِ آہِ مظلوماں بہ صبح	سخت گیرد ظالماں را در حصار
۳۸	موذی کو چاہتا ہے سدا آسمانِ دوں	اکثر بنایا کرتا ہے یہ بدشعار سانپ
۳۹	بیکسانِ عشق پر جور و جفا اچھا نہیں	صبر پڑ جائیگا او ظالم کسی ناشاد کا

۴۰ پھنسیگا حشر کے دن مظلمے میں خونِ ناحق کے

۴۱ ہمارے قتل سے باز آ۔ تو او خونخوار جانے دے

۴۲	یہ ظلم سارے ہیں چند روزہ ہر ایک دن انتقام کا بھی	امیر حمام گرم کرلیں فقیر کا جھونپڑا جلا کر
۴۳	ناتوانوں کے ستانے سے حذر کر ظالم	عرش بھی آہ سے مظلوم کی ہل جاتا ہے
۴۴	زبردستی پر بھی ہر موذی سے لازم احتراز	جب دبے گا سانپ کاٹیگا مقرر زیرِ پا

ذرا سمجھو مری اُمّید ناحق قطع کرتے ہو	شجر کا کاٹنا کب کاٹنے والے کو پھلتا ہے	امیر
ظالم نہ ستا خلق کو ہے رُوزِ جزا بھی	کل کا ہے اگر خوف۔ تو اللہ سے ڈر آج	سحر
زبر دستوں سے کیا کرتے تھے جو جو سرکشی	لٹتے ہیں اب اُن زبر دستوں کے مدفن زیرِ پا	قواد
بننا پڑتا ہے ستمگر کو ستم کش آخر	یاد یہ بھی تجھے او بانیٔ بیداد رہے	تاجور
ہے نکوکاری عبث اے بانیٔ بنیادِ ظُلم	فائدہ حجاج کو کیا کعبے کی تعمیر سے	داغ
نہیں ممکن کہ ہو اصلاح ظالم کی طبیعت کو	رہے ہے خونریز خنجر گر بجھا ہیں آبِ حیواں ہیں	"
مُوذیوں کے خانماں برباد کرتا ہے فلک	جب نہ تب آتی ہے آفت خانۂ زنبور پر	"
ظالم میں کہہ رہا کہ تُو اس خُوں سے درگذر	سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا	سودا
ظالم کو بھی ہوتا ہے کسی شے کا سہارا	ہتھیار کو بے ہاتھ کے چلتے نہیں دیکھا	بدر

آہ

کرے آہِ رسا میری جو سیرِ عالمِ بالا	فلک کو بھی یُونہی اک آبلہ ساز زیرِ پا سمجھے	ذوق
نہ بول تیر سے مظلومِ عشق ہے وُہ غریب	مُبادا آہ کرے سب جہان جل جائے	میر
غافل ہماری آہ سے رہنا نہ بیخبر	گر خوف ایسے تیر سے جو بے کماں چلے	
تیرِ آہِ ما ز گردُوں بگذرد۔ جانِ عزیز	رحم کُن برجانِ خود۔ پرہیز کن از تیرِ ما	
آگ لگجاوے نہ دُنیا میں مجھے ڈر ہے لطیف	آہِ سوزاں جو نکلتی ہے نہاں دل سے مرے	
ہماری آہ سے اے منکرو حذر کرو	ہوائے تند نے کیا حال قومِ عاد کیا	آتش
آہ تھی میری کہ افعی ڈر کے کاٹا چرخ کو	زہر اُس کا یہ چڑھا اس کو کہ نیلا ہوگیا	ظفر
فلک سے آہ ہماری گذر گئی اس طرح	کہ جیسے تیر کوئی ہو سپر کو توڑ کے پار	
یہ آہِ آتشیں جب چمکائے سیف اپنی	کیا تاب پھر ہلائے بجلی پٹا فلک پر	
اپنی ہے یہ آہ کہ پہنچے ہے فلک تک	ورنہ کوئی ایسا تو ہمیں تیر دکھا دو	"

۱۱ رقیبِ رُوسیاہ ہم کو جلاتا ہے جلانے دو
توقع ہم بھی کچھ رکھتے ہیں اپنی آہِ سوزاں سے

۱۲ پیکانِ تیرِ آہ ہے آلودہ زہر سے — یا در نہ ہو تجھے تو مرے دل کو توڑ دیکھ

۱۳ ہمسایہ بجھانے لگے سب اپنے گھروں کو — میں دل سے جو اک آہِ شرربار نکالی

۱۴ اگر ستون نہ ہوتا ہماری آہوں کا — زمیں پہ گر چکا ہوتا یہ آسماں کب کا

۱۵ آہ نکلی جو سوئے عرشِ معلّٰی ہو کر — رہ گیا عالمِ بالا تہ و بالا ہو کر

۱۶ ہیں وہ مظلوم پلک کر جو ابھی آہ کریں — کھود کر پھینک دیں گردوں تجھے بنیاد سے ہم

۱۷ نہ رہیو آہ سے مجھ پیر کے اِی نوجواں غافل — کہ تیر اپنے کمانِ کُہنہ کا پڑتا ہے کم خالی

۱۸ تاثیر سے خالی ہوتی ہے فریاد کہیں مظلوموں کی
وہ آہِ سحر بن جاتے ہیں جو شام کے نالے ہوتے ہیں — یاسؔ

۱۹ بیکسوں کی آہ سے ظالم کو لازم ہے گریز — آتشِ قہرِ خُدا ہے ہر شرارہ آہ کا

۲۰ غریب آزار کا انجام کار اچھا نہیں ہوتا — پس اب اے آہ چرخِ پیر پر برچھی نہ کر سیدھی — آتشؔ

۲۱ بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن — اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

۲۲ اَے آہ تیری قدر اثر نے تو نہ جانی — گو تجھ کو لقب ہم نے دیا عرش مکانی

۲۳ اَے آہِ شعلہ بار تیرا کیا کہوں اثر — رتبہ رکھے نہ کوہ تیرے آگے کاہ کا

۲۴ سرسری سمجھو نہ میری آہ کو اے سرکشو — پھونک ہی دیگی گریگی جب یہ بجلی خار پر

۲۵ ڈر میری آہ سے ظالم نہ جلا جی کہ نہیں — یہ جہنم سے تو کم شعلہ فشاں اے واعظ — مومنؔ

۲۶ غافل نہ رہیو آہِ ضعیفاں سے سرکشو — طاقت ہے اس کو یہ کہ جہاں کو جلا سکے

۲۷ بزمِ جاناں میں بندھی میری جو آہوں کی ہوا — جل گئے دیکھ کے سب آگ لگانے والے

۲۸ جا کر شریکِ برق ہوئی آہِ سینہ سوز — بدلی بنی فلک پہ میرے دِل کے دُود کی

۲۹ ضبطِ وفا سے گھُٹ کے ہوئی تلخ زندگی — آہیں نہ تھیں چراغِ محبت کا دُود تھا

نمبر	مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
٣٠	ظالمو خوف کرو آہ کو سمجھو نہ حقیر	لفظ اللہ میں ہے اس کا اثر دو ٹپہ نہیں	مجیؔ
٣١	کئے ضبطِ اشک آہ پہنچی فلک پر	مرا عشق کم خرچ بالانشیں ہے	
٣٢	جانبِ چرخِ مقوّس آہ ہوتی ہے رواں	یہ کماں اک دن نشانہ ہے ہمارے تیر کا	آتش
٣٣	صرف یہ ڈر ہے نظامِ دہر میں فرق آئیگا	ورنہ میں تو جانتا ہوں آہ میں تاثیر ہے	مشرؔ
٣٤	چاہے تو ابھی عرشِ معظّم کو ہلا دے	تم کھیل سمجھتے ہو مری آہِ رسا کو	
٣٥	ہم دِل جلوں کی آہ کو سمجھو نہ بے اثر	نالہ جو دِل سے کھینچیں تو محشر بپا کریں	سحر
٣٦	عرش و کرسی تھر تھرا اوٹھیں۔ دِلا وُہ نالہ کر		
٣٧	خائف کیا کھینچنے سے آہِ بے تاثیر کے		رند
٣٨	بلند ہووے اگر کوئی میرا شعلۂ آہ	تو ایک اور ہو خورشید آسماں کے لئے	″
٣٩	پناہ مانگ دِلا آہِ دردمنداں سے	نجات سہل کسی کے وبال لینے کو	″
٤٠	برچھی لیکر آہ کی کہتا ہے دل یوں چرخ سے	تم سے دِل بد کر نہ کیوں صاحب لڑائی مانگتا	انشا
٤١	خوفِ خُدا تھا ورنہ زمانہ کو پھونکتا	میں کہتے کہتے آہِ شرربار رہ گیا	
٤٢	فُغاں و آہ سے ہے سوزِ دِل عیاں ہوتا	دلیل آگ کے ہونے کی ہے دھُواں ہوتا	
٤٣	بُرا غریب کا مارنا۔ بُری غریب کی آہ	موئے بکرے کی کھال سے لوہا بھسم ہو جائے	
٤٤	لے صبر غمزدوں کا نہ اے چرخِ کج نہاد	بجلی کا خاصّہ ہے مظلوموں کی آہ میں	
٤٥	تا فلک آہِ شرربار جو فُرقت میں گئی	غُل پڑا عالمِ بالا میں کہ پھُونکا پھُونکا	
٤٦	گریباں چاک کر یہ جی میں آتا ہے کہ اِکدم میں	رسائی آہ کی تا دامنِ افلاک دکھلاؤں	
٤٧	جو گریہ التجا میں گیا رائیگاں گیا	جو آہ مُدعا میں ملی بے اثر ہوئی	
٤٨	نسیمِ آہ کے جھونکے سے کھول دُوں دَم میں	بھڑا ہوا ترے دروازے کا اگر پٹ ہو	ناسخ
٤٩	بند ہو جاتی ہیں بیّاروں کی آنکھیں خوف سے	کھینچتا ہوں جب میں دل سے آہِ آتشبار کو	″
٥٠	پایا ذرا نہ اثر کہیں رات بھر پھری	سَر مارتی یہ آہ سپہرِ کہن کے ساتھ	ذوق

۵۱ نہ بول میر سے مظلومِ عشق ہے وہ غریب / مبادا آہ کرے سب جہاں جل جائے

۵۲ جب میں جانوں گا کہ میری آہ نے تاثیر کی / ہو کہ میرا حال ہے اک دن یہ اُن کا حال ہو

۵۳ عرش کے کیوں نہ کواڑ آہ سے اپنی کھل جائیں / کہ یہ بے شبہ اجابت کے ہے در کی کنجی

۵۴ تھامتا ہوں اثر میں آہوں کو / جل نہ جاوے یہ آسمان کہیں

۵۵ آپ ہی نہ جل بجھے نہ کچھ اس دل میں راہ کی / اس پر کہیں گے آہ کہ ہم نے بھی آہ کی

۵۶ عرش تک جاتی تھی اب لب تک بھی آسکتی نہیں / رحم آتا ہے بیاں اب مجھ کو اپنی آہ پر

۵۷ سات آسماں کو توڑ کے تا عرش جا چکا / اے تیر آہ بس اب ارادے کہاں کے ہیں

۵۸ جا پہنچنا عرش تک اے ضعف کچھ مشکل نہیں / ہاتھ آ جائے ذرا مجھ کو سہارا آہ کا

۵۹ عبث پائی تھی سینے بیچ آہ بے اثر ہم نے / یہ کیوں اس خاک میں بویا تھا نخلِ بے ثمر ہم نے

۶۰ نخلِ امید کو پہنچے نہ کہیں اس سے گزند / کام کرتی ہے مری آہِ سحر آری کا

۶۱ میری آہِ آتشیں رکھتی ہے اب تاثیر برق / بلکہ دی اُس نے گھٹا سب عزت و توقیر برق

۶۲ بڑھا ای آہِ رسا اب کنگرے پر عرش کے پہنچی / بلندی کو بلندی جاننا ہمت کی پستی ہے

۶۳ اثر جو آہ میں پایا تو ہو گئی تسکیں / وہ بے قرار ہوئے آ گیا قرار مجھے

۶۴ آہ کیا بے اثر ہی جائے گی / کچھ نہ کچھ کام کر ہی جائے گی

۶۵ مری آہِ رسا چنچل بڑی ہے / کہ بجلی ان کے کانوں میں پڑی ہے

۶۶ عجب کیا گر نظامِ عالمِ بالا میں فرق آئے / بڑھی آہِ رسا اپنی حریفِ آسماں ہو کر

۶۷ مسخر کر لیا اے رازؔ آہوں نے میری۔ عالم

۶۸ زمیں پر زلزلے میرے فلک پر بجلیاں میری

۶۹ خاک کر دوں گا جلا کر گنبدِ دوّار کو / دل سے کھینچوں گا میں جس دم آہِ آتشبار تیر

۷۰ تیرا بھی نالہ تو پہنچا ہے تا فلک سودا / خدا وہ دن نہ کرے ہو جو میری آہ بلند

۷۱ بغیرت اے آہ تجھے کچھ بھی ہے رہ سینہ میں / نَے سے بھی نالہ نکلتا ہے اثر سے باہر

آہ سے مظلوم کے ڈر ظالم نخوت پرست | سامنے جس کے زمین آسماں کچھ بھی نہیں — ذوق

اپنی اپنی جگہ ہر ایک مفید

حکمتِ حق ہے طبائع کی کجی اور راستی | گر کماں پیدا نہ ہو۔ کس طرح پھینکے تیر کو — ناسخ

کیا کسی ناچیز کو ناچیز ہم سمجھیں بھلا | آنکھ پر رکھتے ہیں اکثر وقتِ حاجت کاہ کو — ”

ہر اک اعلیٰ ہے اپنی حفظ میں محتاج ادنیٰ کا | درِ گنجینۂ زر میں لگے زنجیر لوہے کی

غلط فہمی یہ ہے کہنا۔ کہ دنیا میں نہیں مجھ سا | خدا نے ایک کو یاں دوسرے پر دی فضیلت ہے

فضیلت ملی ایک کو ایک پر | غرض ایک سے یاں سوا ایک ہے

سمجھیں کہ نرم و سخت مقدر ازل سے ہے | کب ہر کسی کے گوشت میں ہو استخواں عبث — ”

عبث فوق دیتا ہے تو خود کو ناداں | کیا ایک کو ایک پر اس نے فائق

ضعیف از بسکہ ہے بنیاد فرقِ امتیازی کی | بہت مشکل ہے کہنا کون ادنیٰ کون اعلیٰ ہے

اوّل و آخر ہے یکساں بیچ کا کیا اعتبار | ہے حقیقت ایک نظروں میں گدا و شاہ کی — ”

ایک سے ہیں مرد اور نامرد اپنے عہد میں | ہر سگِ دیوانہ اپنے زعم میں اب شیر ہے — رند

اصل میں سب متحد ہیں۔ فرع کا کیا اعتبار | خار و گل نکلے ہیں دونو ایک مشتِ خاک سے

وہی دیا ہے اسکے واسطے جو قطع ہی جس کی | نکل سکتا ہے کوئی آستیں کا کام۔ دامن سے — ذوق

برا کس کو کہیں دنیا میں ہم کس کو بھلا سمجھیں | کہ ہر گل ایک سا ہے باغ کا چشمِ عنادل میں

جزو و کل میں فرق اتنا ہی فقط ہے اعتقاد | ورنہ جس خرمن کو دیکھا۔ درحقیقت دانہ تھا

نہ باطل خشک زاہد ہے نہ عاطل رند ترِ دامن | خدا نے اپنی حکمت سے کیا ہے خشک و تر پیدا — ناسخ

اختلافِ وضع بیدل در لباس افتادہ است | ورنہ خوں یکساں بود در پیکرِ طاؤس و زاغ — بیدل

ہیں تری درگاہ میں ہمدوش فقر و سلطنت | مرتبہ یکساں نظر آیا گدا و شاہ کا

زمیں خاک فشاں۔ آسماں آب فشاں | یہی تو فرق ہے ادنے میں اور اعلیٰ میں

۱۹ ہیں ازل سے ساتھ کبر و علم دو نو جلوہ گر
بن گیا ابلیس کوئی۔ کوئی آدم ہو گیا

۲۰ وہی ہے خوب جسے جو پسند خاطر ہے
نگاہِ کبک میں شوخ سے بے پیار چاند

۲۱ ہے اصل ایک میں عاشق ہوا ہوں تو معشوق
مرا خطاب جدا ہے ترا خطاب جدا

۲۲ تفرقہ جب تک نہیں اضداد باہم ایک ہیں
شیشہ بھی مثل سر نہاں ہی ہر پتھر کے پاس

۲۳ قد و قامت پر نہیں موقوف جرأت جنگ میں
نیزہ بازی کچھ نہیں چلتی ہے تیر انداز سے

۲۴ کہہ رہی ہے یہ لب جوہر زبان موج سے
پاک میں وہ کب ہی کیفیت جو ہے ناپاک میں

۲۵ سخاوت جسکو کہتے ہیں کہانی ہے زمانے میں
بخیلوں کی بدولت رہ گیا ہے نام حاتم کا

۲۶ غافل مقام رشک نہیں جائے شکر ہے
سب سے برا تو ایک سے برتر بنا دیا

۲۷ اے ذوق کس کو چشم حقارت سے دیکھئے
سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں

۲۸ امتیاز شرف آدمیاں را حسب است
بہر تحقیق نسب آدم و حوا کافی است

۲۹ خوبی جوہر سے پائے ہے ہر اک شے امتیاز
لعل بھی پتھر ہی ہیں لیکن وہ پتھر اور ہیں

۳۰ بظاہر سب مساوی ہیں مگر ہے فرق باطن میں
نہ ہر سینے میں حکمت ہے نہ ہر خم میں فلاطوں ہے

۳۱ جوہر ذات بھی لازم ہے ہر اک شے کے لئے
موم سا نرم ہے یہ خو ہے فولاد نہیں

۳۲ بھلائی کیا ہے زاہد میں۔ برائی کیا برہمن میں
جو رشتہ وش پر لسکے ہو وہ ہے اسکی گردن میں

۳۳ زہر امرت ہے کہیں آب بقا زہر کہیں
بے سبب کونسی شے عالم اسباب میں ہے

۳۴ قیمت و قدر شناسائی سے پہنچے ہے بہم
ورنہ دنیا میں صدف بھی نہیں گوہر سے کم

۳۵ تعجب کیا کوئی ادنیٰ اگر غالب ہوا اعلیٰ پر
پیادے بھی شہِ شطرنج کا گھر بند کرتے ہیں

۳۶ گو بظاہر خاک کے پتلے ہیں سب یکساں مگر
کوئی ہے اکسیر ان میں اور کوئی خاک ہے

۳۷ جو اعلیٰ ہے سو اعلیٰ ہے جو ادنیٰ ہے سو ادنیٰ ہے
نہیں کچھ قدر سائے کی بڑھے گو قدِ انساں سے

۳۸ باقی رہے تمیز نہ پھر خوب و زشت میں
پارس کا ہو خواص جو ہر سنگ و خشت میں

۳۹ جس قدر ہی عمدگی۔ اتنی نزاکت ہے ضرور
زور کب ہوتا ہے پاؤں کے برابر ہاتھ میں

خدا کو پیارے ہیں سیدھے بھی اور ٹیڑھے بھی
نیک ہیں گلشنِ ایجاد میں کم - بد ہیں بہت
دربہ بندی کی ضرورت ہے بہر صورت ہمیں
دنیا میں نیک سے ہے فزوں بد کا امتیاز
ایک پر ایک کو ہے فوق خدا نے بخشا
مرتبہ میں کس و ناکس ہوں برابر کیونکر
مشتاق سب ہیں بدر سے افزوں ہلال کے
کون دونوں میں خدا جانے خدا کو ہو پسند
لازم سمجھ تو ذات کی خاطر صفات بھی
ہوئی ہے لغزشوں پر استقامت کی بنا قائم
بھلا ہم رند - زاہد تجھ سے نیکو کار کیونکر ہوں
اس کو نہ راست کہہ تو نہ اس کو بتا غلط
موقوف ضد ہی پر تو ہے ہر شے کی معرفت
تفرقہ کے لئے لازم ہوں میں
گئے اضداد ظاہر قدر تا معلوم ہو شے کی
مے پرستی ہے مری باعثِ آمرزشِ خلق
خیر و شر کو تو سمجھ ناداں - کہ آب
فارقِ نیک و بد دہر ہے تیرا پندار
جو ہے مقام جس کا - زیبا وہی ہے اسکو

جو ایک تیر کو بخشا تو اک کماں کو شرف
خار پھولوں سے کہیں ہوتے ہیں افزوں پیدا
سر بجائے سر کے اور پاؤں بجائے پاؤں کے
کیا کیا گراں نہ شہد سے قیمت میں کم ہوا
یہ نہ سمجھو کہ جہاں میں نہیں ہم سا کوئی سحر
میل سے مس کے بدل جاتی ہے زر کی آواز جرار
دنیا میں قدرداں نہیں اہل کمال کے ناسخ
کفر بھی چاہیئے لازم نہیں ایماں خالی "
وہ گل نہیں ہے خار ہے جو رنگ و بو نہ ہو رند
سکونِ زندگی پابند ہے بیتابیٔ دل کا
ظہورِ مختلف کو چاہتی ہے شانِ خلاقی قائم
کیا جانے کیا صحیح ہے واقع میں کیا غلط "
کچھ کفر بھی ضرور ہے اسلام کے لئے "
میں برا ہوں تو ہے اچھا کوئی زکی
جہنم کے مقابل خلدِ جاویداں کیا پیدا حسن
تو بہ صد قوم نے کی ہے مری مے خواری سے سعدا
خاک کو نافع ہے آتش کو مضر قائم
ورنہ کچھ فرق نہیں شنبہ و آدینہ میں قائم
سینے میں داغ بہتر - پہلو میں درد اچھا امیر

جز و کل کے فرق پر مت جا - ٹک اک آتش کو دیکھ
ہے جو تو دے میں وہی ذرہ سی چنگاری میں ہے قائم

۶۰ ذرّہ بھی ہے اک عالم - انوارِ الٰہی کا | ادنیٰ ہی سہی لیکن نسبت تو ہے اعلیٰ سے

۶۱ ذکر کیا شاہ و گدا کا اصل میں دونوں ہیں ایک | فرق مرجانے کے بعد انسان وحیواں میں نہیں

۶۲ زمانہ چاہتا ہے وزن ہر شے کا برابر ہو | گھٹا دیتا ہے اعلیٰ کو بڑھا دیتا ہے ادنیٰ کو

۶۳ کفر بھی اِک شان جلوہ کی اسی دلبر کی ہے | شیخ کیوں تو برہمن سے برسرِ پیکار تھا

۶۴ صفائیے دل کی لگا کے عینک کبھی جو کھولی کتاب ہم نے
حرام جو تھا حلال نکلا - حلال جو تھا حرام نکلا

انکساری

۱ خاکساری سُرمہ ساں شیوہ کرے گا تو اگر | دیدۂ اہلِ نظر میں تیرا گھر ہو جائے گا

۲ غُبارِ راہ ہو کر چشمِ مردُم میں محل پایا | نہالِ خاکساری کو لگا کر ہم نے پھل پایا

۳ خاکساروں کو سدا پھولتے پھلتے دیکھا | دانہ سرسبز ہُوا خاک میں پنہاں ہو کر

۴ خاکساروں سے ہوا کرتے ہیں جھک کر سربلند | آسماں پیشِ زمیں - بہرِ تواضع خم ہوا

۵ خاکساری چاہیئے جسکو خُدا دیوے عُروج | آسماں پر ماہِ تاباں اور زمیں پر چاندنی

۶ خاکساری کا بھی جوہر کیمیا سے کم نہیں | نفس کشتہ ہو تو پھر کچھ اکسیر کی حاجت نہیں

۷ خاکساری سے ہوا آئینۂ دل روشن | کیا مسِ قلب کو کرتی ہے یہ اکسیر سفید

۸ زمین کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی | خدا کی رحمتوں نے اُسکو ڈھانپا آسماں ہو کر

۹ شرف ہے خاکساروں کی بدولت تاجداروں کو | گُہر نے سرفرازی پائی مُنہ دیکھا جو ساحل کا

۱۰ مِس کے زر ہونے سے بہتر ہو کمالِ انساں | خاکساری ہے جُدا اور ہے اکسیر جُدا

۱۱ معزّز ہو نہیں سکتا تکبّر سے تو اے سرکش | نشانِ رحمتِ باری ہے ملتا خاکساروں میں

۱۲ درازی عُمر کی ہے ہر کسی کی خاکساری سے | نہیں بجھتے جو خاکستر سے اخگر بند کرتے ہیں

۱۳ ز راہِ خاکساری گر کسے بر خاک بنشیند | چو خورشیدِ جہاں افروز بر افلاک بنشیند

جوہر وہ خاکساری نے پیدا کیا مری
حاصل مہوسوں کو جو اکسیر سے ہوا

کون گھر آئینہ کے جاتا۔ اگر وہ گھر میں
خاکساری سے نہ جاروب صفائی دیتا — ذوق

کوئی اکسیر غنی دل نہیں رکھتی ایسی
خاکساری نہیں دی ہے مجھے دولت دی ہے

سچ ہے کہ خاکساری ہی عالیمقام ہے
جوں جوں بلند ہم ہوئے پستی نظر پڑی

بلند خاک نشینی نے قدر کی میری
عروج مجھ کو ہوا جب کہ پائمال ہوا

بسانِ خاک ہو پامالِ راہِ خلق اے میر
رکھے ہے دل میں قصد اگر سرفرازی کا

شاید کہ سربلندی ہووے نصیب تیرے
جوں گرد راہ سب کے پاؤں سے تو لگا رہ

میری فروتنی سے مجھے معراج ہوگئی
حاصل ہوا زوال میں رتبہ کمال کا

نام رہ جاتا ہے دنیا میں تواضع کے سبب
اپنے قامت کو خمیدہ مثل خاتم کیجئے — آتش

عجز سے پائیں گے ہم رتبہ فنافی اللہ کا
قد الف کا جھک کے بنجائیگا لام اللہ کا — جرأت

سرفرازی اسی کو ہو جو ظفر
آپ کو سب کا خاک پا جانے

برتری ہوتی ہے دنیا میں میسر عجز سے
جھک کے چلنے سے مہِ نو مہِ کامل ہوگیا

سرنوشتِ واژگوں را راست مے سازد نیاز
زانکہ نقشِ کج نگیں از سجدہ مے آید درست

فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھ اے سرکش
کہ نیک و بد نے کیا نقشِ پا کو راہ نما

پائیگا اک دن کمال سربلندی شکلِ بدر
ماہِ نو کی طرح جو بہرِ تواضع خم ہوا

نہیں جھکتا کوئی اس سے جھکے جب تک نہ خود انساں
رکوع و سجدہ سکھلاتا ہے خم محرابِ طاعت کا

کر تواضع تا رہیں سب تیرے آگے سرنگوں
موردِ سجدہ قدِ خم گشتۂ محراب ہے

اللہ اللہ خاک میں ملتے ہی یہ پائے ثمر
لو خدا کی شان پھل بھی پھول بھی دانے میں تھا

جو خواہاں آبرو کا ہے تو کر افتادگی شیوہ
نہیں ممکن۔ گہر بنجائے قطرہ ابر نیساں کا

عزت فروتنی سے ہوئی خاکسار کی
گردوں سے مل گئی ہے بلندی غبار کی — سلطان

دانہ جو اگتا ہے کہتا ہے زبانِ حال سے
خاکساری جس نے کی ادنیٰ سے اعلیٰ ہوگیا

۳۵ ہو گئی میری ترقی کا سبب افتادگی — شکلِ سایہ خاک پر گر کر بڑھا جاتا ہوں میں

۳۶ ہے اگر عرفاں کا طالب خاکساری کر شعار — دیکھتے ہیں آئینہ اکثر لگا دیوار پر

۳۷ کیا ہے کبرِ مدعی میری تواضع کے حضور — سرکشی دم میں ہٹا دیتا ہے خم شمشیر کا

۳۸ دے سب جسے رفعت خدا۔ اس کو تواضع ہی ضرور — ہو اگر محرابِ مسجد بھی اُسے خم چاہیئے

۳۹ ہمیشہ بر لبِ فوارہ ایں سخن جاری ست — کہ اوجِ منصبِ دُنیا ہے دُوں نگوں ساریست

۴۰ انساں رہے عُروج میں بھی بن کے خاکسار — منعم یہ سُرمہ چشمِ بصیرت میں چاہیئے

۴۱ گوشِ عارف میں یہ گورستاں سے آتی ہے صدا — آسماں ہے وُہ زمین کے جو برابر ہو گیا

۴۲ نام یُوں پستی میں بالاتر ہمارا ہو گیا — جس طرح پانی کنوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا

۴۳ نہیں ہے مرجعِ آدم اگر خاک — کدھر جاتا ہے قدِّ خم ہمارا

۴۴ زخاک آفریدت خداوندِ پاک — پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

۴۵ تارا سا تہ یہ ہوں میں کنوئیں بن گیا آب — نام آسماں پہ میرا ہے زیرِ زمیں ہوں میں

۴۶ دیکھا تو خاکساری عالیمقام ہیں — جُوں جُوں بلند ہم ہوئے پستی نظر پڑی

۴۷ خاکساری نے دکھائیں رفعتوں پر رفعتیں — اِس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

۴۸ ملا جنہیں اُنہیں افتادگی سے اوج ملا — اُنہیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اُٹھا کے چلے

۴۹ اسفل بھی انکسار سے پاتا ہے مرتبہ — گر کر بڑھا نہال سے سایہ نہال کا

۵۰ دیکھ لے آگے زمیں کے آسماں رہتا ہے خم — خاکساری سر جھکا دیتی ہے ہر مغرور کا

۵۱ کرتی ہے صاف آئینے کو خاک دیکھ لے — جوہر نہ پُوچھ جو ہیں ہر اِک خاکسار میں

۵۲ دانے کی خاک نشینی سے ہوئی نشو و نما — خاکساری کا نہیں تو یہ ثمر کس کا ہے

۵۳ کرتے ہیں عجز جن کو خُدا نے دیا ہے ظرف — شیشوں کے سر جھکے ہیں پیالوں کے سامنے

۵۴ مرتبہ پیشِ خدا ہوتا ہے اتنا ہی بلند — جس قدر چلتا ہے انسان سر اپنا جھکا کے

۵۵ چھوڑ کر اپنی تعلّی کر تواضع اختیار — رُتبہ مسجد کے منارے کا ہے کم محراب سے

۵۶ محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو — جھکاتی ہے ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو — آتش

۵۷ خاکساری کر اگر چاہے تو دنیا میں فروغ — جو ملے خاک میں سرسبز وہی دانہ ہو — نزیب

۵۸ خاکساروں نے جھکا دیں سرکشوں کی گردنیں — پائے ساحل چوم کر ہر موج دریا رہ گئی — موی

۵۹ وہ خاکِ راہ ہوں کہ ہے آنکھوں میں گھر مرا — مجھ کو دیا عروج مرے انکسار نے — سیم

۶۰ تیمم اُس کا۔ اُنکے وضو کرنے سے افضل ہے — کیا ہے جن نے حاصل خاکساری کی عبادت کو — داؤد

۶۱ اے ظفر خاک سے انسان کا بنا ہے پتلا — خاکساری ہی سے دنیا میں ہے انساں کی نمود — ظفر

۶۲ آئینہ خاک سے پاتا ہے جلا کیا ہے عجب — خاکساری سے اگر صاحب جوہر چمکا — "

۶۳ سرکشی اہل تواضع سے کوئی چلتی ہے — پست دروازے سے آتا ہے خود انساں جھک کر

۶۴ چو ہلال در تواضع تو اگر خمیدہ باشی — بخدا کہ بے تردد بہ فلک رسیدہ باشی

۶۵ رفتارِ سایہ کو ہے پست و بلند یکساں — ٹھوکر کبھی نہ کھائی راہِ فروتنی میں — نظم

۶۶ جنہیں بھائی ہے بوئے خاکساری گو وہ منعم ہیں — کسی دن عطر بھی ملتے ہیں تو لیتے ہیں مٹی کا — سیف

۶۷ کون افتادوں سے دنیا میں زیادہ ہے قوی — کیا اُٹھایا ہے زمیں نے آسماں بالائے سر — گویا

۶۸ درگاہِ کبریا میں پسند انکسار ہے — بھولے سے بھی زمین پہ رکھنا نہ تن کے پاؤں — ولی

۶۹ بلندی کی ہوس ہے مائلِ افتادگی ہو جا — کہ شبنم قوّتِ پرواز پا لیتی ہے پستی میں — اظہر

۷۰ پستی طلب کر آپ کو گر چاہے ہے بلند — جب تخم زیرِ خاک ہو تب ہو شجر بلند — امیر

تکبّر

۱ حباب آسا فنا ہوتا ہے اس دریائے دنیا میں — ہوائے کبر جب سر میں کوئی بھر کر نکلتا ہے

۲ آسماں کی چھت بہت نیچی ہے سرِ نخوت کو ہے — کبر سے کہدو کہ دنیا میں ابھرنا۔ دیکھکر

۳ سر اُٹھا کر جو چلے گا فخر و کبر و ناز سے — وہ شکارِ لطمۂ قہرِ خدا ہو جائے گا

۴ سُنا ہے برق کو اک لاگ ہے بلندی سے — بشر نہ حد سے زیادہ بھی سر اُٹھا کے چلے

۵	تعجب تو یہ ہے اہلِ زمیں پر مجھ کو آتا ہے یہ اس پر کیوں اکڑتے ہیں کہ جس میں مر کے گڑتے ہیں

۶	کیا کوئی زیرِ فلک اونچا کرے فرقِ غرور	ایک پتھر حادثے کا آ لگا سر پر گیا
۷	بیٹھ کر کرسی پہ انساں کو نہیں لازم غرور	پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھا ہے چلنے کے لئے
۸	تکبر عزازیل را خوار کرد	بزندانِ لعنت گرفتار کرد
۹	سرکش کی منزلت ہے سگ پیشِ خاکسار	وُہ تمکنت زمیں کی کہاں آسماں میں ہے
۱۰	سر اُٹھا کر گر پڑا فوارہ آخر سر کے بل	جھک کے چلنا چاہیئے یاں سر اُٹھانا منع ہے
۱۱	ہوا میں بھر کے دنیا میں اُٹھاتے جسکو سر دیکھا	بگولے کی طرح چکر لگا کے گرتے خاک پر دیکھا
۱۲	بجلی کی زد میں آتے ہیں پہلے وہی طیور	جو اس چمن سرا میں بلند آشیاں رہے
۱۳	جو سر پہ تاجِ سکندر بھی ہو تو دنیا میں	بشر کو چاہیئے ہرگز نہ سر اُٹھا کے چلے
۱۴	سر اُٹھایا جو بگولے نے پریشاں ہوا	خاک ہو خاک کے پتلے کو سزاوار گھمنڈ
۱۵	نہ ہو آغاز پر نازاں۔ مآلِ کار کو دیکھے	یہ پتلا خاک کا کیوں آسماں سر پر اُٹھاتا ہے
۱۶	زمیں پر پاؤں رکھ کر آسماں پر ناز کرتا ہے	مگر ٹھوکر سے چرخِ پیر کی ہو گی کمر سیدھی
۱۷	نہیں ہے فرصتِ یکدم یہ سرکشی زیبا	کہو حباب کو سر مت نکال پانی میں
۱۸	حباب آسا اُٹھایا بحرِ ہستی میں جو سر اپنا	بنایا بس وہیں موجِ فنا نے ہم سفر اپنا
۱۹	زیرِ گردوں کب رہی مغرور کی گردن بلند	بن گیا جامِ گدائی کاسۂ سر شاہ کا
۲۰	کمند لے کے وہیں موج ہو گئی موجود	جہاں ذرا سر اُٹھائے ہوئے حباب رہا
۲۱	کس ہوا میں ہم اُبھرتے ہیں عبث مثلِ حباب	یہ تو ثابت ہے کہ مشتِ خاک بے بنیاد ہیں
۲۲	اے قطرۂ منی سرِ بیچارگی بنہ	کابلیس را غرورِ منی شرمسار کرد
۲۳	اتنا بھی نہ چاہیئے حوصلہ۔ فوارہ سا نہ تنگ	چلو ہی بھر جو پانی میں گز بھر اچھل پڑے
۲۴	عاقل ہے گر تو سر نہ اُٹھانا بہ زیرِ چرخ	غافل بہت برا ہے نتیجہ غرور کا

اچھل کے دیکھ نہ چل اس قدر تو او سرکش — کہ تیرے ساتھ ہے فوارہ سا نشیب و فراز — ظفر

غرۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو — اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

سرکشی آخر فرومایہ کو دیتی ہے شکست — ٹوٹتا ہے نخل پر انجامِ خشتِ خام کا — آتش

حبابِ آب سے کہتی ہے یوں موجِ صبا ہر دم — فنا ہوتا ہے دم میں جو کوئی مغرور ہوتا ہے

سرکشی کرتے ہیں بے مغز نہ پُر مغز و وقار — جُز حبابِ آب سے سر کھینچے نہ بالا گوہر

گردن کشی کیا حاصل مانند بگولے کے — اس دشت میں سر کاٹے جُوں سیل چلے جانا

آتشکدہ میں دہر کے رہ سرنگوں کہ یاں — جُوں شمع سر اُٹھاتے ہی لگتی ہے سر کو آگ

نمرود شد مردود چوں۔ بُود ش نگاہ محدود چو — مارا تکبّر نے سر، جُوں کبریا ہر جا ستم

باغباں تھا تجھے دو دن کی ہوا پر یہ غرور — نہ رہے باغ میں گل۔ رہ گئے خار آخر کار — سودا

کہتا تھا کاسۂ سرِ جم کھا کے ٹھوکریں — جتنا غرور و کبر بھرا تھا نکل گیا — مصحفی

آرہ اُسی درخت پہ چلتا ہے باغ میں — جو اپنا سر اُٹھاتا ہے شمشاد کی طرح — ؍؍

فوارے کی زبان پہ یہ جاری ہے رات دن — سرکش وہ کون ہے جو زمیں پر گرا نہیں — امیر

دشمن سر ہے تری گردن کشی۔ مانند شمع — افسرِ زر شوق سے رکھ پر نہ اتنا سر اُٹھا — ناسخ

سرکشی صورتِ آتش نکرا اے پارۂ خاک — ذرّے ذرّے کو ہے معلوم حقیقت تیری — امیر

غرۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو — اِس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن — غالب

فوارہ سے بجا ہے تواضع کا سیکھنا — اس سرکشی پہ سر کو وہ نہواڑے جاتا ہے — ذوق

سرکشی آخر فرومایہ کو دیتی ہے شکست — ٹوٹتا ہے نخل پر انجام خشتِ خام کا — آتش

نہیں ہے فرصتِ یکدم پہ سرکشی زیبا — کہو حباب کو سرمست نکال پانی میں — ظفر

کیا کوئی سربلند کرے دعوئے عروج — سایہ ہے پائمال سدا کوہسار کا — ناسخ

ہے نگونساری بھی ساتھ اے مردمِ دنیائے دوں — شکلِ فوارہ نہ اپنے اوج پر تو سر اُٹھا — ؍؍

زبانِ حال سے کہتا ہے انجامِ حباب اظہر — وہی مٹتا ہے جو ہوتا ہے سرکش بحرِ ہستی میں — اظہر

دو روزہ دولتِ دنیا پہ مت مغرور ہو غافل — بلندی کا نشاں مٹی کے پُتلے ارج پستی ہے
نہ کر غرور تو زنہار اس پہ اے ناداں — جو مرتبہ ہے تیرا بشکل مہر و ماہ بلند
عجب ناداں ہیں جنکو ہے عُجبِ تاجِ سُلطانی — فلک پالِ ہُما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی
بہت بیجا ہے رہنا سرکشی سے باغِ عالم میں — کہ مثلِ شمع رشتہ عُمر کا ہر آن ہے تھوڑا

بدوں کے نشان

۱ صحبتِ صافی دلوں سے ہوں مکدّر تیرہ دل — زنگ سے آلُودہ ہو جاتا ہے آہن آب میں
۲ فیض نیکوں سے نہ ہو اُنکو کہ جو ہیں بد سرشت — کیا کرے باراں زمینِ شور میں اشجار سبز
۳ تیرہ دل کیا خاک سمجھے عزّتِ اہلِ صفا — قدرِ آئینہ ہو کیونکر کورِ مادر زاد کو
۴ ناقص کا صفا کیش سے مطلب نہ بر آئے — جو کور ہو عینک سے اُسے کیا نظر آئے
۵ ہیں جو عمدہ اُن سے مفلس بہرہ ور ہوتے نہیں — آتشِ یاقوت سے ہوتا نہیں روشن چراغ
۶ کرے کیا فائدہ ناچیز کو تقلید اچھوں کی — کہ جم جانے سے کچھ اولا تو گوہر ہو نہیں سکتا
۷ اثر کرتی نہیں تعلیم تیرہ روزگاروں کو — اِدھر ٹیڑھی ہوئی کُتّے کی دُم کی گر اُدھر سیدھی
۸ پرِ تو نیکاں نہ گیرد۔ ہر کہ بنیادش بد است — تربیت نااہل را چوں گردگاں بر گنبد است
۹ تیرہ بختانِ ازل کا نہ کبھی دیکھا فروغ — شب کو جگنو کی طرح اڑ کے نہ جھلکی مکھی
۱۰ استفادہ سخت دل کیا دل گدازوں سے کریں — کب ملائم ہو اگر برسوں رہے سنگ آب میں
۱۱ عبث ہے پند و نصیحت بھی کورِ باطن کو — مثل ہے یہ۔ کوئی اندھے کو کیا دکھائے چراغ
۱۲ جو جفا جو ہیں اُنہیں سنگدلی لازم ہے — کام تلوار کو رہتا ہے سدا سان کے ساتھ
۱۳ ستمگروں کی کشاکش میں۔ آبرو ہو سوا — کہ ہوتی سان پہ ہے تیغ تیز تر۔ چڑھ کر
۱۴ صُحبتِ اہلِ صفا سے ہے تنفّر بد کو — آئینہ دیکھ کے زنگی ہے پشیماں ہوتا
۱۵ ہُنر سے دُور ہے بد اصل کی خلقت۔ کہ آئینہ — خمیرِ سنگ سے بنتا ہے تو گوہر نہیں ہوتا

نہ ہووے دِل جلوں کی ذوق ہمسایوں سے دلداری
کہ کب فانوس پونچھے شمع کا رخسار دامن سے — ذوق

پست فطرت کو نہ ہو رُتبۂ اعلیٰ حاصل
جی بچے دُونِ ہمتوں سے تو غنیمت جانیو
دوزخ میں بھی پڑیں تو نہ سیدھے ہوں کج سرشت
جو سیہ کار ہیں خوش ہیں وُہ سیہ کاری سے
بدسرشتوں کو نہ نیکوں کا اثر ہو ہرگز
پست فطرت کو ہمیشہ سربلندوں سے ہے لاگ
جیبِ بیمروت سے ہے عرضِ حال لاحاصل

ایک نہ خانہ کو دیکھا نہ بلند ایواں سے
کس کو گنج اپنے سے پہنچا ہے ہر بار فیض
آتش میں پیچ و خم ہیں۔ رسن کے رسن کے ساتھ — ذوق
گردشِ شب۔ سرمہ ہے خفّاش کی بینائی کا — جرار
صحبتِ گل سے نہ ہوویں کبھی خوشبو کانٹے
زلزلہ ڈھاتا ہے دیوار و درِ محراب کا — آتش
نہ بخشے نفع ہرگز کو سنا کچھ سرد آہن کا

کہاں رہتی ہے رویا میں تمیزِ خواب و بیداری
نہاں ہے اہلِ غفلت سے معمّا حق و باطل کا

کم بضاعت سے خیالِ خام ہے کثرت کو فیض
ناقصوں کی دوستی دے دین و ایماں کو بگاڑ
سخت دِل کے میر ساند پیر و خورد راہ کا کام
کسی صورت سے ناجنسوں میں اُلفت ہو نہیں سکتی
رکھے اس باغ میں بے فیض سے کیا چشمِ ثمر
کجی ذہن اس وادی میں گمراہی کا باعث ہے
ازل سے قاتلوں کو نقشِ خوبی سے ہے محرومی
ناچیز کو نہ صحبتِ نیکاں اثر کرے
بے زورباپوں سے پہلے رنج۔ اُمید نفع میں
اگر آتش مزاجوں کو حسد ہو خاکساروں سے

اکتفا کرتا نہیں لشکر کو پانی چاہ کا — آتش
پوچھ لو جا کر گلستاں سے خزاں کا اختلاط
آبِ پیکاں تر نے ساز دلبِ سوفار را
عداوت ہے بہم تیغ و سپر کی آتش روغن کو
کہ نہیں کھاتا کوئی نخل سے تصویر کے پھل
سلیم الطبع کو تو پاؤں کا ہر نقش ہادی ہے
کسی تلوار کے پیچھے یہ اُتو ہو نہیں سکتا
رشتہ کو کہہ تو آپ گھر کیونکہ تر کرے
ہاتھ یہ محنت نہیں آتا ہے پانی چاہ کا — ناسخ
تعجب کیا کہ ابلیسِ لعیں دشمن ہے آدم کا

۳۵ بے تمیزوں کو ہو نقصان لطفِ ذوق — لیں ہیں نام طفل آدھا پیارے

۳۶ جاہلِ منکر نہ آئے معجزے سے راہ پر — جہل سے بوجہل اپنے نامسلماں ہی رہا

۳۷ صحبتِ نیکاں کرے دل میں بدوں کے کیا اثر — قند کب شیریں کرے ہووے اگر بادام تلخ

۳۸ ملے کیا قرب سے دریا دلوں کے شور بختوں کو — کہ غیر از ریگِ صحرا کچھ نہیں دامانِ ساحل میں

۳۹ موذیوں کی خانہ بربادی میں ہے اکثر بھلا — شہد ہاتھ آیا جو گھر ویراں ہوا زنبور کا

۴۰ نیتِ بد ہے تو کارِ نیک سے حاصل ہے کیا — جاگتے ہیں دزد بھی مثلِ نگہباں رات بھر

۴۱ تربیت کیا تیرہ باطن کی کرے دل میں صفا — سرمہ ہے بیکار چشمِ کورِ مادر زاد میں

۴۲ موذیوں کو حادثوں سے دہر کے کیا خوف ہے — بارشِ باراں سے گھر گرتا نہیں زنبور کا

۴۳ موذی اپنے مال سے بھی منتفع ہوتے نہیں — موم سے کیا روشنی ہے خانۂ زنبور کی

۴۴ موذیوں پر قہرِ یارب لطف سے خالی نہیں — کیا مزہ دیتا ہے لٹنا خانۂ زنبور کا

۴۵ کم بضاعت جتنے ہیں کرتے ہیں وہ جوش و خروش — توڑ ہوتا ہے کسی دریا میں کب سیلاب کا

۴۶ پست فطرت سے سوائے رنج کچھ حاصل نہیں — پا بہ گل کشتی کو کر دیتا ہے پانی چاہ کا

۴۷ روشن دلوں سے رکھتے ہیں نفرت سیاہ کار — مکروہ جس سے وصل کی شب ہے سحر مجھے

۴۸ ہیں جو روشن طبع بغض اُن سے سیہ کاروں کو ہے — چور کو جس طرح آتا ہے نظر دشمن چراغ

۴۹ موذی کو بعدِ مرگ بھی آرام ہے مُحال — کس طرح زیرِ تیغ نہ گینڈے کی ڈھال ہو

۵۰ سرد مہری سے جہاں کے ہوں نہ موذی بھی بری
۵۱ نیش گر جاتا ہے سردی میں ہر اک زنبور کا

۵۲ بے شرارت کوئی ہوتے ہیں بہم دو سنگدل — دیکھو پتھر پہ گرا پتھر شرر پیدا ہوا

۵۳ کیا ہوا بد اصل گر ظاہر ہیں نیکو صفات — جوہرِ بد ذاتی اُن کا غیرِ بد ذاتی نہیں

۵۴ نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے
۵۵ ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکسِ سروِ کنارِ جُو کا

کمینے سے کبھی بُرے نہ شرافت آ نہیں سکتی
نہ شاخ نخل حنظل میں ہویدا لطف صندل کا — اسعد

خاکساری پر نکر موذی کے ہرگز اعتبار
جونک پانی میں رہے تو بھی لہو پیتی رہے — انجام

نہیں ہے مال سوا اپنے بھی نفع موذی کو
یہ دخل کیا ہے کہ کچھ گنج میں سے کھائے سانپ — برق

ہر کسہ گدائے کہ توانگر گردد
صد سال ازو بوئے گدائی نرود

ہو بروں سے کچھ اگر نیکی تو وہ نیکی نہیں
ورم ہو جسکے بدن پر وہ نہیں ہے پہلوان

نیکوں کے خواص

جو روشن دل ہے نیک و بد سے یکرو ہی زمانے میں
کہ یکساں شمع جلتی ہے ہزار دوست دشمن پر — آزاد

بحرِ عالم میں کریموں کو نہیں موذی کا خوف
پانی کو پھنستے نہ دیکھا دامِ ماہی گیر میں

دیں نہ اربابِ صفا ہرگز کسی کے دل کو رنج
گوشۂ دامن سے اُلجھا جھاڑ کب بلّور کا

جو پختہ مغز ہیں وہ سوزِ دل نہیں رکھتے
کسی نے شمع سے جلنے میں کچھ سنا بھی ہے

آزاد ہیں قیود سے افتادگانِ خاک
اڑتا پھرا شجر سے جو برگِ خزاں گرا — ناسخ

غم نہیں ثابت قدم کو۔ گو جہاں گردش میں ہے
قطب کو جنبش نہیں ہے آسماں گردش میں ہے — آتش

شورِ دریا سے پریشاں اہلِ دل ہوتا نہیں
شورِ دریا دُر میں سیپی کے مخل ہوتا نہیں

بزمِ ہستی سے جو باہر ہیں وہی ہیں بے گزند
شمع کو تصویر کے گلگیر کی حاجت نہیں

کنارہ کش ہیں جو بحرِ جہاں سے بےخطر ہیں وہ
نہیں درویش کی کشتی کو خوفِ غرقِ طوفاں میں

وہ جو کامل ہیں فضیلت ہے انہیں ہر حال میں
سُرخ ہووے یا سیاہ یا خطِ قرآں سبز ہو

ایذائے قید سہ نہیں سکتے سبک خرام
مٹھی میں بند ہو نہیں سکتی ہوا کبھی

اہلِ دُنیا کی اُٹھائے ضرب کب مردِ خدا
تازیانہ شیر کیا کھائے دُمِ روباہ کا — جرار

جو اعلیٰ ہیں مقام اُن کا ہوا سفل غیر ممکن ہے
بھڑکتی طور کی آتش نہ دیکھی ہم نے مجمر میں

نہ تیزی چاہیئے جنگ آزمودہ کو لڑائی میں
کہ غالب سرد لوہا ہے ہمیشہ گرم آہن پر

۱۵ محبت ہی ہمیشہ کاملوں کو راستبازوں سے
کمر میں رکھتے ہیں تلوار راوت بیشتر سیدھی

۱۶ نہ تند خو پہنچا سکیں عالی دماغوں کو نہ رنج
ارغواں زار شفق صرصر سے کیونکر خشک ہو

۱۷ جو عالی رتبہ ہیں کب التجا کرتے ہیں ادنی کی
چراغ آسمانی کب ہوا محتاج روغن کا

۱۸ ہے ہراک آفت سے ایمن مسکن اہل فنا
باغ جنت کو خدا ہرگز خزاں کرتا نہیں

۱۹ منظر خلق سے چھپ سکتے نہیں اہل صفا
تہ دریا سے بھی جا ڈھونڈھ نکالا گوہر

۲۰ نہیں اسباب کچھ لازم سبکساروں کے اٹھنے کو
گئی اڑ دیکھتے اپنے بغیر از بال و پر شبنم

۲۱ کب لباس دنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر
جامۂ فانوس میں بھی شعلہ عریاں ہی رہا

۲۲ کوئی کرتے ہیں عالی ظرف۔ رنجش خشک مغزوں سے
مکدر ہو نہ دریا۔ خاک اڑے ہر چند ساحل کی

۲۳ گردش دوراں سے مردان خدا بیباک ہیں
نوح کی کشتی کو اندیشہ نہیں گرداب میں

۲۴ سالکوں کو کوئی آفت سد راہ ہوتی نہیں
مچھلیاں کھنچتی نہ دیکھیں حلقۂ گرداب میں

۲۵ جو رنگ الفت سے آشنا ہیں وہ گر پڑے پر بھی خوشنما ہیں
کہ رنگ ہی سے گرانبہا ہیں عقیق و یاقوت سنگ ہو کر

۲۶ خواب کا کیا بس چلے اس دیدۂ بیدار پر
چور کو آتے نہیں دیکھا کبھی ہشیار پر

۲۷ ہمیشہ کام میں غیروں کے ہیں سعادتمند
ہما کو اپنے لئے فکر عز و جاہ نہیں

۲۸ نیک طینت کو بدی کا نہیں منظور عوض
انتقام اپنا نہ یوسف نے لیا اخوان سے

۲۹ ہوتی ہے نور خرد سے اہل غفلت کو گریز
پیشتر انساں بجھاتے ہیں دم خفتن چراغ

۳۰ ڈبو دیں گر سبکدوش آشنا کو اپنی صحبت میں
تو آہن ساتھ کیوں لکڑی کے دریا میں شناور ہو

۳۱ ہیں جو افتادہ اسے کیا ضرب دشمن سے گزند
تیر کے لگنے سے نہیں پڑتا ہے روزن آب میں

۳۲ عارفوں کو ہر در و دیوار سبق آموز ہے
مانع گردن کشی ہے انحنی محراب کا

۳۳ جو سعادتمند ہیں رہتے ہیں وہ بے خانماں
دہر میں پیدا ہما کا آشیاں ہوتا نہیں

۳۴ امارت جسکو ہو برسوں نہیں جاتی ہے بو اسکی
جہاں پھوڑا نکلتا ہے نشاں مٹتا نہیں برسوں

۳۵	غیر ممکن ہے مٹے جوہر ذاتی اختر	آبداری کہیں موتی سے جُدا ہوتی ہے	اختر
۳۶	قرب بد سے پاک طینت کو نہیں ہوتا گزند	دامنِ گل نے کبھی صدمہ نہ دیکھا خار کا	قبول
۳۷	رنج سے راحت نصیب طبعِ شیریں کا رہے	بار لاتا ہے قلم ہونے سے نخلِ انگور کا	آتش
۳۸	رنج روشن طبع سہتے ہیں پئے شادیِ غیر	جل کے خود دیتی ہے دیکھو اوروں کو آرام شمع	جناب
۳۹	کرتے نہیں دستِ کرم اربابِ سخا بند	کیوں رکھیں درِ فیض کو مردانِ خدا بند	
۴۰	خوبوں کی محبت ہے بُروں سے بھی کہ جوں گُل	رہتا ہے سدا سایہ فگن خار کے اوپر	
۴۱	قول مردوں کا کبھی ٹلتا نہیں	کوہ جنبش سے کبھی ہلتا نہیں	
۴۲	جو اربابِ صفا ہیں وضع کے پابند رہتے ہیں	کہ خانہ آئینہ کا آئینے کے حق میں زنداں ہے	جرأت
۴۳	تعلق ہوئے دامنگیر سالک کا یہ ممکن ہے	نہیں آبِ رواں کو خوف موجوں کی سلاسل کا	سحر
۴۴	غبارِ دہر سے کیا آشنائی بحرِ عرفاں کو	پڑی کب دینگ ماہی میں اُڑ کر گرد ساحل کی	امیر
۴۵	ہمیشہ فیض ہے دریا دلوں سے خاکساروں کا	کہ موجِ بحر تر کرتی ہے کیا کیا لب کنارے کا	داغ
۴۶	پڑتی ہے روشن دلوں کو تیرہ خانوں سے غرض	جس طرح ہے شمع کو حاجت شبِ دیجور کی	ناسخ
۴۷	آسماں پہنچا نہیں سکتا حسینوں کو ضرر	کب لگا سکتی ہے بجلی ماہ کے خرمن میں آگ	"
۴۸	ازخود نہیں بول اُٹھتے جو ہیں صاحبِ تمکیں	بولے جو کوئی تب سُنئے کہسار کی آواز	"
۴۹	سعادتمند قسمت پر رہیں شاکر	ہما کو مغز یا دامِ استخواں ہے	آتش
۵۰	دوست رکھتے ہیں جوانمرد اہلِ جوہر یار کو	تول کر زر سے سپاہی لیتے ہیں تلوار کو	"
۵۱	ہل نہیں سکتے ہیں کج طبعوں سے ہرگز راست باز	چین پیشانی سے باہر ہے الف آزاد کا	"
۵۲	ہے بدوں کو عیش اور اچھوں کو ہے دنیا میں رنج	توڑتا ہے گل کو گلچیں چھوڑتا ہے خار کو	ناسخ
۵۳	ناتوانوں کے الم سے اہلِ دولت کو ہے عیش	خوش ہوئے ہو سب۔ ناخنِ مطرب لگا جب تار پر	"
۵۴	آزاد ہیں قیود سے افتادگانِ خاک	اُڑتا پھرا شجر سے جو برگِ خزاں گرا	"
	وہ خلق سے پیش آتے ہیں جو فیض رساں ہیں	ہے شاخِ ثمردار میں گُل پہلے ثمر سے	ذوق

۵۶ پھرتا ہے سیلِ حوادث سے کہیں مرد نکونام
شیر سیدھا تیرتا ہے وقتِ رفتن آب میں

۵۷ جوہرِ قابل بود از تربیت بس بے نیاز
رفتہ رفتہ شیر ور بادام روغن سے شود

۵۸ کیا بیاں ہو صاحبانِ ظرف کی تاثیرِ قرب
آب کا قطرہ صدف تک آن کر گوہر ہوا

۵۹ جو صفا دل ہیں انہیں جورِ چرخ سے ہی اماں
پیسا نہ دانہ کبھی آسیا میں گوہر کا

۶۰ صافی دلوں کے دید کو مانع نہیں حجاب
عینک سے ہے دوچند ضیائے بصر مجھے

۶۱ دیگر سخی اٹھاتے ہیں دنیا کی سختیاں
پتھر عوض ثمر کے۔ کہ ثمر ہے نہال کا

۶۲ صحبتِ اہلِ صفا دیتی ہی سرکش کو الٹ
نخل پانی میں نگونسار نظر آتا ہے

۶۳ اس طرح اہلِ صفا دنیا میں ہیں دنیا سو پاک
جس طرح رہتا ہمیشہ آب میں گوہر ہی خشک

۶۴ پاک دنیا سے ہیں دنیا میں ہیں گو اہلِ صفا
غرق ہے آب میں لیکن نہیں تر آئینہ

۶۵ فی الحقیقت وہ بُرے ہیں جو سمجھتے ہیں بُرا
اسے ظفر اس کی طرف سے جو ہوا بہتر ہوا

۶۶ سخی کے پاس کچھ ہو اور نہ دے یہ غیر ممکن ہے
نہیں کرتا ہی مٹھی بند جبتک ہاتھ چلتا ہے

۶۷ گالیاں سن کے دعا دیتے ہیں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیض گھٹایا ہم نے

۶۸ کیونکر نہ اہلِ مایہ کے دشمن ہزار ہوں
پتھر لگاتے ہیں شجرِ میوہ دار میں

۶۹ نہ کیوں پابند ہوں اہلِ صفا خانہ نشینی کے
نکلتے کس نے دیکھا ہے کبھی آئینے کو گھر سے

۷۰ صافی دلوں کی دید کو مانع نہیں حجاب
عینک سے ہے دوچند ضیائے بصر مجھے

۷۱ ہیں جو سالک جانتے ہیں اپنے دشمن کو بھی دوست
آبلوں کو فائدہ کرتی ہے کاوشِ خار کی

۷۲ خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہلِ دولت کی
نہ جھاڑے آستینِ کہکشاں شاہوں کی پیشانی

۷۳ نہیں جاتی اصالت آدمی کی صحبتِ بد سے
نہ ہو آہن رہے جو پاس آہن کے طلا برسوں

جو ہیں اہلِ کرم شرمندہ ہوتے ہیں وہ سائل سے
جھکاتا ہے سرِ ساغر پہ شیشہ اپنی گردن کو

نیکی

نیکیوں کو آسماں نابود کر سکتا نہیں
نیکی کرو کام آئیگی آخر کو نکوئی

نیک نامی بہرِ انساں بعدِ مُردن چاہیئے
پھل نکوئی کا تو لیتا جا اگرے جا سکے

صدا یہ قبر سے بیدار دِل کے آتی ہے
ہو سکے تو کر لے اَے دل کچھ جہاں میں کارِ نیک

بریں رواقِ زبرجد نوشتہ اند بہ زر
نیکی کُن اے فلان و غنیمت شمار عُمر

سعدیا مردِ نکو نام نمیرد ہرگز
کارِ خیر و نیک میں کوشش کیئے جا و ضرور

ہے تنگ زمانے میں بہت عمر کا عرصہ
اگر قُربِ خُدا چاہے تو نیکی سے محبت کر

کیسہ زر خرچ کرنے سے نہ ہووے گا تہی
دے جو محتاجوں کو دینا ہے کہ فرصت ہی ابھی

باراں کی طرح لُطف و کرم عام کیئے جا
نام مطلوب ہے تو نام کے اسباب بنا

ہے فیض سے وقار۔ کہ میری نگاہ میں
ہمایوں تیرے مرقد پر بنائیں مقبرہ کیوں ہم

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت
جسم مر سکتا ہے نام نیک مر سکتا نہیں

ساتھ اپنے عمل ہونگے وہاں اور نہ کوئی
شمع تربت پر نہ ہو۔ پر نام روشن چاہیئے

پھر پھر اس گلشن میں اے ناداں تجھے آنا نہیں
عمل جو نیک ہوں تو ایسی خوابگاہ نہیں — داغ ١

ہی غنیمت تو سے ہو جس قدر مُہلت نصیب — جرار
کہ جُز نکوئے اہلِ کرم نخواہد ماند

زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند — سعدی
مُردہ آنست کہ نامش بہ نکوئی نہ برند — ،،

کام کی شے جُز نکو کاری یہاں کچھ بھی نہیں
اس میں عمل نیک کیا چاہے تو کر لے — سودا

بدی میں بہتری کی کوئی صورت ہو نہیں سکتی
دیگا سائل کو جو منعم کیا گدا ہو جائے گا

ڈھونڈتا ہے گور میں قاروں گدا ملتا نہیں
آیا ہے جو دُنیا میں تو کچھ نام کیئے جا

پُل بنا۔ چاہ بنا۔ مسجد و تالاب بنا
جس شاخ میں ثمر ہو وہ ہر لاکھ مَن کی شاخ

یہاں حُسنِ عمل ہو سے بہتر یادگار نہیں — ہمایوں
نوشیرواں نمُرد کہ نام نکو گذاشت

٢٠ اہلِ دوّل میں چاہیئے ہو جوہرِ سخا
وُہ ہی شجر ہے خوب کہ جس میں ثمر ہو...

٢١ دنیا کا زر و مال کیا جمع تو اے ذوق
کچھ فائدہ بے دستِ کرم اُٹھ نہیں سکتا...

٢٢ مال رکھنے کو نہیں کہدو غنی سے بانٹ دے
لفظ میں تقسیم کے داخل کیا ہے سیم کو...

٢٣ قرآن ہے شاہد کہ خُدا حُسن سے خوش ہے
کس حسن سے یہ بھی تو سنو حُسنِ عمل سے

٢٤ بے فیض اگر ہے چشمۂ آبِ بقا تو کیا
مانگو تو ایک قطرہ نہ آئینہ وار دے

٢٥ خیالِ تن پرستی چھوڑ۔ فکرِ حق پرستی کر
نشاں رہتا نہیں پر نام رہجاتا ہے انساں کا

٢٦ نیک ناموں کے نشاں باقی رہینگے حشر تک
کیا ہُوا اگر دورِ گردُوں نے مٹا دی قبر تک

٢٧ حُسنِ عمل کو چشمِ بصیرت کے فیض نے
آئینۂ حیات کا جوہر بنا دیا

٢٨ مردے سے بہتر ہے نامِ مرد سچ ہے یہ مثل
پہلوانی ہر سو ہے۔ رستم کی آتش دھاک ہے

٢٩ یارے دُنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کرکے چلو یاں۔ کہ بہت یاد رہو

٣٠ ہے رہنمائے خلق عمل جس کے نیک ہوں
کافر ہو وُہ عقیدہ میں یا دیندار ہو

٣١ مکرّم جنس ہے یاں دستگیری نیم جانوں کی
خریدا کر ملیں جتنی دُعائیں ناتوانوں کی

٣٢ دور دستاں را بہ احساں یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بہ پائے خود ثمر مے افگند

٣٣ دیکھ نادان نہ بو تخم نکو کاری کے سوا
کہ کبھی کشتِ عمل تیری درو ہو دیگی

٣٤ نہ کر تو دیر کارِ نیک میں۔ کیا جانئے کیا ہوگا
٣٥ اگر اس کام میں کچھ عرصہ اسے مجہول کھینچیگا

٣٦ کر سخاوت خوب نام نیک لیجا اپنے ساتھ
مشتہر دنیا میں ذکرِ خیرِ حاتم دیکھ کر

٣٧ دنیا میں کہنے کو سبھی کہلاتے ہیں بھلا
پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

٣٨

توشۂ آخرت

٣٩

٤٠ غافل نہ فکرِ زاد سے رہنا کہ بے خبر
کیا جانئے یہ قافلہ کس دم سفر کرے

جمع کر نیک عمل یوں کہ مُسافر جیسے
عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ہستی ہیں
بہت مضبوط گھر ہے عاقبت کا دارِ دُنیا سے
کیا وہ دُنیا جسمیں کوشش ہو نہ دیں کیواسطے
یارو سفر کا کچھ سر و سامان تو کرو
بے سر و ساماں روانہ ہو گے کیا بتلاؤ رند
سونپ اور وں کے ہاتھوں پر کہ وہ کیا دینگے خاک
بیج بو کر پھل اٹھایا خوب تم نے ہی یہاں
سفر مُلکِ عدم تجھ کو ہے آخر درپیش
راہزن کا تو اندیشہ نہیں راہِ عدم میں
خیالِ زادِ سَفر رکھ۔ عدم کو جانا ہے
گر فکر میں ہو راہ کے۔ توشہ کا کرو فکر
عقبیٰ کی ظفر چاہیئے کچھ فِکر بشر کو
صرف ﷲ مالِ دُنیا کر
دُنیا سے جا رہے ہو کیا لے کے ای نظر تم
یاں چلنے دیر کچھ نہیں لگتی ہے میری جاں
ملیگی روزِ جزا بے طلب جزائے عمل
متاع و مال کی لذّت اٹھائے گا پھر کیا
چاہیئے فکرِ زادِ راہ ضرور
بیخبر بیٹھے ہو کیا منزلِ ہستی میں رند
توشۂ آخرت کا فِکر رہے

پیشتر کوچ کے اسباب سفر لیتا ہے — آزاد
نہ کوئی شہر نہ کوئی دیار راہ میں ہے
اُٹھا لینا یہاں سے اپنی دولت اور وہاں رکھنا
واسطے واں کے بھی کچھ بات ہیں کیواسطے
جانا کہاں ہے تم کو ذرا دھیان تو کرو
کوچ ہے اور فرصت سازِ سفر ملتی نہیں
ہو سکے تو کرلے کچھ خیرات اپنے ہاتھ سے
عاقبت کیواسطے بھی کچھ تو بونا چاہیئے
خوابِ غفلت سے تو بیدار ہو کیا سونا ہے
ہم ساتھ لئے زادِ سفر کیوں نہیں جاتے
جو لے نہ جائیگا یاں سے تو پائیگا پھر کیا — رند
اے غافلو نزدیک ہے روزِ سَفر آیا — ظفر
بیہودہ ہے دُنیا کی مہمات میں تشویش — "
مَرد ہے کچھ تو بہرِ عقبیٰ لُوٹ — آتش
زادِ سفر نہیں ہے رختِ سفر نہیں ہے — ظفر
رختِ سفر کو اپنے شتابی سے بار کر
کریم دیگا اُسے واں۔ جو کوئی یاں دیگا
گدا کو دیگا نہ مُنعم تو پائے گا پھر کیا
رند اک دن سفر مقرر ہے — رند
کوچ درپیش ہے تیاری کرو چلنے کی — رند
جی سے جانے کا ہے سفر نزدیک

۲۳ آخرت میں عملِ نیک ہی کام آئینگے — پیش ہے تجھ کو سفر۔ زادِ سفر پیدا کر

۲۴ منزل دُور ہے درپیش تہی دستی میں — توشۂ راہ نہ ہو رخصتِ سفر کی صورت

۲۵ ہستیِ فانی ہے آتش چار دن میں نیستی — فکرِ عقبیٰ کی کرے دُنیا کو انساں چھوڑ کر

۲۶ عقبیٰ کی ظفر چاہیئے کچھ فکرِ بشر کو — بیہودہ ہے دُنیا کی مہمات میں تشویش

۲۷ عقبیٰ کی بھی کچھ فکر ہے انسان کے آگے — مرغی کی طرح بیٹھ کے انڈے ہی نہ توڑے

۲۸ کچھ نہ لے چلے ساتھ خیال آیا دمِ مرگ — ہنگامِ سفر حسرتِ زادِ سفر آئی

۲۹ جوانی میں نہ کر غفلت سفر کرنا ہے پیری میں — مسافر رات سے کرتا ہے ساماں دن کی منزل

۳۰ رہ کے دُنیا میں کوئی کام نہ عقبیٰ کا کیا — یوں سفر میں ہیں کہ کچھ زادِ سفر پاس نہیں

۳۱ لازم اندیشۂ عقبیٰ ہے ہمیں دُنیا میں — چاہیئے زادِ سفر۔ وقتِ سفر سے پہلے

۳۲ یہاں کے واسطے کیا کیا تزک کیا کیا تکلف ہے — وہاں کے واسطے بھی کچھ تو انگر مول لیتے ہیں

۳۳ حال وزیر یونہی پڑا رہ جائیگا سب دہر میں — کام آئیگا وہی رکھا ہے جو زادِ سفر

۳۴ ہمکو یاں اپنے عمل پر ہے نظر کچھ بھی نہیں — کوچ سر پر ہے مگر زادِ سفر کچھ بھی نہیں

۳۵ جاتے ہیں خالی ہاتھ جہانِ خراب سے — بے توشگی ہی توشہ ہمارے سفر میں ہے

۳۶ دُنیا میں قصر و ایواں بے فائدہ بنایا — عقبیٰ نہیں بنائی منعم تو کیا بنایا

مرنجاں مرنج

۱ حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام — با مسلماں اللہ اللہ۔ با برہمن رام رام — حافظ

۲ شاہراہِ ہستیِ موہوم میں وہ چال چل — اپنی آنکھوں کو بچھاویں دوست دشمن زیرِ پا

۳ صلح کل مسلک ہے میرا۔ مجھ سے خوش ہے ہر رفیق — ہاتھ میں تسبیح۔ گردن میں مری زنار ہے

۴ دوست دشمن یار رکھتا۔ خاطر اپنی کیا عزیز — عیب الفت کے سوا ہم میں ہنر کوئی نہ تھا — آتش

دشمن بھی ہو تو دوستی سے پیش آئیے — بیگانگی سے اپنا نہیں آشنا مزاج — 〃

وفا پرست ہوں شیوہ ہے دوستی میرا ۔ نہ کی وہ بات جو دشمن کو ناگوار ہوئی ۔ ذوق

برنگِ سایہ گذر شاہراہِ ہستی سے ۔ کسی کے دوش کا آتش جنازہ بار نہ ہو ۔ آتش

پہنچے کسی کے دل کو نہ تجھ سے اگر گزند ۔ چال کی طرح کریں تجھے اہلِ جہاں عزیز ۔ رند

برہمن برہمن سمجھے مسلماں اہلِ ایماں ہیں ۔ بسر کر اس طرح سے زندگی گبر و مسلماں میں ۔ رند

چناں ذی حافظا در عالمِ فانی پس از مُردن ۔ مسلماناں بہ زمزم شویند و ہندو بہ سوزانند ۔ حافظ

خلافِ حکم مذہب نیست دستورِ ہوا خواہی ۔ تعصّب دُور کن از دل اگر وصلِ خُدا خواہی

از تعصّب کاسہ شیخ و برہمن شد جُدا ۔ ورنہ در میخانہ یک ساقی و یک جام است و بس

وہ طرزِ زندگی ہو کہ مرنے کے بعد بھی ۔ دُنیا کے لب پہ تیرے لئے واہ وا رہی

قبولِ خاطرِ مردم ہو تُو تیا کی طرح ۔ عزیز تیری کریں شیخ و برہمن مٹی ۔ آتش

ربط ہے کافر و دیندار سے یکساں مُجھ کو ۔ کتنے ہندو مجھے کہتے ہیں مسلماں کتنے ۔ رند

چال وہ چل کہ ہو جان سے دل عالم کو عزیز ۔ آنکھوں پہ رکھیں تیرے کافر و دیندار قدم ۔ آتش

نہ تو دشمن کوئی میرا نہ کوئی میرا دوست ۔ بارِ خاطر نہ کسی کا نہ غبارِ دامن ۔ ″

وہ کون لوگ ہیں بیگانے ہیں جو اپنوں سے ۔ ہمیں تو غیر سے بھی بُوئے آشنا آئی ۔ رند

جائیگا جس ملّت میں تو پائیگا واں جنگ و جدل ۔ آرام گر منظور ہے تجھ کو تو صلحِ کل میں ہے

گر زندگی اس طور سے اے دردِ جہاں میں ۔ خاطر پہ کسی شخص کے تو بار نہ ہووے ۔ درد

دشمن سے بھی عداوت نہیں ہے فقیر کو ۔ اے دوست بد یا بدی کا عوض بھی نکوئی ہے

اپنے دل میں دو نور کھتے ہیں برابر مجھ کو یاد ۔ ہو سکے تو دوست دشمن کو برابر چاہیئے

شکر صد شکر نہیں ہیں کسی خاطر کا غُبار ۔ خاک کعبہ کی ہوں یا گردِ صنم خانے کی

اب تلک نہیں ٹوٹا کسی کا دل مجھ سے ۔ نہ خلق کا نہ خدا کا گنہگار ہوں میں

اس چمن کی سیر میں لیجا بسر تو اس طرح ۔ چاہیئے ہووے نہ تیرا خار دامنگیر ایک ۔ سودا

منزلِ ہستی میں دشمن کو بھی اپنا دوست کہہ ۔ رات ہو جاوے تو دکھلاوے تجھے رہزن چراغ ۔ آتش

۲۷ صفوف ہستی میں صورت ہے نہیں اغیار کی — ہر مرقع میں ہیں تصویریں بس اپنے یار کی

۲۸ ناتواں ہو کے جہاں میں رہوں ایسا ناسخ — کہ مرے پاؤں سے چیونٹی کو بھی آزار نہ ہو

۲۹ من از بازوئے خود دارم بسے شکر — کہ زور مردم آزاری ندارم

۳۰ اکسیر نے تو کیا ہو وہ مشت خاک سونا — خاطر پہ جب کسی کی اس سے ملال آیا

۳۱ نوائے ساز وحدت ہی تو مشتاق سنتے ہیں — مسلماں کی اذاں سے ہو کہ ناقوس برہمن سے

۳۲ نسبتاً ساری بھلائی ہے برائی کے طفیل — جو برا بھی ہے وہ اچھا نظر آیا ہے مجھے

۳۳ بھری ہے میرے ظرف دل میں یاں تک دوست کی الفت — کہ بغض غیر کا جس میں گزر مشکل سے ہوتا ہے

۳۴ لے اکسیر گر اس کشت خوں کی میں نہ لوں ہرگز — مرے مذہب میں خوں کرنا ہی کشتہ کرنا پارے کا

۳۵ گوارا یاں دل دشمن کی بھی شکست نہیں — ہماری کفش سے موذی کو بھی گزند نہ ہو

۳۶ کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلا شیخ — تو مجھے گبر کہے۔ گبر مسلماں مجھکو

۳۷ مثل بوئے گل سفر ہوگا مرا — وہ نہیں ہیں جو کسی پر بار ہوں

۳۸ کسی کا دل نہ کیا ہم نے پائمال کبھی — چلے جو راہ تو چیونٹی کو بھی بچا کے چلے

۳۹ محبت پیشہ ہیں دل میں کدورت ہم نہیں رکھتے — صفائی ہے ہماری آئینہ ہر دوست دشمن پر

۴۰ صلح کل کا مرا مذہب ہے سبھی یکساں ہیں — ہندو و گبر و نصاریٰ و مسلماں مجھ کو

۴۱ چاہیں اگر وہ کافر و دیندار میں سلوک — بتخانے میں ہو کعبہ تو کعبے میں دیر ہو

۴۲ ہاتھ میں سبحہ تو زنار رہا گردن میں — ہم سے آزردہ دل گبر و مسلمان نہ ہو

۴۳ کیا جانے کیسی ہوتی ہے ناسخ عدو کی شکل — یاں کوئی جز حبیب حضور نظر نہیں

۴۴ بار خاطر نہ ہو عالم کو۔ سبک باتوں سے — زندگانی میں نہ ہو مردے سے غافل بھاری

۴۵ آرام کیا کہ جس سے ہو تکلیف اور کو — پھینکو نہ کبھی پاؤں سے کانٹا نکال کے

۴۶ بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ — بندہ گر آئے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

۴۷ اہل اسلام تو کہتے ہیں مُسلماں ہے یہ
ہندو کہتے ہیں نہیں کوئی یہ ہندو ہوگا — غریب

۴۸ رندِ مشرب ہوں میرا مہر و محبت ہے طریق
نہ مسلماں سے کاوش نہ خلش ہندو سے — رند

۴۹ گنجائشِ عداوتِ اغیار اک طرف
یاں دل میں ضعف سے خلش خار بھی نہیں — غالب

۵۰ ہم نہ ہیں دوست کسی کے نہ کسی کے دشمن
یار سے ہمکو لگاوٹ ہے نہ اغیار سے لاگ — امیر

۵۱ نفاق و کفر و دیں کیسا۔ غلط کہتا ہے تو واعظ
وہ ہیں زنّار جو تسبیح کے دانوں میں رہتے ہیں

۵۲ منظور ہے کہ رنج مجھے ہو۔ جہاں کو عیش
توڑوں عوض میں پھول کے کانٹا گلاب کا — وزیر

۵۳ شد است سینۂ ظہوری پر از محبتِ یار
برائے کینۂ اغیار در دلم جا نیست — ؍

۵۴ ہرگز مجھے نظر نہیں آتا وجودِ غیر
عالم تمام ایک بدن ہی میں دیدہ ہوں

۵۵ نہیں ہیں بارِ خاطر دوستو نکا بار شاطر ہوں
اُٹھاؤں کس لئے خفّت کسی دل پر گراں ہو کر — سحر

۵۶ صلحِ کل مشرب و مذہب ہے تو کیا دشمن و دوست
دل میں وہ پھول ہوئے آنکھ میں جو خار ہوئے — انور

۵۷ دوست تو دوست ہے دشمن سے کبھی ہے ربط مجھے
دل میں ہر شخص کے رہتا ہوں تمنّا ہو کر — سالک

۵۸ رہے نہ دل میں کدورت کسی کی جانب سے
یہ آئینہ نہیں گرد و غبار کے قابل — ساقی

۵۹ دوستی تھی مجھے ہر اک سے۔ گئے تا درِ قبر
دوش پر نعش مری گبر و مسلماں لیکر — مصحفی

ہمّت و استقلال

۱ چھپا دستِ ہمت میں زورِ قضا ہے
مثل ہے کہ ہمّت کا حامی خُدا ہے

۲ کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے
سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے — آتش

۳ وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
ہمّت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

۴ غیب سے جوہر مدد ہوتی ہے۔ ہمّت چاہیے
مستعد رہیے مقدّر آزمانے کے لئے — جوہر

۵ آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہو گر پست قامت ہو تو ہو

۶ ہم بھی لے بازوئے ہمت چاہتے ہیں کچھ مدد
مشکلے تیر اماجرا الٹھائے جوئے شیر سے

۷ کھے سو بار بھی بجلی اگر کشتِ تمنا پر

۸ زیرِ قدم ہے منزلِ مقصود اپنے رند

۹ منزلِ مقصد پہ ہمت سے پہنچتا ہے بشر

۱۰ بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد

۱۱ کمالِ بزدلی ہے پست ہونا اپنی آنکھوں میں

۱۲ ہمت بلند دار کہ نزدِ خدا و خلق

۱۳ محنت ہی پہ موقوف ہے آسائشِ گیتی

۱۴ گر نہ بودے محنتِ ہجراں و دردِ اشتیاق

۱۵ مل نہیں سکتی نکموں کو زمانے میں مراد

۱۶ مال ملنے کا اِک بہانہ ہے

۱۷ قدم رہتا ہے ثابت جنکا اس سختی دوراں میں

۱۸ استقامت ہے عجب شے نہیں جسمیں لغزش

۱۹ نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا

۲۰ صورتِ قطب عطا کر مجھے ثابت قدمی

۲۱ بے مشقت آستانِ یار کب ملتا ہے رند

۲۲ سعی سے باز نہ رہ۔ آبِ رواں کی مانند

۲۳ ہے قوتِ بازو میں تری رازِ سعادت

۲۴ بعد محنت کے جو حاصل ہوں تو ملتا ہے مزہ

۲۵ بے نیشِ الم لذت از نوش نہ یابی

۲۶ سختی راہ کھینچیے منزل کے شوق میں

۲۷ نکلیں جو پاؤں تو چل سر کے بل نہ ٹھہر آتش

جو ہمت والے ہیں اُنہوں کب پہنچ [illegible]

ہمت سے تو قریب ہے گو راہ دور ہے

پائے ہمت سے پتہ چلتا ہے کوئے یار کا

اگر خارے بود گلدستہ گردد

اگر تھوڑی سی ہمت ہو تو پھر کیا ہو نہیں سکتا

باشد بقدرِ ہمت تو اعتبارِ تو

کھوئی بڑی راحت مری راحت طلبی نے

کس نے دانست قدرِ دولتِ دیدار را

کامیابی کی جو خواہش ہو۔ تو محنت چاہیئے

سچ ہے محنت بھی خود خزانہ ہے

بہادر ہیں وہی سر قلعۂ فولاد کرتے ہیں

تحمل کا پاؤں زمیں پر نہ پھسلتے دیکھا

سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

مثلِ سیارہ تو اے گردشِ اختر نہ پھرا

پائے مردی کر جو واں تک چاہتا ہے دسترس

نقشِ تدبیر کا بن بن کے بگڑ جانے پر

تو ڈھونڈتا پھرتا ہے اُسے بالِ ہما میں

انہیں کیا لطف ہو جو کام کہ مشکل نہ ہوئے

بر بسترِ غم مایۂ مقصود بسر کن

آرام کی تلاش میں ایذا اُٹھائیے

گلِ مراد ہے منزل میں۔ خار راہ میں ہے

سعی و خدمات و ذائقہ زیست کی پہچان ہے — جس نے حرکت چھوڑ دی سمجھو کہ وہ بیجان ہے

اُسی کا حق ہے جو ثابت کرے حق زورِ بازو سے — یہ لفظِ دلفریب خلقِ معنی سے معرّا ہے

ہمت کے ساتھ صبر و تحمل بھی ہو ۔ تو کیوں — میدانِ کارزار میں فتح و ظفر نہ ہو

خراب جستجو ہونا ۔ یہ عینِ زندگانی ہے — فلک پرواز ہو ۔ رکھا ہے کیا شاخِ نشیمن پر

ذائقہ دردِ محبت کا تن آسانوں کو کیا — جانتے ہیں اہلِ ہمت ہی مصیبت کے مزے

گرتے وُہی ہیں جو کہ ہیں میداں میں یکہ تاز — وہ طفل کیا گرے گا کہ جو گھٹنوں کے بل چلے

کام دُنیا میں نکلتا نہیں آسانی سے — جسکو ہم سہل سمجھ لیتے ہیں مشکل ہے وُہی — داغ

جو زہرِ ہجر کی تلخی سے تو نہیں آگاہ — تو قندِ وصل کی لذت اُٹھائیگا پھر کیا — رند

متاعِ عیش فتوحاتِ سعی کا ہے صلہ — سپاسِ سنجئ ایّامِ روزگار نہ کر — آغا حشر

او ننگِ اعتبار دُعا پر نہ رکھ مدار — او بیوقوف ہمتِ مردانہ چاہیئے — حفیظ

جہاں میں پائیگا کیونکر وہ گوہرِ مقصود — جسے تلاش سے ہو شرم جستجو سے لحاظ — ظفر

موج سے دست و گریباں ہو تو دریا میں ڈھونڈھ — گوہرِ مقصود تو دامانِ ساحل میں نہیں — رند

ڈوبنا شرط ہے دریائے تجسس میں رسا — ورنہ کچھ مُنہ کا نوالہ دُرِ نایاب نہیں — رسا

کونسی منزل کٹھن ہے جو کٹی جاتی نہیں — پر ذرا انسان میں چلنے کی طاقت چاہیے

اہلِ دولت سے سوا ہو صاحبِ جرأت کی قدر — سیم و زر سے تیز ہے نرخ آہنِ شمشیر کا — امیر

شہد کیواسطے زنبور نے کاٹا ۔ تو کھلا — نوش چاہے جو زمانہ میں تو بے نیش نہیں — آتش

خُدا نے وسعتِ دامانِ ہمت کی عطا جس کو — نہیں ہونے کا ہرگز تنگدل وُہ تنگدستی میں — ظفر

ہمت و محنت ہو تو سو بات کی ہے ایک بات — لوگ کہتے ہیں جسے مشکل وہ کچھ مشکل نہیں — عیش

دُرِ مقصد کی خواہش اور غمِ جاں کیا حماقت ہے — کسی کو ہاتھ آئے ہیں کہیں موتی بھی ساحل سے — ضامن

رہِ طلب میں نہ کر خوفِ لغزشِ پا سے — یہاں جو گر کے اُٹھا بس وُہ کامیاب اُٹھا — جگر

ممنون ہوں میں ہمتِ مشکل پسند کا — جو کام سہل تھے وہی دشوار ہو گئے — نظر

۴۹ سعی سے باز نہ آ آبِ رواں کے مانند — نقشِ تدبیر کا بن بن کے بگڑ جانے پر

۵۰ گھبرا نہ سعی سے تو اے دل کہ امتحان ہے — ناکامیاب ہوگا۔ تو کامیاب ہوگا

۵۱ طمع دولت کی بے تاب و تعب مت رکھ زمانے سے — مہوّس تا نہ جھونکے آگ میں سونا نہیں ہوتا

۵۲ نہ شاخِ گل ہی اونچی ہے نہ دیوارِ چمن بُلبُل — تری ہمّت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

۵۳ پہنچے اُس بُت کے نہ در تک یہ ہی ہمت کا قصور — ورنہ چاہے جو بشر عرش پہ قابو ہو جائے

۵۴ جستجو یار کی آساں ہے پہ مشکل یہ ہے — کہ مجھے عارضۂ ذوقِ تن آسانی ہے

جیسی کرنی ویسی بھرنی

۱ کردنی خویش مے آید فلک را تہمت است — ہر چہ اندازی میانِ آسیا آید بروں

۲ بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سُنے — ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

۳ برنگِ کوہ رہ خاموش حرفِ ناسزا سُنکر — کہ تا بد گو صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی

۴ کارِ بدلے غافلاں انجامِ بدکاری بدی ست — ثمرہ ہر کارے بہ ہر کارے مہیا کردہ اند

۵ عوض نیکی کا ہے نیکی۔ بدی کا ہے بدی بدلہ — مثل ہے دودھ کا دودھ اور پانی ہی پانی کا

۶ کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دِن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

۷ ہر آنکہ تخمِ بدی کِشت و چشمِ نیکی داشت — دماغ بیہودہ پُخت و خیالِ باطل بست

۸ ہر کسے در راہِ تو خارے نہد تو گل نہی — اُو سزائے خار یابد۔ تو جزائے گُل بری

۹ جو تجھ کو کانٹے بوئے اُس کو بو تو پھُول — تجھ کو پھول کے پھول ہیں اُسکو ہیں تر شول

۱۰ نتیجہ کیونکر اچھا ہو نہ ہو جبتک عمل اچھا — نہیں بویا ہے تخم اچھا تو کب پاؤ گے پھل اچھا

۱۱ پُھسکے فوّارے کے مانند نہ بول اے منعم — تھوکنا چرخ کو ہے اپنے ہی منہ پر آنا

۱۲ عادل ہے دیگا حاصلِ کِشتِ عمل یہیں — کاٹیں گے آپ ہمنے یہ کھیتی جو بوئی ہے

آوارہ گیند اُس سے شکایت عدو کی تھی
میرزا ضعیف کا ایذا دہندہ پاتا ہے
جو نہ دے ایذا کوئی۔ ایذا نہیں دیتا اُسے
بہتی تھی چوب تیشہ میری طرح ایک دن
مینہ انگشت یہ گفتارِ بزرگاں زنہار
ایں جہاں کوہ است و فعلِ ما ندا
یاد رکھ یاد کہ ہے مزرعۂ عقبےٰ دُنیا
دشمنی کرنیکا پھل دشمن کو خود ملجائے گا

ناچار چپ ہیں صورتِ دیوار کی طرح
وہ زرد ہوتا ہے جو کشتِ زعفران کاٹے
سایۂ دیوار کو اندیشۂ عاقل نہیں
ٹوٹیگی نخلِ آرزوئے کوہکن کی شاخ
تیرِ پرچرخ میانداز کہ بر مے آید
آں نداہا ر باز آید سُوئے ما
یُوں مٹا کر کسی بے جرم کو مسرُور نہ ہو — حبیب
آنے والا ایک دن اُسکے لئے مشکل کا ہے — رضا

وقت کو غنیمت جاننا

جعفر بہ بوستانِ جہاں دم غنیمت است
اگر بہ سیرِ چمن میروی قدم بردار
نام روشن تجھے کرنا ہے تو کر لے غافل
غنیمت شمر صحبتِ دوستاں
تو وصل گُل کا غنیمت سمجھ لے اے بُلبُل
زمانہ میں خوشی کی ساعتیں حیرت غنیمت ہیں
گردش ہے زمانے کو غنیمت اسے سمجھو
جو کہ زندہ ہیں غنیمت سمجھو اسے محشر نہیں
شرار و برق کی سی بھی نہیں ہے فرصتِ ہستی
جو دم کہ گذرتا ہے غنیمت ہے وہ افسر
شب عشرت غنیمت داں و دادِ خوشدلی بستاں

شادی نصیب اگر نہ شود غم غنیمت است — جعفر
کہ ہمچو رنگِ حنا میرود بہار از دست
شمع ساں بزم جہاں میں ہی فقط مہلتِ شب — صبا
کہ گل پنج روز است در بوستاں
نہ پھول باغ میں دو دن کی زندگانی پر — ظفر
بہت تھوڑا ہی وقت اس کا ہیں جس محفل میں شامل ہیں — حیرت
کچھ دم ہی گذر جائیں خوشی سے جو یونہیں اور
صحبت اگلے دوستوں کی اب کہانی ہو گئی — محشر
غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پایا
کیا ٹھیک ہے دورانِ بقا ہے بھی نہیں بھی — افسر
کہ در عالم کسے احوالِ فردا را نمے داند

۱۲ گذشتہ خواب و آیندہ خیال است
غنیمت داں ہمیں دم را کہ حال است

۱۳ غنیمتے شمرائے شمع وصل پروانہ
کہ ایں معاملہ تا صبحدم نخواہد ماند

۱۴ بُرے ہیں یا بھلے ہم تم۔ ظفر لیکن غنیمت ہیں
کہ یاں آئینگے پھر پھر کر نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

۱۵ جو ہم تم پاس بیٹھے ہیں سنو یہ دم غنیمت ہے
یہ ہنستا بولتا رہجائے تو کیا کم غنیمت ہے

۱۶ غنیمت سمجھ وقت فرصت کو غافل
نہ ہاتھ آئیگا پھر یہ موقعہ جواب سے

۱۷ جو دم ہے غنیمت ہے کیا جانئے کیا کل ہو
اِک دُور کی نسبت ہے امروز کو فردا سے

۱۸ غنیمت ہے یہ دید اور دیدِ یاراں
یہاں مُند گئی آنکھ میں ہوں نہ تو ہے

۱۹ کوئی دم فرصت جسے ملجائے سمجھے مغتنم
رہ گیا۔ بس جسنے رکھا کام کل پر آج کا

۲۰ ہم کہاں تم کہاں گُل کہاں گلزار کہاں
مغتنم۔ گلشنِ ایجاد کے نظارے ہیں

۲۱ اے داغ ہم نہایت سمجھے اُسے غنیمت
جو دم خوشی سے گذرا یارانِ ہموطن میں

۲۲ نغمہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ ہستی ایک دن

۲۳ دوستو صحبتِ احباب غنیمت سمجھو
سامنا کس کو نہیں گور میں تنہائی کا

۲۴ سیَر تو ایک طرف لاکھ غنیمت کہ یہاں
سانس لینے میں کوئی شخص گنہگار نہ ہو

۲۵ قصد کرنا نہ بہت ربط بڑھانے کا دلا
مغتنم جان جو اتنی بھی ملاقات رہے

۲۶ مغتنم ہی جانیو اے دل اِسے جو حال ہے
سالِ آیندہ نہ ہوگا یہ بھی جو امسال ہے

۲۷ ایک ہی چشمک تھی فرصتِ صحبتِ احبا کی
دیدۂ تر ساتھ لے مجلس سے پیمانہ گیا

۲۸ جلد اے رُوح سفر پیکرِ خاکی سے نہ کر
چند روزہ ہے ملاقات غنیمت تیری

۲۹ گلے ملکر ذرا رخصت تو ہو لیں اہلِ گلشن سے
خدا جانے کہاں اگلے برس ہمکو بہار آئے

۳۰ اپنے دم کو آدمی ہر دم غنیمت جانیے
خاک کا پھر ڈھیر ہے بعدِ فنا کچھ بھی نہیں

۳۱ آجائیں ہم نظر جو کوئی دم بہت ہے یاں
مہلت ہمیں بسانِ شرر کم بہت ہی یاں

Scanned with CamScanner

فرصت بہت ہی کم ہے غنیمت سمجھ ظفرؔ
ہنس بول کر بسر ہو جو اوقات چند روز — ظفر

جو آج صحبتِ احباب ہے غنیمت ہے
شریکِ کل کوئی ہمدم رہے رہے نہ رہے — منیر

کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے سنا انشا
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں — انشا

حباب وار غنیمت ہے فرصت اک دم کی
ہوا پہ زندگیٔ مستعار رکھتا ہوں — نسیم

بہارِ باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرداز چہچہ کر — مومن

عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبیعی نہ سہی — غالب

غنیمت جان جو دم گزرے کیفیت سے گلشن میں
دیئے جا ساقیٔ پیماں شکن بھر بھر کے پیمانہ — ظفر

دو روزہ زیست غنیمت ہے ذکرِ حق کر لے
بدن میں جان دہن میں زباں رہی نہ رہی — امیر

ہے غنیمت کوئی دم نظارۂ رنگِ بہار
پھر کہاں یہ گلشن اور گل اور یہ سبزہ یہ ہوا — ذوق

موسمِ عیش کو دنیا میں نہیں کچھ وقعت
کم ہے یاں برق کی چشمک سے بقا ساون کی

غنیمت ہے کوئی دم سیرِ گلشن
بھروسا کیا ہے دم آوے نہ آوے — ہدایت

لے وقت وقت پیارے پچھتا رہے ہیں کھو کر
ممکن نہیں ہے اب تو مر کر بھی ہو میسر

غنیمت ہی سمجھئے حلقۂ احباب گرد اپنے
یہ دورا پھر نہ ہو گا گردشِ افلاک سے پیدا — آتش

وقتِ مصیبت

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

دوست دشمن میشود صائب بوقتِ بیکسی
خون زخم آہواں رہبر شود صیاد را — صائب

بدن سے روح تک باہر نکل جاتی ہے صدمے سے
کوئی ساتھی نہ دیکھا ہم نے دنیا میں بری گت کا

بوقتِ تنگدستی آشنا بیگانہ میگردد
صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ میگردد

سیاہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے — ناسخ

حالتِ بد میں نہیں کوئی کسی کا آشنا
کوچ کر جاتا ہے پیش از مردنِ بیمار خواب

۷	کسی کا ساتھ کب دیتا ہے کوئی بے قراری میں	تڑپتا رہ گیا شعلہ شرر نے قطع منزل کی
۸	ہوتا ہے حالِ بد میں کسی کا شریک کون	پتے بھی کھا گئے ہیں خزاں میں چمن سے دور
۹	رفیقِ حال بُرے وقت میں نہیں کوئی	شریکِ جنگ ہیں شمشیر کا نیام نہیں
۱۰	مٹی جب تابِ طاقت روح کیونکر جسم میں ٹھہرے	شکستِ بادشاہ ہی فوج نے جب مورچہ چھوڑا
۱۱	ساتھ دیتا ہے کون پیری میں	گوشت نے استخوان کو چھوڑ دیا
۱۲	دیتا ہے کہاں ساتھ بُرے وقت میں کوئی	پتھر کو لگی چوٹ شرارے نکل آئے
۱۳	کیسے رفیق۔ آمدِ پیری میں چل دیئے	مُنہ میں زبان رہ گئی دنداں نکل گئے
۱۴	وقتِ بد میں کون ہوتا ہے مُصیبت کا شریک	ہجر کی شب کی اندھیری میں مہِ کامل کہاں
۱۵	جب پڑا ہو وقت کوئی۔ ہو گئے ہیں سب الگ	دوست بھی اپنا نہیں بیگانہ تو بیگانہ ہی
۱۶	موت بھی آ نہ پھری پاس ہمارے اب تک	سچ تو یہ ہے کہ بُرے وقت میں کیسا اخلاص
۱۷	بکھر جاتے ہیں جب گیسو تو شانہ کیا الجھتا ہے	کسی کا کوئی بھی پرسا نہیں حالِ پریشاں میں
۱۸	رُوح نے پھر کر نہ دیکھا آہ اپنے جسم کو	غیر ہو جاتے ہیں سب ہی آنکھ پھر جانے کے بعد
۱۹	عزیز و اقربا سب ساتھ دم کے چھوٹ جاتے ہیں	جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں
۲۰	یگانے زندگی تک ہیں عزیز و اقربا اے رند	لحد میں سوئے جب جا کر نہ رشتہ ہے نہ ناطہ ہے
۲۱	بدل جاتی ہیں آنکھیں وقت پر ہر ایک مونس کی	ضرورت ہی نہ پیدا ہو ضرورت ہے ہمیں اس کی
۲۲	اے رند وقتِ بد میں کسی نے دیا نہ ساتھ	آنکھیں چرائے اپنے پرائے چلے گئے
۲۳	کسی کا یار بُرے وقت میں نہیں کوئی	نہ دیکھا رُوح کو ہوتے شریکِ تن مٹی
۲۴	دوستی کے جو کیا کرتے ہیں دعوے احباب	وقت پڑتا ہے۔ تو پھر آنکھ چرا لیتے ہیں
	رکھنا اُمید۔ فہم کا اپنے قصور ہے	امدادِ وقتِ بد میں قریبوں سے دُور ہے
	دوست غیر ہوتے ہیں دشمن جدا ہونے کے ساتھ	وہ شجر ہوں برگ گرتے ہی نیر ہو جائیگا
	دیکھ لو کوئی کسی کا دوست دنیا میں نہیں	جان فرقت میں گئی دل کو نہ مطلق غم ہوا

وقتِ بد میں کون دیتا ہے کسی کا ساتھ رند
خدا کسیکو نہ روزِ سیاہ دکھلائے
شریک کوئی بُرے وقت کا نہیں اے بحر
زمانہ تھا جو موافق شریکِ حال تھے دوست
مصیبت کے دنوں سے عیش کے دن جب مرے بدلے
وقتِ بد میں کیا کسی سے ہو رفاقت کی امید
سچ ہے کہ بُرے وقت نہیں کوئی کسی کا
کوئی شریکِ حال بُرے وقت کا نہیں

یار ثابت اک ملی دُنیا میں تنہائی مجھے — رند
گہن میں چاند ہے تارے شریکِ حال نہیں — بحر
جسد کو چھوڑ گئی ہے لحد کے غار میں روح — بحر
پڑا جو وقت تو کوئی غمگسار نہ رہا — ذرہ
خیال اغیار کا تو ذکر کیا ہے دوست سب بدلے — خیال
بھاگتا ہے جب زوال آتا ہے سایہ سا رفیق — ایجاد
لب خشک ہیں اور دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں — آغا
آتی نہیں ہے موت بھی بیمار دیکھ کر — زنگ

نتیجۂ آخری

خوش نصیبی ہے بڑی گر خاتمہ بالخیر ہو
آغاز سے ہر امر کا انجام خوب ہو
جو ہوا آغاز میں بہتر وُہ خوشی ہے بد تر
لحد کی فکر بھی لازم ہے مُنعِم قصرِ عالی میں
مآلِ کار سجھایا قُبور نے ہم کو
جو ہیں مآل میں گلِ صد برگ کی طرح
نہ ہو آغاز پر نازاں مآلِ کار کو دیکھے
مآلِ زندگی کو سوچکر دُھنتا ہوں سر یہ دل
ساغرِ جم سے میرا جامِ سفال اچھا ہے
نظر آتی ہے صفا سیں مجھے انجام کی صورت
ہر قبر پر اُگا ہے علی الاتصال خاک

آدمی کے واسطے جو کچھ کہ ہے انجام ہے
اِنسان کو خیال رہے گر مآل کا
جس کا انجام ہوا اچھا۔ وہ مصیبت اچھی
مآلِ کار بھی کچھ سوچ لے اے بے خبر اپنا
یہ نقد مال لگا ہاتھ اِن دفینے سے
اُن کو پسند رنگِ خزاں ہے بہار میں
یہ پتلا خاک کا کیوں آسماں سر پر اٹھاتا ہے
یہ کیسے لوگ ہیں یارب جنہیں جینے کا ارمان ہے
مال وُہ اچھا ہے جس کا کہ مآل اچھا ہے
جو گورستاں میں دیکھا ہے کوئی آئینہ زانو کا
سمجھے جو آدمی کہ ہے میرا مآل خاک

۱۲ کچھ ہوش ہو تو آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھئے — آغاز پُر فریب سے انجام کار کو

۱۳ سنو کہہ رہا ہے لاشہ بہ زبانِ بے زبانی — میری خاموشی میں مُضمر ہے مآلِ زندگی

۱۴ دفینے گاڑ کر۔ قبروں میں آخر گڑ گئے منعم — مآلِ مالِ دُنیا خاک غیر از یاس و حسرت ہے

۱۵ مآلِ کار کی صورت بھی آنکھوں کو نظر آتی — لگا دینا تھا اک آئینہ بھی قبرِ سکندر میں

۱۶ قبر میں اے سونیوالے کھولکر آنکھیں تو دیکھ — ابتدا کیا چیز تھی اور انتہا کیا چیز ہے

۱۷ کیا کچھ تھا اس سواد کا آغاز خوشنما — انجام کو جو غور سے دیکھا تو خواب تھا

۱۸ ہوتی اسیر انجام پر کچھ بھی اگر اُن کو نظر — آنکھوں سے جاتے دوڑ کر حاجت رَوا سائل کے پاس

۱۹ فرطِ الفت کا مآلِ کار ہے عاشق کو موت — جب شرابی کو زیادہ نشہ ہو بیہوش ہے

۲۰ کیا کہوں نا آشنایانِ مآلِ عشق تھے — کر گئے جو وضعِ رسمِ عاشقی میرے لئے

۲۱ جو بگڑی ابتدا میری تو کچھ پرَوا نہیں اس کی — مگر ہو خاتمہ بالخیر احسن مرتے دَم تیرا

۲۲ فکرِ مآل سے مے و شاہد رہے عزیز — پیری میں موت یاد تھی۔ پیری شباب میں

۲۳ رہنے دے جامِ جم۔ مجھے انجامِ جم سُنا — کھُل جائے جس سے آنکھ وہ افسانہ چاہیئے

۲۴ جان کے زیست کا مآل پا کے اجل کو روبرو — پھر بھی ہیں مستِ عیش ہم یہ بھی عجیب راز ہے

۲۵ پڑی جب کلی پہ نظر مری تو غرورِ جلوہ سے مست تھی — کہا ایک پھول نے ٹوٹ کر یہ مآلِ جوشِ بہار ہے

۲۶ آغاز میں کبھی ہم انجام کو نہ بھولے — پہلے لحد بنائی پیچھے مکاں بنایا

پراگندہ موتی

۱ بچایا سختیوں سے دشمنوں کی ہلکے چلنے نے — رہا محفوظ دانتوں میں ہمیشہ میں زباں ہو کر

۲ تا رہیں سجدہ معبُود میں ناسخ مصروف — سَر سے اسواسطے ہوتے ہیں سب انسان پیدا

۳ شاکی نہیں خدا سے بنی گر یہ شکلِ زشت — مُمکن نہیں کمُہار کا مٹی کرے گِلہ

بیٹھ کر کرسی پہ انساں کو نہیں لازم غرور
اے ظفر اپنی ریاضت کا نہ جبتک بل ہو
خیریت چاہے تو سیدھی چال لو حال مست
کسی کی مرگ پر اے دل نہ کیجے چشم تر ہرگز
کرے ہے سرنگوں اس باغ میں کثرت تعلق کی
تکلف کی ضرورت کیا جہاں سچی محبت ہو
مجھ کو اچھا ہے اگر غیر برا کہتے ہیں
آپ اپنے عیب سے واقف نہیں ہوتا کوئی
ہنسی آتی ہے مجھے بس حضرت انسان پر
کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
بشر کو بعدِ نعمت کے ہو ہوتی قدر نعمت کی
اسی کا حق ہے جو ثابت کرے حق زورِ بازو سے
عیب بیں کو کیا ہوا اپنے عیبِ مخفی پر نظر
نیتِ بد ہے تو کارِ نیک سے حاصل ہو کیا
زشت صحبت کرتی ہے لاریب اچھے کو برا
ہے بھڑک جتنی زیادہ جلد ہے اتنا زوال
کیا گرہ دینے میں نادانی سے کرتے ہیں خوشی
خدا کی یاد سے غافل نہ کر اس قلبِ خاکی کو
نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی۔ کہ یہ شے
عیبِ اصلی عارضی زینت سے چھپتا ہو کوئی
گو حرفِ پند تلخ ہے پر دل میں رکھ ظفر

پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھا ہی چلنے کے لئے
نہ نویں پیر کا کام آوے نہ استاد کا بل ظفر
نشہ میں گرتے ہیں چلتے ہیں اگر میخوار کج
بہت سارے گئے وا ایسے جو اس جینے پہ مرتے ہیں
ثمر کا بیشتر ہونا جھکا دیتا ہے ڈالی کو
حلاوت شیر مادر میں نہیں ہوتی ہے شکر سے
مفت بے سعی مرے ہاتھ ثواب آتا ہے
جیسے بو اپنے دہن کی آتی ہے کم ناک میں
فعلِ بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے
غنیمت جانتا ہے لنگ اپنے پائے چوبیں کو
یہ لفظِ دلفریبِ خلق معنی سے معرا ہے
دیکھ سکتی ہیں بھلا آنکھیں کہاں بالائے سر
جاگتے ہیں دزد بھی مثلِ نگہباں رات بھر
ہوتی ہے اچھی ہوا۔ ناپاک بستی میں خراب
سب ستاروں سے ہے روشن تر ستارہ صبح کا
فی الحقیقت ہوتی ہے کم عمرِ انساں ہر برس
کہ نورِ ذکر رونق بخش ہے اس مہرۂ گل کا گویا
عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جواں کیلئے ذوق
غازہ ملنے سے نہ زنگی خوبرو ہو جائے گا
اک روز یہ دوا تیرے کام آئیگی تلخ ظفر

نمبر	مصرعِ اول	مصرعِ ثانی
۲۵	مدد پیروں سے چاہیں۔ نوجواں مقصود کو پہنچیں	نشانے تک نہیں جاتا ہو ناوک [illegible]
۲۶	جو بھلے ہیں وہ بروں کو بھی بھلا کہتے ہیں	نہ برا سنتے ہیں اچھے نہ برا کہتے ہیں
۲۷	بے ثباتی ہے نہایت حسن بے ناموس کو	پائیداری ہوتی ہو کم شمع بے فانوس کی
۲۸	بمثال گنج قاروں اہل حاجت سے نہیں چھپتا	جو ہوتا ہے سخی خود ڈھونڈ کر سائل [illegible]
۲۹	دوست اچھے ہو تو پورے دوستی کی ہو رہو	یا کسی کو کر لو اپنا یا کسی کے ہو رہو
۳۰	محاسبہ سے وہ صبح جزا کے امین ہیں	جو آپ روز و شب اپنا حساب لیتے ہیں
۳۱	دیکھ کر پوتھی برہمن کہتے ہیں اس عہد میں	شادی تو آساں نہیں ہے بیاہ جو چاہے کرے
۳۲	جو ناتواں نہ کریں دستگیری دشمن	تو خار و خس نہ کریں شعلہ کو کبھی برپا
۳۳	خلوت میں عہد باندھے یا کوئی انجمن میں	منہ صدق سے نہ موڑے [illegible]
۳۴	مجھ کو سکھلایا تحمل طعنۂ اغیار نے	یعنی ہیں سب کے برا کہنے سے اچھا ہو گیا
۳۵	ہے قوی دشمن تو غالب ہوجیئے تدبیر سے	پیلیاں میں کب ہی جو بیل میں ہاں میں زور ہے
۳۶	اصول دوستداری ہے یہی تسلیم دنیا میں	کرے اپنا کسی کو گر تو رکھے عمر بھر اپنا
۳۷	دشنام گر دہد خسیسے۔ چارہ نبود بجز شنیدن گر پائے کسے سگ گزیدہ۔ یا سگ عوض نتواں گزیدن	
۳۸	چھپ کے گو خلق سے ہو مرتکب فسق و فجور	عالم الغیب سے حالت تری مستور نہیں
۳۹	توبہ کرنی ہے گناہوں سے تو کر لے غافل	ورنہ فرصت ہے دم بازپسیں تھوڑی سی
۴۰	بے حیائی سے ہے دنیا میں حصول مقصد	نظر آیا نہ کبھی کاسۂ سائل خالی
۴۱	یہی ہے دھوم زمانے میں کیسی حاتم کی	دیا ہے جس نے کہ حاتم کو اس کا نام نہیں
۴۲	گر نکالا آسماں نے گھر سے اپنی تھی سزا	آن کر مہمان بن بیٹھے تھے صاحبخانہ ہم
۴۳	لپٹے ہی روز سیہ سے نہیں واقف ناسخ	کیوں کیا کرتے ہیں کاغذ کو یہ رنگ سیاہ
۴۴	ڈوبتے ہیں عرق شرم میں غیرت والے	ڈوب مرنے ہی پہ جب آئے تو دریا کیا

دشمنوں کی دشمنی سے دوست کی ہوتی ہے قدر
معرفت سے قصۂ غم مختصر ہو جائے گا
حال پر اجداد و آبا کے تفاخر کیا امیر
افسوس ہے انسان نہ ہو علم کا جویا
مقامِ دفن کا ابدال تردّد تجھ کو بیجا ہے
تعمیر مقبرے کی ہے لازم بجائے قصر
اعضا گواہی دینے کو حاضر ہیں روزِ حشر
جو تہ گنبد تسلیم و رضا بیٹھ رہے
نانِ جو بھی ہے تہی دستی میں نعمت اے شبیر
وہ چالیں چل حریفوں کو نہ تجھ سے بدگمانی ہو
ساغرِ زریں ہو یا مٹی کا ہو اک ٹھیکرہ
غیر کا کچھ نہ چلے گر نہ ہو دشمن اپنا
تہ کرو صاحب نسب نامے وہ وقت آیا ہے اب
اس چمن میں مثلِ نرگس آنکھ ہو وےگی جنہیں
فیض ہے وابستۂ تارِ عقیدت۔ ورنہ یار
اللہ کو پکار مصیبت اگر پڑے
بالطبع گر کرم ہو۔ تو مفلس بھی ہے کریم
بتا دیا مجھے بیچ بیچ کے راستہ چلنا
جو اس مقام پہ آیا ہے ہاتھ ملتا ہے
صبر کا حکم ہے مصیبت میں
سبک ہو جائینگے گر جائینگے ہم ان کی محفل میں

چاہیئے ہمدرد دوا پینے تو بیگانے بھی دو — آتش
جو خبر پائیگا اس کی بےخبر ہو جائیگا — آہ
ہیں وہ ناداں جنکو ہیں قصے کہانی پر گھمنڈ — امیر
وہ مال ہی یہ۔ صرف سے جو کم نہیں ہوتا
ٹھکانا ڈھونڈھ لیگی آپ مٹی اپنی مدفن کا
زرداروں سے کہو کہ کریں صرفِ زر بجا — امیر
مرنا ہے کیا سمجھ کے یہ انساں گناہ پر
غیب سے ان کے سوالوں کے جواب آتے ہیں
ایک پتہ اشرفی ہو جائے تمالی ہاتھ میں — مبشر
بساطِ دہر اے غافل الٹ جائیگی دم بھر میں — عزیز
تو نظر کر اس پہ جو کچھ اس کے اندر ہو بھرا
چوبِ دستی کو شجر سے ہی تبر لیتا ہے — ناسخ
بے اثر ہوگی شرافت۔ مال دیکھا جائیگا
جب یہاں وہ آئیں گے گردن خمیدہ آئینگے
نفع نے تسبیح بخشی ہے نہ کچھ زنّار فیض — سودا
شیطان کی نہ مان جو راحت نصیب ہو
ہوتا ہے سایہ کا شجر یہ ثمر سے فیض
خدا بھلا کرے اے شاد نکتہ چینیوں کا — شادؔ
ہتھیلیوں میں کسی آدمی کے بال نہیں
ہے یہ نسخہ حکیم کامل کا
کہ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں تو لاکھوں من کے بیٹھے ہیں

۶۶ گالیاں سنکے دُعا دیتا ہوں اُن لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیض گھٹایا ہمنے

۶۷ اپنے وقتِ مرگ سے غافل رہے اخترشناس
گو برابر جان کے رکھا کئے تقویم کو

۶۸ چُھپے ہرگز نہ مثلِ بُو وہ پردوں کے چھپانے سے
مزہ پڑتا ہے جسِ گُل پیرہن کو بے حجابی کا

۶۹ گر غرض ناچیز سے نکلے اُسے رکھئے عزیز
پیار سے آغوش میں لیتا ہے شعلہ کا دو کو

۷۰ آفریں اس کو کہ جس نے زندگی کی نذرِ دوست
ورنہ خالی جان دیدینا بھی کوئی کام تھا

۷۱ زبیدداں علاجِ دردِ خود جستن چناں ماند
کہ خار از پا بروں آرد کسے از نیشِ عقرب ہا

۷۲ غیرِ خالق کون کرتا ہے کسی کی پرورش
دایہ پیدا ہو جو آتش شیرِ مادر خشک ہو

۷۳ گر ساتھ ہو جہان میں بہر مدد خدا
تو بھی ہے تقویت کو برادر کی احتیاج

۷۴ اے ظفر ہے زبان خلق کی نقارۂ حق
یعنی وہ بات کہیں گے جسے سو ہووےگی

۷۵ دُنیا بھی دین ہے جو ہو لذت بشر سے ترک
کیوں ہو حرام۔ نشہ نہ ہو جس شراب میں

۷۶ خدا کا نام بھی نامِ خدا کیا راحتِ جاں ہے
عصائے پیر ہے۔ تیغِ جواں ہے۔ حرزِ طفلاں ہے

۷۷ جمعِ زر ممسک جو کرتا ہے۔ ہوا ثابت ہمیں
اس کی قسمت میں نہیں ہے غیر کی تقدیر میں

۷۸ ستایا اس قدر ان مردمِ ابلیس خصلت نے
کہ ڈر کر آدمیت چھپ رہی تربت میں آدم کی

۷۹ نگاہِ پرورش پھیرے اگر لطف و کرم اُس کا
نہ ہو پھر طفل طفلِ اشک کیصورت جواں کوئی

۸۰ ہم کسی سے کیوں کریں اظہارِ جلوہ گستری
جسمیں جلوے ہیں وہ خود جلوہ نما ہو جائے گا

۸۱ چشمِ راحت کار ذلت میں خیال خام ہے
عمر بھر رقاص کو رکھتا ہے بے آرام رقص

۸۲ ہمیں کو چاہیئے کرنا ہمیں جو کام کرنا ہے
کسی کا کام یہ سچ ہے کسی سے ہو نہیں سکتا

۸۳ کرنا کسی کو قتل یہ مردانگی نہیں
ناداں شعار نفس کشی کر جو مرد ہے

۸۴ یہ آج صاحبِ طبل و علم ہے۔ کل وہ ہے
ہے اپنے نام کی نوبت ہر اک بجا جاتا

۸۵ تعجب کی جگہ ہے ہمکو اس میں حضرتِ انساں
وہاں جانے میں روتے ہیں جہاں کے رہنے والے ہیں

۸۶ وابستہ سب یہ اپنی ہی دم سے ہے کائنات
گو ہو جہاں۔ یہ آپ نہیں۔ تو جہاں نہیں

سبق زری کا لے گلشن سے کیا تُو نے نہیں دیکھا
ذرا دیکھو اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونیوالا ہے
جو ناتواں نہ کریں دستگیریئے دشمن
خوش عبث ہوتے ہیں ناداں ماہِ نو کو دیکھ کر
خدا دے پسر تو قابلِ تحسین دے۔ ورنہ
مزہ اس میں ہے کہ اب دوسرے کا غم کھاؤ
بے ثباتی ہے نہایت حُسنِ بے ناموس کو
خدا کے واسطے دنیائے دُوں سے منہ جو موڑے ہیں
اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
قلزمِ دہر میں رکھتا ہے تحیّر و محفوظ
اُسی کو دیتے ہیں۔ ہوتے ہیں جس سے منتفع منعم
سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
ذوق اس دُنیا میں یُوں ہم دل کو بہلایا کریں
نہ پکڑیں دامنِ الیاس گردابِ بلا میں ہم
روا رکھ کلفتِ ایّام میں بھی قدر نیکوں کی
چاہو جینا گھونٹ لو لوگوں کا تُم صاحب گلا
دیتے ہیں وہ جو دیتے ہیں بیکس فقیر کو
اسکو زندگی کا لطف ہے اس دہرِ فانی میں
زندگی نعمت ہے گر آلودۂ عصیاں نہ ہو
تمنا ہے سراپا محوِ ذکرِ ذاتِ باری ہوں
عاریت جو شے ہے حاجت اس سے بر آتی نہیں

حکومت کرتا ہے پھول کس عزت سے خاروں میں
دہرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں
تو خار و خس نہ کریں شعلہ کو کبھی برپا
اِک مہینہ عمر کا ہوتا ہے کم ہر ماہ میں — ناسخ
پدر ہوں موردِ نفریں جو ناہنجار ہو پیدا
بجھی ہے خونِ عزیزاں سے بھی پیاس کبھی
پائداری ہوتی ہے کم شمع بے فانوس کو
وہی ہیں مستندِ انساں مگر افسوس تھوڑے ہیں
اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب دیکھا
غرق کم ہوتا ہے دریا میں سفینہ خالی
کہ بادل سے سمندر ہی میں بس موتی برستے ہیں
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا
آبرو مٹنے سے پہلے آپ مٹ جایا کریں — ذوق
کہ بدتر ڈوب کر مرنے سے ہے جینا سہارے کا
پھٹے کپڑوں میں بھی اُن کو سمجھ لے لعل گودڑ کا
ہاتھ خالی جاؤ گے یاں کا یہیں رہ جائیگا
دینا نہیں یہ لینا ہے۔ دینا امیر کو
کہ جو نزدیک اچھوں کے بھلا اور با خدا ٹھہرے — آرام
نا نہ بعدِ مرگ ہو پھر حسرتِ ناکام عیش
میرا ہر موئے تن سرگرمِ مدحت ہو زباں ہو کر — احمدی
پر تو ہیں پر کب اڑا جاتا ہے از خود نیّر سے — ناسخ

۱۰۸ صحبتِ پیراں۔ جوانو۔ فیض سے خالی نہیں
یہ کماں کا زور ہے جو دیکھنے ہو تیر میں

۱۰۹ گندمی رنگوں پہ مائل بے سبب ہوتا نہیں
یا لیقیں شیطان بہکاتا ہے آدم زاد کو

۱۱۰ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

۱۱۱ ہے گنجفے میں دہر کے ہر فرد بہ مثال
انساں دکھائی دیتے ہیں کس کس قماش کے

۱۱۲ دانہ تھا کیا حرام کا رزقِ حلال میں
منہ سے جو اے کریم نوالہ نکل گیا

۱۱۳ ترش روئی از برائے دفعِ مہماں بس است
چین ابرو چوب دربان است صاحبخانہ را

۱۱۴ محتاجِ غیر کو نہیں اک حال پر ثبات
کیا رنگ دیکھتے نہیں تم ماہتاب کا

۱۱۵ کیوں عروسِ مرگ ایذا دے نہ وقتِ واپسیں
غمزے کرتی ہے دلہن تا دل کھلے نوشہ کا

۱۱۶ سرائے دہر بھی ہے مثلِ خانۂ قحبہ
رہا جو رات کو وہ صبح کو روانہ ہوا

۱۱۷ اے آسماں نمود نہیں ہم کو چاہیئے
بعدِ فنا مزار کا اپنے نشاں نہ ہو

۱۱۸ قابلِ رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی
پردہ پردہ ہی میں کمبخت جو رسوا ہو جائے

۱۱۹ کرگدن کا بھی ذرا حوصلہ دیکھے کوئی
اپنے قاتل کو پس از مرگ سپر دیتا ہے

۱۲۰ بجا ہے یادِ الٰہی میں شب بیدار رہے زاہد
یقیں ہے نیند اڑ جاتی ہے ہوتا ہے جہاں کھٹکا

۱۲۱ سب سے بیگانہ ہوا یہ دل۔ آشنائی اس سے کر
بھول جا سب کو۔ ارادہ ہے جو اس کی یاد کا

۱۲۲ چرخ ٹیڑھا ہی رہا اور سینکڑوں بانکے جواں
ٹیڑھے ہو کر زیرِ چرخِ پیر سیدھے ہو گئے

۱۲۳ حال میں صوفی اگر ناچے ہے خامی کی دلیل
کرتے ہیں گلخن پہ جیسے دانہ ہائے خام رقص

۱۲۴ بندوں سے کام تیرا اے میر کچھ نہ نکلا
موقوف مطلب اپنا اب رکھ خدا کے اوپر

۱۲۵ غیر ممکن ہے اسیری میں شگفتہ خاطری
دل نہ قیدی کا لگے ہو گو کہ زنداں باغ میں

۱۲۶ نہ مطلب کشت سے رکھئے نہ خرمن سے غرض آتش
سمجھ لے اپنے منہ میں مور جو قسمت کا دانہ ہے

۱۲۷ گنہگاروں کو گردن مارتے ہیں حکمِ شارع سے
خیال اپنے گناہوں کا نہیں جلاد کرتے ہیں

گواہی آتی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

گر خدا توفیق دے کچھ دے نہ تو سائل سے تو
کب کیا ہے خلق تیرا حق نے بہرِ جنگ دست

نصیحت نہ سُنے اور نہ آخر بیں ہو
اس کو ہم کور بھی کہتے ہیں جو کر رکھتے ہیں

کیا غضب ہے شکرِ محسن کا بشر کرتے نہیں
ہے زبانِ برگ سے ہر گل ثنا خوانِ بہار

خاکپائے آتما ہے اپنے گھر میں کیمیا
اے ظفر کیوں خواہشِ اکسیر کرنی چاہیئے — ظفر

ہم نے یہ نکتہ سُنا اک مردِ حق آگاہ سے
پھر گیا اس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے

دیکھیئے نیرنگِ قدرت سر برہنہ ہے کوئی
اور کوئی صاحبِ دیہیم و افسر ہو گیا — سحر

قول ہو متفقِ فعل۔ یہی لازم ہے
وہی منہ سے کہے۔ کہتا ہو جو انسان دل میں — "

ہر اک کے حق میں ہے شہرت ہی باعثِ عزت
ہو جو خلق میں رسوا تو آبرو کیا ہے — "

جسے شہرت کی خواہش ہو رہے گمنام دُنیا میں
کہ شہرت چاہنے سے مشتہر مشکل سے ہوتا ہے

نافہمی اپنی کرتی ہے انسان کو ذلیل
مطعونِ خلق صوفی ہے حالِ خراب سے — آتش

نادان دل کو مرگ کا اب تک یقین نہیں
اللہ کیا گمان تھا عُمرِ دراز کا — مومن

عزت اسی کی اہلِ نظر کی نظر میں ہے
سب کچھ بشر میں ہے جو محبت بشر میں ہے — دبیر

کل کی ہے خبر کس کو ہے یا نہ رہے دم
کرنا ہو جو کل کام۔ وہی کر لے بشر آج — بدر

یقیں محکم۔ عمل پیہم۔ محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

تکیہ بر دیوار کردم خاک بر فرقم فتاد
حیف باشد گر کسے تکیہ بر غیرے کند

گوہر نمائے جوہرِ ذاتیِ خویش باش
خاکش بہ سر کہ زندہ بنامِ پدر بود

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں

انساں کے قول و فعل میں اس درجے اختلاف
منبر پناہ مانگ رہا ہے خطیب سے

بُت و بُتخانہ

۱ حُسنِ بُت یہ ہے تو اب یادِ خُدا کی نہیں تدبیر
یہ ادا ہے تو نمازوں کی قضا آئی ہے

۲ اگر وُہ بُت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے
تو پوچھوں اس عقیدت سے کہ کفر اسلام ہو جائے

۳ اُس بُت کی بندگی سے نہ آزاد ہو حسنؔ
یہ بات بھی کہیں نہ خُدا کو بُری لگے

۴ کیونکر خُدا کو دُوں کہ بُتوں کو ہے احتیاج
مومن پہ نقدِ دل زرِ جاں کی زکوٰت ہے

۵ بُتوں کے عشق میں اللہ کا جلوہ نظر آیا
حقیقی عشق پیدا ہو گیا عشقِ مجازی سے

۶ بُت جان کے ہم مصلحتاً کرتے ہیں سجدہ
تم دل میں کہیں یہ نہ سمجھنا کہ خُدا ہو۔

۷ تصوّر کر کے کعبہ کا صنم خانے میں ساجد ہوں
بظاہر بُت پرستی ہے حقیقت میں عبادت ہے

۸ دکھائے جلوہ جو مسجد میں وُہ بُتِ کافر
تو چیخ اُٹھے مؤذن جُدا۔ خطیب جُدا

۹ میں تو بُت خانے میں گاہک نہ ہوا عزّت کا
دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

۱۰ میں نہ فریادی بُتوں کا ہوں خُدا کے سامنے
آشنا کا کیا گلہ نا آشنا کے سامنے

۱۱ تیّار تھے نماز کو۔ ہم سُن کے ذکرِ حور
جلوہ بُتوں کا دیکھ کر نیّت بدل گئی

۱۲ پُوجوں ہُوں میں جس بُت کو۔ خُدا کا ہے تراشا
آزر نہیں لایا وُہ مرے واسطے گھڑ کر

۱۳ مُنہ موڑنا بُتانِ حسین سے حرام ہے
موقوف یہ نماز نہیں ہے سلام پر

۱۴ ہو وُہ کافر جسکو دیدارِ خُدا کی ہو ہوس
او بُتِ کافر ترے ہیں طالبِ دیدار ہم

۱۵ خُدا کا سجدہ جو رکھا ہے سنگ پر جائز
یہ اہلِ شرع بُتوں سے بھی راہ کرتے ہیں

۱۶ بُت سے الفت ہمکو۔ زاہد عاشقِ اللہ ہو تو
تو بنا مسجد کو۔ بتخانہ کریں تعمیر ہم

۱۷ دیکھی ہے جب سے اُس بُتِ کافر کی شکل میر
جاتا ہی جی نہیں ہے تنک اسلام کی طرف

۱۸ رات دن ناقوس کہتی ہے بآوازِ بلند
دَیر سے بہتر ہے کعبہ گر بتوں میں تو نہیں

۱۹ اُس مرے بُت نے سبھوں کو حق سے توڑا اپنا کیا
کام میں اپنے بھی وُہ معبودِ باطل ایک ہے

گر ڈھونڈتے ہو آپ میں تم شانِ الٰہی
سنگِ اسود نہیں ہے چشمِ بتاں
برہمن حاصل ہے تجھ کو جس طرح بت کا حضور
اللہ رے گمرہی۔ بت و بتخانہ چھوڑ کر
زاہد عقبیٰ میں ہوگا اُن کو دیدارِ خدا
خدا یاد آ گیا ہمکو بتوں کی بے نیازی سے
ماجرائے عشقِ بت ناگفتنی ہے کفر ہے
اے بت خدا کے واسطے دل کو نہ سخت کر
مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
رشک ہے جنکا خدا کو بھی یہ وہ ہیں زاہدا
خدا کا اب کوئی طالب نہیں ساری خدائی ہیں
ہے عیاں جلوہ خدا کا اِن بتانِ ہند میں
مومن اُن کا تو نہ تھا ملنے میں آخر اختیار
جسم چھوٹا روح سے دل سے نہ چھوٹا وہ صنم
زیست بھر ڈھونڈھا۔ کہیں ملتا نہیں تیرا سُراغ
منکر اس بت کے جو ہیں اچھی خدا نے دی سزا
آتا ہے رحم کافر و مومن کے حال پر
سر بتوں کے آستانے سے نہ اُٹھے حشر تک
حوریں نہیں جو مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
جلوہ تیرا ہی بتوں میں نظر آیا اُن کو
دعوائے خدائی جو بتوں سے نہ رہو دور۔

تو بندہ نوازی بھی بتو۔ سیکھو خدا سے   رند
بوسہ مومن طلب کرے کیا منہ   مومن
اس طرح پاؤں تو پھر چھوڑوں نہ میں اللہ کو   آتش
مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ   مومن
ہو کہ دُنیا میں بتوں کے طالبِ دیدار ہیں
ملا بامِ حقیقت زینۂ عشقِ مجازی سے   آتش
حق کہوں گا تو بری لگ جائے گی اللہ کو   رند
اس کعبہ میں ضرور نہیں فرشِ سنگ کا   آتش
دوزخ میں ڈال خلد کو۔ کوئے بتاں نہ چھوڑ   مومن
کچھ تو دیکھا ہے جو ہیں ترکِ بتاں کرتا نہیں   ناسخ
بتو۔ ہر کوئی بندے کی طرح۔ بندہ تمہارا ہی   ״
سوجھے کیا زاہد تجھے۔ آنکھوں کے آگے ناک ہے   ״
یہ شکایت بھی خدا سے ہے۔ بتوں سے کیا ہیں   مومن
بت بغل میں لیچلے ہیں۔ ہم خدا کے سامنے
بت ہے۔ پر پوشیدہ رہنے میں خدا سے کم نہیں
حاجیوں نے بوسہ لینے کو کیا پتھر پسند
بت محوِ ناز ہے تو خدا بے نیاز ہے
یہ دعا ناسخ کی ہے یا رب تیری درگاہ میں   ناسخ
بتخانے ہی سے کیوں یہ بدانجام نکلتا   مومن
اے خدا تیری خدائی کے جو قائل نہ ہوئے
سوچو تو رگِ جاں سے بھی نزدیک خدا ہے

۴۱ بتوں سے کام رہا آخری زمانے تک
خدا سے کام پڑا آخری زمانے میں

۴۲ حقیقت آج تک بُت کی نہیں معلوم زاہد کو
خدا کی شان اِس پہ دعویٰ ایزد پرستی ہے

۴۳ کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں — نیّر

۴۴ بتوں کے عشق میں کیا ہوتی ہم سے یادِ خدا
کہ دل بھی تھا نہ ٹھکانے فراغ بھی نہ ملا — جلال

۴۵ جو کچھ کہیں یہ تجھ کو یقیں ہے سزا تری
بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا — یقین

۴۶ جب سے شیطاں کا احوال سنا ہے ہم نے
پائے بُت پر بھی ارادہ ہے جبیں سائی کا — آتش

۴۷ پارسائی کیسی اے زاہد بتوں کے عشق میں
میں اسی کا شکر کرتا ہوں کہ ایماں رہ گیا — تسلیم

۴۸ داغِ فرقت زیست بھر سوزِ جہنم بعدِ مرگ
ان بتوں کو کس توقع پہ خدایا چاہیئے — داغ

۴۹ نالے نے بخشا اثر نے آہ نے تاثیر کی
دل بتوں کے یا الٰہی سنگ میں فولاد میں — ند

۵۰ یہ وہ کافر ہیں بُت ایمان اُنپر لے ہی آتے ہیں
خدا کو ماننے والے خدا کو جاننے والے — سا

۵۱ ان بتوں نے عجب آئینِ وفا رکھا ہے
عاشقوں کو تہِ شمشیرِ جفا رکھا ہے

۵۲ سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشقِ بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہوگا خدا بھی — اکبر

۵۳ مظہرِ جلوہ صنعت ہیں رخِ خوب بتاں
بندۂ بُت کا ہے وہی بندہ خدا کا ہوگا — سحر

۵۴ کریں جو بندگی ہو ویں گنہ گار
بتوں کی کچھ نرالی ہے خدائی — آبرو

۵۵ مجاز میں بھی ہے اپنی نظر حقیقت پر
بتوں کی راہ میں پھرتے ہیں ہم خدا کیلئے

۵۶ ذاتِ باری کو کیا ظلم بتاں نے ثابت
عدل کرتے یہ اگر ان کی خدائی ہوتی

۵۷ غافل تو بتکدے ہی میں کر سجدۂ نیاز
شائد یہیں سے راہِ حقیقت نما ملے — ثاقب

۵۸ عمر گذری اک بُتِ کافر نظر آتا نہیں
حشر میں کیونکر خدا کا پائینگے دیدار ہم

۵۹ کعبے کو جاتا کس لئے ہندوستاں سے میں
کس بُت میں شہرِ ہند کے شانِ خدا نہ تھی

۶۰ مومن سوئے شرق اس بُتِ کافر کا تو گھر ہے
ہم سجدہ کدھر کرتے ہیں اور کعبہ کدھر ہے — مومن

۶۱ بتوں کی بے نیازی دیکھ کر کہنا ہی پڑتا ہے
سمجھتے ہیں مجھے ایسا۔ نہیں جیسے خدا میرا — مصنف

سیر بُت خانہ کی جبتک کہ نہ کی تھی ہم نے
بُت تو پوجنے ہی کے لائق ہیں زاہدو
اے ان بتوں کے پیار سے مجھے منع کرتا ہے زاہد
دُعا قبول نہیں ہم سے عشق بازوں کی
بتوں کے پردے میں ہم دیکھتے ہیں نورِ خُدا
بُت کدے میں سجدہ کرنا کفر اے واعظ نہیں
واللہ کیا ہے حُسن بتوں کے غُرور کا
کہاں ہے شیخ جو دیکھے مرے بُت کے کرشمے کو
کعبے بھی گئے پر نہ گیا عشق بتاں کا
کُفر سے ایماں بھلا اس ملکِ ہستی میں نہیں
بُت پرستی میں جو آیا۔ حق پرستی کا خیال
اے بُت خُدا کے واسطے دل کو نہ سخت کر
دل میں آتا ہے پر آنکھوں سے نظر آتا نہیں
بتوں کی گلی میں شب و روز آصف
بتوں کو پوجتے ہیں صُنعتِ خالق کے قائل ہیں
میں وہ نہیں کہ تجھ بُت سے میرا دل پھر جائے
بتوں کو دیکھ کر ہم کلمۂ توحید پڑھتے ہیں
زاہد ہمیشہ قبلے کا رُخ پوچھتا پھرا
دیکھیے دونوں میں کس کا ہو بخیر انجام کار
ایک پتھر پوجنے کو شیخ جی کعبہ گئے
بُت خانہ سے نہ کعبہ کی تکلیف دے مجھے

کارخانہ ہی نہ تھا۔ شانِ خدا کا دیکھا
پر قابلِ سجود تمہاری جبیں نہیں
میرا مذہب عشق و دین ہے نہ مخل ہو میری نماز میں
جو بندے بُت کے ہیں سنتا نہیں خدا اُنکی
خدا کے دیکھنے کی اے کلیم تاب نہیں — نسیم
گر نہیں مقبول اپنی جبہ فرسائی ہوئی
بندوں کو شک ہوا ہے خدا کے ظہور کا — آزاد
کہ ہر بندہ خدا کا کر لیا جس نے غلام اپنا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی پیاس جگر کی
حق پرستی ہاتھ آئی۔ بُت پرستی میں ہمیں
کہہ کے بسم اللہ توڑا رشتۂ زُنار کے
اس کعبہ میں ضرور نہیں فرش سنگ کا
کیا تفاوت اب رہا اس بُت میں اور اللہ میں
تماشہ خدائی کا ہم دیکھتے ہیں — آصف
بنائے جو ہمیں کافر خلل ہے اس کے ایماں میں — سحر
پھروں میں تجھ سے تو مجھ سے مرا خُدا پھر جائے
خدا راضی ہے جس میں وہ ہماری بت پرستی ہے
ہم بتکدے میں جب گئے بے پیش و پس گئے
بُت کو سجدہ برہمن کرتے ہیں۔ ہم اللہ کو — آتش
ذوق ہر بت قابلِ بوسہ ہے اس بتخانے کا — ذوق
مومن بس اب معاف کہ یہاں جی بہل گیا — مومن

۸۳ اُس بُت کیلئے میں ہوسِ حور سے گذرا — اِس عشق خوش انجام کا آغاز تو دیکھو

۸۴ ڈھونڈا بتوں میں ذاتِ خدا کو تمام عُمر — اے شیخ مرتکب ہوئے ہم کس گناہ میں

۸۵ بُت مِرا ہے ساکن بتخانۂ دِل واعظا — سجدے کرتا ہوں میں اپنی جیب کی محراب میں

۸۶ کیا حرم کا نہ خاطر ہیں بھی کبھی احرام — خُدا کا شکر بتوں سے میں شرمسار نہیں

۸۷ مومن کو جو سچ ہے دولتِ دنیا و دیں نصیب — شب بُتکدے میں گذرے ہے دن خانقاہ میں

۸۸ حقیقت میں ہمارا کفر بھی اسلام ہے واعظ — بتوں کو دیکھتے ہیں شانِ قدرت دیکھنے والے

۸۹ کیوں حضرتِ واعظ ہیں بُرا کہتے بتوں کو — آباد بتوں ہی سے تھا۔ اللہ کا گھر بھی

۹۰ عابد کو شوقِ مسجد۔ ہم بُتکدے کے خواہاں — سب لوگ اپنی اپنی محفل کو ڈھونڈتے ہیں

۹۱ بُت کو بُت جانیے پوجیں تو ہیں کافر اے شیخ — بُت میں بُت ساز کا جلوہ ہے نظر آیا مجھے

۹۲ صورت ہے بتوں کی۔ کچھ اللہ کی قدرت — ہر جلوے میں اِک اور ہی جلوہ نظر آیا

۹۳ دیکھا صنم کدے کو جو وحدت کی آنکھ سے — بُت میں دکھائی دینے لگی شانِ رب مجھے

۹۴ مظہر وُہ بُت ہے نورِ خدا کے ظہور کا — نقشِ قدم سے سنگ کو رتبہ ہے طور کا

۹۵ عدم کی سیر کی دُنیا میں آکر اک جہاں دیکھا — خدا شاہد ہے او بُت تجھ سا یاں دیکھا نہ واں دیکھا

۹۶ وُہ بت فروغِ حسن سے پُتلا ہے نور کا — دیکھے نگاہ بھر کے یہ تابِ بشر نہیں

۹۷ بتوں کی یاد میں تو یہ بھی ہم بھولے وہ مرگیا — چلے جہان سے آخر گناہگار افسوس

۹۸ جو دل قمار خانہ میں بُت سے لگا چکے — وہ کعبتین چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

۹۹ بُت پرستی میں بھی رکھ حُسن کے پہلو پہ نظر — زناریں۔ دیر سے رشتہ ہو تو زنار نہیں

۱۰۰ بُت بنا کر دی زبانِ بے زبانی جو تمہیں — اس میں بھی کچھ رازِ حسنِ فطرت خاموش تھا

۱۰۱ اِک اِک صنم کا عرش کے اوپر دماغ ہے — اللہ ان بتوں کو بھی کتنا غرور ہے

۱۰۲ اگر نہ عکس تو یہ بُت فتادے — یہ ہیبتِ بُت کیسے گردن نہادے

۱۰۳ گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں — کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

ں بت ہم نے دیا ہے اذیتِ کافر تجھے	لعل کی کیا قدر ہو جیب تجھ سے ہو پتھر کے پاس	ظفر
م ہے ہر صنم کے لئے کبر اور غرور	پتھر ہے بت نہیں جو نہ شانِ خدا ملے	ند
وا معلوم حقیقت میں یہ بت بھی کچھ ہیں	ورنہ کعبہ بھی وہیں ہو جہاں بتخانہ ہو	مزیب
ش و نگارِ حسنِ بتاں کا نہ کھا فریب	مطلب سے خالی جان لے تو یہ عبارتیں	آتش
وں کے جبر اٹھائے ہزار ہا لیکن	جو اس میں بھی نہ لیں اختیار رکھتے ہیں	درد
یا بتوں کے عشق سے دل میں خدا کا نور	تصویرِ حسن کھچ گئی رنگِ مجاز سے	رونق دہلوی

نتیجۂ عشق

عشق میں ملتی نہیں راحت مگر جوں کوہکن	جانِ شیریں دیجئے تب جا کے شیریں لیجئے	یقین
کرتے عشق اگر آگاہ ہوتے عادتِ دل سے	کہ لگ جاتا ہے آسانی سے اور چھٹتا ہے مشکل سے	
قمارِ عشق کی بازی بھی کچھ دنیا سے باہر ہے	اسے کہتے ہیں جیتا - جو کوئی بازی نقدِ جاں ہارے	بیان
افسوس کی جگہ ہے کہ دریائے عشق میں	کیا کیا غریب ڈوبے ہیں ساحل کے سامنے	مصحفی
وادیٔ عشق وہ وادی ہے جہاں مر کے امیر	برسوں بے گور و کفن لاش پڑی رہتی ہے	
حضرتِ عشق کی درگاہ میں آکر اے ذوق	دل و دین دیتے ہیں سب گبر و مسلمان چڑھا	ذوق
سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن	بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا	سودا
جو بازیٔ عشق کی کھیلے - تو کھیلے جان پر اپنی	جوا یہ مال و زر پہ عاشقِ دلگیر کیا کھیلے	
عشق کا منصب لکھا جس دن مری تقدیر میں	آہ کی نقدی ملی - صحرا ملا جاگیر میں	
آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشان	مشتِ غبار لیکے صبا نے اڑا دیا	
عشق کا دریا وہ دریا ہے کہ عمرِ خضر بھی	صرف ہو جائے تو پیدا کہیں ساحل نہ ہو	انشا
آثارِ عشق آنکھوں سے ہونے لگے عیاں	بیداری کی ترقی ہوئی خواب کم ہوا	

١٣ اب میرمانِ عشق سے باقی ہوں ایک میں
اے موت رہنے دے مجھے عبرت کیواسطے

١٤ مرگئے جب ہم۔ فراغت قیدِ ہستی سے ملی
نقدِ جاں دینا۔ گناہِ عشق کا جرمانہ تھا

١٥ دائرے میں عشق کے جسنے کہ مارا ہے قدم
صفحۂ ہستی میں وہ پرکار سا گردش میں ہے

١٦ یہ حسن و عشق کی برکت ہے جتنے داغ ہیں دل پر
یہی انعام ان فیاض سرکاروں سے ملتے ہیں

١٧ میرے دلکو جب سے عشقِ گیسوئے پُرخم ہوا
سلسلہ عقل و خرد کا درہم و برہم ہوا

١٨ عشق میں ہوتے نہیں باقی کسی عنوان سے
غیرت و عار و حیا و شرم و نام و ننگ سب

١٩ اک نہ اک ایذا رہے ہر دم بدولت عشق کی
دردِ دل اچھا ہوا۔ دردِ جگر ہونے لگا

٢٠ ہو مجھ کو عشق سے کیونکر امیدِ سرسبزی
کہ یہ نہال نہیں برگ و بار کے قابل

٢١ ذوقِ راہِ عشق وہ کوچہ ہے جسکی خاک میں
ہے دُرِ تاجِ سلیماں۔ بیضہ بیضہ مور کا

٢٢ عشق ڈالے گا تری سر پر نہ کیا کیا آفت
اس قدر ہو نہ ہراساں۔ دلِ ناشاد ابھی

٢٣ عشق کے ڈھب پہ نہ کوئی بجز انسان چڑھا
اس کے قابو پہ چڑھا۔ تو یہی نادان چڑھا

٢٤ طریقِ عشق میں دیوانہ وار پھرتا ہوں
خبر گڑھے کی نہیں ہے کنواں نہیں معلوم

٢٥ معرکے میں عشق کے سر کا نہ پاؤں
آبرو کو جان کو صدقہ کیا

٢٦ عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی۔ دردِ بے دوا پایا

٢٧ سیر ہو جاتے ہیں ایسے بھوک پھر لگتی نہیں
زہر دیتا ہے نمکخواروں کو اپنے خوانِ عشق

٢٨ فلک نے عشق کی اب رہ میں ہمکو پیدا کر
بسانِ سبزۂ نورستہ پائمال کیا

٢٩ یہ راہ دورِ عشق نہیں ہوتی ہے سر طے
ہم صبح بھی چلے گئے ہیں شام بھی چلے

٣٠ نظر میں عشق کے ادنیٰ و اعلیٰ دونو یکساں ہیں
برابر کام لیتا ہے یہ محتاج و تونگر سے

٣١ یہ دردِ عشق نے پہلے ہی کہہ رکھا تھا اس دل سے
کہ موت آئیگی آسانی سے دم نکلیگا مشکل سے

٣٢ عشق کی زندگی کاٹے نہیں کٹتی سیفی
کیسے گذریگی ابھی عشق میں مرنا ہے مجھے

٣٣ جاں بر ہوا نہ جسکو لگا روگ عشق کا
ہم کو مرض یہی ہے تو آرام ہو چکا

ہوتے وبال دوش نہیں کشتگانِ عشق
اڑ جاتی ٹھوکروں ہی سے عاشق کی لاش ہے — ذوق

عشق کس ذات کا غضب ہے کہ لگتے ہی نیش
دل کے ساتھ آنکھوں سے پانی ہو بہا گیا کچھ — سودا

زرد رو عشق کی دولت سے ہوئے ہم ہمدم
زعفراں زار یہ چہرہ بھی ہمارا چمکا — [illegible]

کیا بشر مانند یوسف کیا بشر ہاروت وار
عشق کے ہاتھوں سے ہو جاتا اسیر چاہ ہے

گرا جو آشنا اس میں نہ نکلا وہ قیامت تک
کنارہ عشق کے دریا کا ہے یہ کس قدر اونچا

ساقی چڑھا گیا تو ہوں جامِ شرابِ عشق
پر سوجھتی نہیں کوئی تدبیر اتار کی — ناسخ

نہ پوچھو عشق کی سوزش نے عالم میں کیا کیا کیا
عجب طوفان اٹھائے یہ کہ جس سے گھر کے گھر بیٹھے — درد

عاشق ہی یا مریض ہے پوچھو تو میر سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں — میر تقی

عشق ایسی بلائے بد ہے جسکے نام کی دولت
درختوں کو سکھاتا ہے لپٹنا عشق پیچاں کا — انشا

مجھے عاشق جو دیکھا پیر کنعاں نے جوانی میں
کہا کچھ تو بسر کی ہوتی تم نے شادمانی میں — شیفتہ

نہ پایا عشق کا انجام آشناؤں نے
یہ بحر وہ نہیں جس کی کسی کو تھاہ ملے — سحر

الم نشرح ہوا عالم میں تیرا عشق اے سودا
نہ پنہاں ہو سکے دریا دل میں آہ کی صورت — سودا

سودا شرابِ عشق نہ کہتے تھے ہم نہ پی
آخر مزہ نہ پایا اب اس کے خمار کا — ״

دلا اب سر کو اپنے پھیر مت سنگِ ملامت سے
یہی ہوتا ہے ناداں عشق کا انجام دنیا میں

عشق میں مرنے کو ہم سمجھے ہیں تمہیدِ وفا
بن پڑے جو کام بعد اس کے وہی کچھ کام ہے — محشر

عجب شہرِ غم آبادِ عشق بھی ہے کوئی
خوشی بھٹکتی نہیں اس دیار کے نزدیک

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائیگا مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

محیطِ عشق کی ہر موج طوفاں خیز ایسی ہے
وہ ہیں گرداب میں جو دامنِ ساحل میں رہتے ہیں — داغ

نہ تھے ہم پیش ازیں آگاہ حالِ عشقبازی سے
نہ تھا معلوم دل آتا ہے پہلے یا قضا پہلے

وصیت میر نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہونا پر عاشق نہ ہونا — ببر

جو مانگوں صحتِ دردِ جگر سے مجھ کو نہیں زیبا
کہ نام عشق ہے اور اس قدر راحت طلب ہوں میں — ذوق

۵۵ ہوتا ہے سوزِ عشق سے جل جل کے دل تمام — کرتی ہے رُوح مرحلۂ آب و گِل تمام

۵۶ آئیے آئیے مرشد مرے یا حضرتِ عشق — خُونِ دِل پینے کو حاضر ہے جگر کھانے کو

۵۷ کہتے ہیں عشق جسکو مت پوچھ ہو وہ کیا ہے — اِک زہر ہے کہ جس نے پیر و جوان مارا

۵۸ دل ہی اُسکا جانتا ہے جسپہ گذرا ہے یہ حال — عشق کا صدمہ زبانوں سے بیان ہوتا نہیں

۵۹ کھیلنا آسان نہیں ہے کعبتین عِشق کا — نقش سو اسکے ہیں مثل مُہرہ ششندر بیکار و ب

۶۰ ترکِ جان و ترکِ مال و ترکِ سر — در طریقِ عشق اوّل منزل است

۶۱ فقط نقصان نہیں ہے عاشقی میں کچھ بھی حاصل ہے — جو گم ہوتا ہے دل از پہلو تو ہوتا ہے غم پیدا

۶۲ ازل سے عشق کی دولت ہے دیوانوں کی قسمت میں — ملی ہے عقل لیکن بخت برگشتہ ہے عاقل کا

۶۳ از سرِ تعمیرِ دل بگذر کہ معمارانِ عشق — رُوزِ اوّل رنگِ ایں اقلیم ویراں ریختند

۶۴ عشق ہے شرط ہے کیا ہو مرض الموت مجھے — یارب انسان کے مرنے کے ہیں آزار کئی

۶۵ آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم — ہو گئے خاک انتہا ہے یہ

۶۶ فراقِ یار میں جب عشق نے مجھ کو ٹٹولا ہے — جو دل فولاد کا پایا۔ تو پتھر کا جگر دیکھا

۶۷ جاری ہے نیا مملکتِ عشق میں آئین — مجرم کو سزا ملتی ہے تقصیر سے پہلے

۶۸ المدد اے ہمنشینو! ابتدائے عشق ہے — اب سنبھالو ہم گرفتارِ بلا ہونے لگے

۶۹ اُلجھاؤ پڑ گیا جو ہمیں۔ اس کے عشق میں — دِل سا عزیز جان کا جنجال ہو گیا

۷۰ مرضِ عشق کی شفا ہے موت — غُسلِ میت ہی غسلِ صحت ہے

۷۱ کرم کیجیئے۔ آئیے حضرتِ عشق — ہے خُونِ جگر میہمانی تمہاری

۷۲ سربازِ عشق کے لئے دار الاماں کہاں — محفوظ قطع سے سرِ شمعِ حرم نہیں

۷۳ لگا ہے روگ اتو عشق کا اِس جانِ مضطر کو — جو ہوگی زندگی بچ جائینگے۔ بالفعل مرتے ہیں

۷۴ خلعتِ شاہی نہیں اے بوالہوس۔ تشریفِ عشق

۷۵ جس نے پہنا اُس کو یہ جامہ کفن ہو جائے گا

[illegible]ری پی چکا اے عشق - ابتو ہاتھ اُٹھا
مریضِ عشق کا کیا حال ہوگیا ہے - دیکھو تو
[illegible]ے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
مقامِ عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے
دیکھا سلف سے آجتک انصاف عشق کا

نہیں جز استخوان و پوست باقی جسم لاغر میں (رند)
کہ دشمنوں کے منہ سے بھی دعا نکلتی ہے
اک جان کا زیان ہے سو ایسا زیاں نہیں (آزردہ)
زلیخا ہر گلی کوچے میں بے توقیر پھرتی ہے
تقصیروار تھا وہی - جو بے قصور تھا (داغ)

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
کہ کتاب عقل کی طاق میں جو دھری تھی سو وہ دھری رہی (سراج)

عشق میں پہلے قدم پر ہی سنبھل جائے تو خیر
بنا کردند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن
سودائے عشقِ زلف ترے سر کے ساتھ ہے
غیرت کا کوئے عشقِ جنوں میں گذر نہیں
دونوں جہاں کے کام کا رکھا نہ عشق نے
لگا نہ دل کو کہیں - کیا سنا نہیں تو نے
[illegible]ہوکے ظاہر - تو کیا عشق نے اک حشر بپا
[illegible]رہی نہ دین کی عزت نہ حرمت دنیا
پہلے یہ نیت وضو کی ہے نمازِ عشق میں
نہ پوچھ عشق کی روداد ہمنشیں مجھ سے
محیطِ عشق سے ساحل تلک اللہ پہنچا دے
بازارِ حسن و عشق ہے کیفی نظر فریب
کمالِ عشق میں راحت ہے وہ جو رنج ہوتا ہے
جنونِ عشق ہے غارت گرِ ہوش

ورنہ پھسلا تو پھسلتا ہی چلا جاتا ہے
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را
بے سر کے کاٹے جائے یہ وہ دردِ سر نہیں
ہوتا ہے تنگ حوصلہ یاں عار و ننگ کا
دنیا و آخرت سے کیا بےخبر مجھے (آتش)
جو کچھ کہ میر کا اس عاشقی نے حال کیا (میر تقی)
حسرت اس دل پہ کہ جس دل میں یہ پنہاں ہوگا (داغ)
خراب ایک ہے اے عشق تجھ سے خوار ایک (سودا)
دل سے کہدیجئے کہ دھوئے ہاتھ نام و ننگ سے (ذوق)
کہ چار دن میں مرے عمرِ جاوداں کے لئے (نظیر)
بٹھائے دیتی ہے ان کو قضا جوں جوں اُبھرتے ہیں (رند)
ہے نقدِ دل جو پاس تو سودا نہ کیجئے (کیفی)
نہیں ہے زخمِ گردن سر پہ ہے احسان قاتل کا (وزیر)
کرے کیا عقلمندی یاں بشر خرچ (آتش)

۹۵ عشق کا نام نہ لیگا جسے ہوگی کچھ عقل
چھوڑے جاتے ہیں ہم افسانۂ عشق باقی

۹۶ بازارِ عشق میں غرض۔ اس سر کو بیچنا
نے نفع پر نگاہ۔ نہ سود نے ضرر مجھے

۹۷ کھود کر عشق نے پہلو سے وہ پھینکی کب کی
دولتِ صبر جو تھی دل کے قریں تھوڑی سی

۹۸ پنجہ زد عشقش لباسِ پارسائی پارہ شد
طاعتِ صد سالہ ام تاراج یک نظارہ شد

۹۹ اے عشق بھلا یہ بھید ہے کیا اتنا تو بتا دے ہر انساں
کیوں دیکھ کے مجھ کو ہنستا ہے کیوں دیکھ کے مجھ کو روتا ہے

۱۰۰ غلط ہے عشق میں اے بوالہوس اندیشہ راحت کا
رواج اس ملک میں ہے درد و داغ و رنج و کلفت کا

۱۰۱ چشم وا رہتی ہیں اور گوش بر آوازِ قدم
عاشقوں کو کبھی بیکار نہ دیکھا نہ سُنا

۱۰۲ محیطِ عشق میں کس کا بھلا لگتا ہے تھل بیڑا
کہ ساحل دور ہے تھک جاتے ہیں بازو شناور کے

۱۰۳ سودائے عشق میں نہ رہی شانِ خواجگی
محمود بندہ ہوگیا حُسنِ ایاز کا

۱۰۴ فرشتے قبر میں آکر کھینچیں گے عشق بازوں سے
کرو اب چین دُنیا میں اگر ایذا اُٹھائی ہے

۱۰۵ کس کی سُنتے ہیں خاک نشینانِ راہِ عشق
گوش اپنے کر رہیں اتنے کہ جوں گوشِ نقشِ پا

۱۰۶ کشورِ عشق کو آباد نہ دیکھا ہم نے
ہر گلی کوچے میں اجڑے پڑے تھے گھر کتنے

۱۰۷ ساحل سمجھتے ہیں نہ دریائے عشق کو
طُوفان ناخُدا ہے ہمارے جہاز کا

۱۰۸ جوششِ عشق میں یوں دور رہی عقل سے ہم
صُحبتِ پیر سے جس طرح جواں دُور رہے

۱۰۹ قمارِ عشق میں اب کیا لگائیں گے آزاد
جو نقدِ دل تھا وُہ پہلے ہی ہار بیٹھے ہیں

۱۱۰ نخلِ حیات کے لئے سم ہے سمومِ عشق
کیا لاگ اس ہوا کو رہی اس شجر کے ساتھ

۱۱۱ پھر بھی قمارِ عشق میں دل کو لگا دیا
ہر چند جانتا تھا کہ پاسہ ہے ہار کا

۱۱۲ نشۂ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھکو
عُمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

۱۱۳ عشق کا آغاز تو جوں توں گذر جاتا ہے لیک
کہہ نہیں سکتا دلا حالات ہیں انجام کے

۱۱۴ عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں
اِس سے آنکھیں لگیں تو خواب کہاں

۱۱۵ عشق کا سا کبھی آزار نہ دیکھا نہ سُنا
اِس کا جیتا کوئی بیمار نہ دیکھا نہ سُنا

۱۱۶ میں اپنے ہاتھ اپنے دل کو کھویا | خداوندا میں کیوں عاشق ہوا تھا

۱۱۷ عاشقاں را سہ علامت اے پسر | روئے زرد و آہ سرد و چشمِ تر

۱۱۸ دردمندِ عشق جو پائے دوا ہوتا نہیں | تندرستی سے یہ بیمار آشنا ہوتا نہیں — آتش

۱۱۹ عشق وہ پھل ہے کہ جس کے تخم ہیں اشکِ سحر | بیخودی ہے مغز اس کا اور چھلکا ضبطِ آہ — انشا

۱۲۰ نہ پہنچا منزلِ مقصود کو مجنوں بھی اے سودا | سمجھ کر جائیو۔ لٹتی ہیں ملکِ عشق کی راہیں

۱۲۱ جسے کہتے ہیں بحرِ عشق اس کے دو کنارے ہیں | ازل نام اس کنارے کا ابد نام اس کنارے کا

۱۲۲ آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا | کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا — سودا

۱۲۳ کیا فقط طالعِ بشر کے عشق کر دیتا ہے پست | چرخ سے مسکن فرشتوں کا چہِ بابل میں ہے

۱۲۴ ارادہ عشق سے پھرنے کا بے فکرِ کفن مت کر | کہا یہ رزم ہو اُس جا اجل لاریب ہو پیدا

۱۲۵ جاں پیشکش کی عشق کے دل نذرِ غم کیا | رکھتے تھے ہم بساط میں جو کچھ وہ کھو چکے — رند

۱۲۶ یہ نہ وہ دریا کہ جسمیں گذرئیے پل باندھ کر | موجِ چشمِ عاشقاں دے توڑ پل میں پل کے پل

۱۲۷ یہ عشق ایسی بلائے بد ہے کہ جسکے نام کی دولت | درختوں کو سکھاتا ہے لپٹنا عشق پیچاں کا — ناسخ

۱۲۸ عشق نے غالب (طفیل) نکمّا کر دیا | ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے — غالب

۱۲۹ کہاں قسمت کہاں ہمت کہاں طاقت کہ پہنچوں میں
کہ منزل عشق کی کچھ عرش اعلےٰ سے بھی عالی ہے

۱۳۰ لذت ہے تیغِ عشق میں ایسی کہ لاکھ بار | ہو کر شہید پھر ہے شہادت کی آرزو

۱۳۱ ممکن نہیں نجات اسیرانِ عشق کو | یہ قید ہی وہ نہیں کہ جو زنداں سے دور ہوں — آتش

۱۳۲ کانوں سے جو سنا نہ تھا دیکھا عشق میں | آنکھوں کو اور دیکھئے کیا کیا دکھائے دل — احد

۱۳۳ رہِ عشق میں جس جگہ گر پڑا میں | کہا ضعف نے تیری منزل یہی ہے — میر

۱۳۴ اولِ عشق میں بس رونے لگے تم تو امیر | نہ ابھی نالے کئے تم نے نہ آہیں کھینچیں

۱۳۵ چھپاؤں عشق کو میں کیا بھلا چھپے کیونکر | جو پڑ چکی ہو زمانے کی کے داستاں منہ میں

۱۳۶ پہلے بتوں کے عشق میں ایمان پر بنی
پھر ایسی آ بنی کہ مری جان پر بنی

۱۳۷ حضرتِ عشق کے مکتب میں ہی تعلیم کچھ اور
یاں لکھا یاد رہے اور نہ پڑھا یاد رہے

۱۳۸ دل جگر داغوں سے دونو ہیں دکاں صرّاف کی
کشورِ تن میں ہے جاری سکۂ سلطانِ عشق

۱۳۹ اے جنونِ عشق کالے کا اثر رکھتا ہے تو
گُل ترے آگے چراغِ عقلِ افلاطوں ہوا

۱۴۰ عشقِ محبوب میں غم ہے کسے مر جانے کا
جان جاتی نہیں۔ عاشق کی بلا کٹتی ہے

۱۴۱ جہاں ڈوبا سفینہ عاشقوں کا پار ہے بیڑا
نیا دریا ہے اس دریا کی تہ میں اسکا ساحل ہے

۱۴۲ بلبل کے کاروبار یہ ہیں خندہ ہائے گُل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

۱۴۳ عشق جب وارد ہوا کی عقل نے دل سی گزر
ایک جا دیکھا ہے کس نے شیر اور روباہ کو

۱۴۴ کیا خبر تھی دل سا شاہنشاہِ عالم ایک دن
عشق کے ہاتھوں۔ گداؤں کا گدا ہو جائیگا

۱۴۵ تنگ ہوں زیست سے ہو جاؤں کسی پر عاشق
کوئی اور اس کے سوا مرنے کی تدبیر نہیں

۱۴۶ ہونا ہی دردِ عشق جنہیں وہ یہ کہتے ہیں
طفلی میں موت آتی۔ ہوئے ہم جواں عبث

۱۴۷ وضو ہی ہاتھ دھونا جان سے اور سجدہ ہے سر کٹنا
طریقِ عشق میں ہی قتل گاہ مسجد نمازی کو

۱۴۸ کیا ہے عشق کو آساں سمجھ کے آتش نے
کمال ہمکو تو مشکل یہ فن نظر آیا

۱۴۹ کنارے گور کے جب عشق میں پہنچا۔ تو یہ جانا
کہ اس دریائے بے پایاں کا ساحل ہی تو بس یہ ہے

۱۵۰ جنونِ عشق کا عمرِ رواں کو یہ اشارہ ہے
کہ یاس اور غم کی منزل سی خوش ہو کر گزر جانا

۱۵۱ پار ہونا عشق کے دریا سے عشرت ہی محال
ڈوبنے لگتا ہے دل یہ بحرِ اعظم دیکھ کر

۱۵۲ بازیٔ عشق جز اندوہ و غم و رنج نہیں
کھیل ہے ہر کوئی جسکو یہ وہ شطرنج نہیں

۱۵۳ جنونِ عشق ہے غارتگرِ ہوش
کرے کیا عقلمندی یاں بشر خرچ

۱۵۴ ایک دن تم کو لبِ گور سے سنوا دیں گے
کہہ نہیں سکتے ابھی عشق کے انجام کو ہم

۱۵۵ کہاں ہم اور کہاں غم۔ ہم کو غم سے کچھ غرض مطلب

۱۵۶ مگر اے عشق ہم پر آپ نے یہ مہربانی کی

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی

نذرِ خونِ دل کروں یا پیشکشِ لختِ جگر
بلائے عشق سے بھاگوں نہ کیونکر گور کی جانب

یہ راہِ عشق بھی دُنیا کی راہوں سے نرالی ہے
رہی نہ دین کی عزّت نہ حُرمتِ دُنیا

اقبال عشق نے مرے سب بَل دیئے نکال
دانۂ اشک سوا کچھ نہیں اس سے حاصل

نفع بہت اُٹھایا کر عشق کی تجارت۔۔
میدانِ عشق میں تو قیمہ بدن ہُوا ہے

رمِل کی طرح سے ہلتے نہیں زنہار قدم
سُن عشق جو اطّبا کرتے ہیں چشم پوشی

مرضِ عشق سے صحّت نہیں ہوتی تو نہ ہو
مرضِ عشق کی صحت کے اُٹھائے الزام

موقعہ ملا نہ زیست میں تکمیل عشق کا
کوئی بارِ عشق اُٹھا سکتا بھی ہو

عشق کا سَودا نہیں شرمندۂ سود و زیاں
یک سرِ مُو نہ ہوئی قطع ابھی تک رہِ عشق

مکتبِ عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
دل گیا صبر گیا۔ ہوش گیا جان گئی

کر رہا ہے انتظامِ مُلکِ دِل سلطانِ عشق
ہر جگہ عشق دکھاتا ہے نیا رنگ اپنا

کاندریں راہ فُلاں ابنِ فلاں چیزے نیست
حضرتِ عشق آئے ہیں کچھ مہمانی چاہیئے

برائے طفلِ ترسیدہ پناہ آغوشِ مادر ہے
کہ جس میں ہر قدم پر رہزن ہی رہزن دیکھے — داغ

خراب ایک ہی اے عشق تجھ سے خوار ہیں ایک
مدّت سے آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی — اقبال

زرِ عشق کا کھیت بہت ہم نے بوا۔ جو تا ہے
راضی ہیں تیرا اب تو ہم جان کے زیاں تک

تر کرکے خاک ہی میں رکھدیں کفن ہمارا
بھول جاتے ہیں رہِ عشق میں رفتارِ قدم

جانکا اس مرض کی شائد دوا نہیں ہے
کام ہی کیا ہے۔ کرونگا جسے اچھّا ہو کر

ہم مرے جاتے ہیں جس روز سے حال اچھا ہے
تھوڑی سی رات اور فسانہ دراز تھا

ادّعا ہی ادّعا ہے اَور بس
اس میں کچھ حاصل بھی ہے اور کچھ نہیں حاصل مجھے

عُمر آخر ہوئی اور طے یہ مراحل نہ ہوئے
اُس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد رہا

مُژدہ اے عشق حساب اب تو ہے بیباق اپنا
ہو گیا ہے حکم عقل و ہوش کے اخراج کا

سر میں درد آنکھوں میں آنسو ہے تمنا دل میں — تسلیم

۱۷۹ قدم سنبھال کے رکھ راہِ عشق میں اے ذوق
گذرنا اس رہِ دشوار سے نہ آساں ہے

۱۸۰ اٹھانا عشق میں کیوں اے دلِ ناداں جوکھوں ہے
ابھی تو مال جوکھوں ہے پھر آگے جان جوکھوں ہے

۱۸۱ قدم رکھے وہی عاشقی کے میدان میں
کہ جو ہتھیلی پہ ہے اپنا سر لیے آتا

۱۸۲ ساحل دکھائی دیتا ہے مجھ کو نہ تھاہ ہے
دریائے عشق میں مری کشتی تباہ ہے

۱۸۳ محیطِ عشق کے امواجِ طوفاں خیز سے تسپیر
کہے ہے ناخدایاں سے ہزاروں کو بس عاشق

پڑھائے عشق نے جب ہمکو نکتے علمِ مستی کے
پریشاں ہوگئے اوراق سب دیوانِ ہستی کے

ہیں جو عاشق تربیت سے اور ہوتے ہیں ہلاک
باعثِ دیوانگی مجنوں کو مکتب ہوگیا

مریضِ عشق

۱ بجا تجھ کو مریضِ عشق سے ملتے حذر آیا
کہ آئینے میں شکل اپنی جو دیکھی مجھ کو ڈر آیا

۲ اُن مریضوں میں مرے عیسیٰ نے رکھا ہی مجھے
جن کے حق میں درد اچھا ہے دوا اچھی نہیں

۳ علاجِ دل کو آئے تھے مسیحا سخت دعویٰ سے
یہاں کیا ہوگیا وہ معجزہ حضرت سلامت کا

۴ دیا ہے زہر مرے چارہ گر نے تنگ آ کر
دوا تو خوب ملی ہے جو آئے راس مجھے

۵ ہوں میں بیمارِ محبت کوئی مجرم تو نہیں
میرے گھر پر ہے طبیبوں کی چڑھائی کیسی

۶ مریضِ عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

۷ سینے پہ ہاتھ مار کے عیسیٰ نے آہ کی
رُوئے مریضِ عشق پہ جس دم نگاہ کی

۸ مردمانِ چشمِ دلبر کو شفا اللہ دے
کس طرح صحت ہو بد پرہیز یہ بیمار ہیں

۹ دردمندِ عشق جویائے دوا ہوتا نہیں
تندرستی سے یہ بیمار آشنا ہوتا نہیں

۱۰ نام اُس نے جو سنا عشق کی بیماری کا
پھر گیا آکے مرے در سے مسیحا اُلٹا

۱۱ جب پوچھتا ہوں اُن سے دوا دردِ عشق کی
کہتے ہیں پہلے ہوش کی اپنے دوا کرو

۱۲ عبث کرتے ہیں چارہ حضرتِ عیسیٰ کہ فرقت میں
مرا جینا مرض ہوگا۔ مرا مرنا دوا ہوگا

ہیں علاجِ دردِ دل سے میری کیا حیراں طبیب
جی میں آتا ہے مسیحا سے میں پوچھوں جا کر

پوچھوں ظفر طبیب سے اپنی دوائے درد
کشتہ ہوں اُس کی چشمِ فسوں گر کا اے مسیح

تیرا بیمار نہ سنبھلا جو سنبھالا لیکر
مل گیا ہے عشق کا آزار قسمت سے مجھے

بس طبیب اُٹھ جا مرے بالیں سے مت دے دردِ سر
مسیحا فکر کیوں کرتے ہیں ایسا ہو نہیں سکتا

یہ دردِ عشق ہے میرا نہیں علاج طبیب
مرنے کی مانگتے ہیں دعائیں خدا سے ہم

مرضِ فرقت میں طبیبوں کی چلی نہ حکمت
مجھ مریضِ عشق کی دارو نہیں کچھ غیرِ وصل

مدتیں گذریں دوائیں ہو گئیں سوہانِ روح
اے چارہ گرو۔ چارہ گری کی نہیں حاجت

پوچھوں علاج کس سے محبت کے روگ کا
نصیب شربتِ عنابِ لب نہیں ہوتا

مریضِ سوزِ محبت کی دیکھتا گر نبض
کرتا بیمارِ محبت کا مسیحا جو علاج

ہے دوا میری وہی سو نہیں ممکن کہ ملے
درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری

بیکار چارہ سازی کی تھیں چارہ سازیاں

بلکہ عقلِ عیسیٰ گردوں نشیں چکر میں ہے
مرضِ عشق کی کچھ تم کو دوا آتی ہے

پر اُس کو اس مرض کی ہو کچھ تو ذرا شناخت
کرتا سمجھ کے دعوئے اعجاز۔ دیکھنا

چپکے ہی بیٹھے رہے دم کو مسیحا لیکر
ہوں جو عیسیٰ بھی ارادہ ہو نہ استعلاج کا

کام جاں آخر ہوا اب فائدہ تدبیر کیا
مریضِ غم کسی صورت سے اچھا ہو نہیں سکتا

ہزار کوئی دوائیں کرو۔ ہوا سو ہوا
تنگ آ گئی ہے ہم سے دوا اور دوا سے ہم

لا دوا دیکھ مجھے۔ پھیری نظر چھوڑ دیا
اے طبیب اپنی دوا سے تو نہ یہ بیمار مار

رہنے دے ای چارہ گر ہمکو یونہیں آرام ہے
یہ درد ہی داروئے شفا میرے لئے ہے

عیسیٰ کے پاس بھی تو نہیں ہر دوائے دل
میں وہ مریض ہوں جس کی دوا نہیں ہوتی

تو پھر طبیب کے بھی آبلوں سے پھلتے ہاتھ
اِتنا دق ہوتا کہ جینا اُسے مشکل ہوتا

چارہ گر رنج و مصیبت پئے تدبیر نہ کھینچ
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

میرا علاج میرے ہی غم کا وفور تھا

۳۴ ہے نوشتے میں ترے بیمار کی صحت کہاں
جسکے نسخہ میں دوائے لفظ کو صحت نہیں

۳۵ بیمار اجل چارہ کو۔ گر حضرت عیسٰے
اچھا نہ کرینگے۔ تو کچھ اچھا نہ کریں گے

۳۶ اب مسیحائی سے کیا حاصل نہیں بچنے کا میں
اے صنم مجھ کو خدا پر بہرِ یزداں چھوڑ دے

۳۷ کون سے رشکِ مسیحا کے ہوں فرقت کا مریض
مجھ تک آتی ہوئی پرہیز شفا کرتی ہے

۳۸ بیمارِ عشق ہوں مجھے عیسیٰ جواب دے
کانوں کو آرزو ہے اجل کے پیام کی

۳۹ بے بخیہ گر عبث بیٹھے ہیں اپنے گھر جائیں
ہمارا زخم ہے محتاج رشتہ کا نہ سوزن کا

۴۰ مریضِ عشق کو ہے مرگ زیست سے اولی
گلے کو کاٹیے۔ صحت اگر دوا لے کی

۴۱ نہ دردِ سر دو۔ دوا سے مدام بے دردو
دوا پذیر نہیں دردِ بے دوا میرا

۴۲ بیمارِ محبت کو شفا ہو نہیں سکتی
اچھا یہ مرض ہے کہ دوا ہو نہیں سکتی

۴۳ موت ہی ہے کچھ علاج دردِ فرقت ہو تو ہو
غسلِ میت ہی ہمارا غسلِ صحت ہو تو ہو

۴۴ نگہبانی کریگی موت اگر ہے زندگی باقی
نہ کر شرمندہ عیسیٰ دلِ بیمار جانے دے

۴۵ اُٹھے جہاں ہی سے جو بستر سے وہ اٹھے
تیرا مریضِ عشق جو صاحب فراش ہے

۴۶ ہے خدا سے ہی توقع اب ترے بیمار کی
ورنہ کیا باقی رہا ہے چارہ سازی کا مقام

۴۷ موت نے آن لیا اب نہیں بچنے کے ہم
لے مسیحا تیرے بیمار نے صحت پائی

۴۸ چارۂ عشق بجز مرگ نہیں کچھ اے میر
اس مرض میں ہے عبث فکر تمہیں درماں کا

۴۹ ہے غم و غصہ غذا بہتر مریضِ عشق کی
آب و دانہ سے جہاں تک ہو سکے پرہیز کر

۵۰ دعویٰ ہے گر علاج مریضانِ عشق کا
عیسیٰ خود اپنے ہوش کی پہلے دوا کریں

۵۱ دوائے دردِ دل میں کس سے پوچھوں
طبیب عشق کو ڈھونڈا نہ پایا

۵۲ بیمارِ عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج
کہہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

۵۳ تیرے کوچے کو وہ بیمارِ غم دار الشفا سمجھے
اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے

۵۴ ترے بیمار کو گر اپنے جینے کی تمنا ہو
فلک پر سُن کے ہنستے ہنستے شادیٔ مرگ عیسیٰ ہو

ڈر گئے نام شفا سنکے۔ رہے خواہشِ مرگ ۔۔۔ منہ ذرا سا نکل آیا تیرے بیماروں کا

جراح اپنے پنبۂ مرہم کو دور رکھ ۔۔۔ بھڑکیں گے اس سے اور بھی شعلہ ہائے داغ

کوئی چنگا نہ ہوا جسکو لگا عشق کا تیر ۔۔۔ ہیں مری فکر میں ناحق مرے غمخوار پڑے ۔۔۔ رند

خدا بچائے محبت میں جان جوکھم سے ۔۔۔ مسیح اس میں ہے عاجز یہ لادوا ہے مرض

راحتیں طولِ مرض کی صرفِ درماں ہو گئیں ۔۔۔ زندگی جن مشکلوں سے تھی وہ آساں ہو گئیں ۔۔۔ داغ

چرخ پر بیٹھ رہے جان بچا کر عیسےٰ ۔۔۔ ہو سکا جب نہ مداوا تیرے بیماروں کا ۔۔۔ ذوق

آمد آمد کی اطبا کی جو سنتے ہیں خبر ۔۔۔ منہ کو لیتے ہیں کفن سے تیری بیمار لپیٹ ۔۔۔ آتش

کھینچتا کیوں ہے عبث نازِ طبیب اے سودا ۔۔۔ درد کو دل کے نہیں دردِ جگر سے پیوند

بیمارِ عشق کے لئے ممکن نہیں شفا ۔۔۔ پرہیز سے مقام ہے یہ احتراز کا

کیا دیکھتا ہے ہاتھ مرا چھوڑ دے طبیب ۔۔۔ یاں جان ہی بدن میں نہیں نبض کیا چلے ۔۔۔ ذوق

شکر صد شکر کہ ممنونِ مسیحا نہ ہوا ۔۔۔ تیرا بیمار برا کیا ہے جو اچھا نہ ہوا ۔۔۔ سلام

مریضِ عشق کیا حسنِ یار نے جب ۔۔۔ مزاج سے نہ موافق کوئی دوا آئی

آوے بھی مسیحا۔ مرے بالیں پہ تو کیا ہو ۔۔۔ بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو

تدبیر میرے عشق کی۔ کیا فائدہ طبیب ۔۔۔ اب جان ہی کے ساتھ یہ آزار جائیگا ۔۔۔ میر تقی

نسخہ کیا لکھتا ہے بیمارِ محبت کا طبیب ۔۔۔ پہلے تشخیص تو کر۔ کونسی بیماری ہے

معالج کی نہیں تقصیر ہرگز ۔۔۔ مرض ہی عاشقی کا لا دوا تھا

تدبیرِ دوستاں سے ہے بالعکس فائدہ ۔۔۔ ہے دردِ عاشقی کو خصومت دوا کے ساتھ

گو چارہ ساز حضرتِ عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں ۔۔۔ گر دردِ عشق ہے تو امیدِ شفا عبث ۔۔۔ مومن

کیا زیست کی امید رکھوں میں مریضِ ہجر ۔۔۔ عیسیٰ مرا تو چھوڑ گیا جاں بلب مجھے

بوسۂ خالِ زنخداں سے شفا ہوگی ہمیں ۔۔۔ کیا کریں گے اب طبیب اس تیری بیدانے کو ہم

آزارِ رشتہ ہو تو شفا کی امید ہو ۔۔۔ مشکل ہے عشقِ رشتۂ زنار کا علاج

جاتا نہیں ہے درد جو عشقِ بتاں سے ہو ۔۔۔ رکھدے اگر مسیح بھی آ کر شفا کے ہاتھ ۔۔۔ عاجز

طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاجِ دردِ دل اپنا ۔۔۔ مرض جب زندگی خود ہو تو پھر اس کی دوا کیا ہے

سعی لاحاصل مداوائے مریضِ عشق ہے ۔۔۔ تھامنا ممکن نہیں۔ گرتی ہوئی دیوار کا ۔۔۔ آتش

۷۹ ناصحا ہرگز سیا جائے نہ میرا چاکِ دل
سوزنِ عیسیٰ میں رشتہ بھی جو ہو ادریس کا

۸۰ نسخہ تیرے مریض کا عیسیٰ کو جو دیا
دیکھا اُس نے حرف حرف کو رو رو کے دھو دیا

۸۱ دعویٰ میری صحت پہ مسیحا کو غلط ہے
بچتے ہی نہ دیکھا کوئی بیمارِ محبت

۸۲ کس لئے کرتا ہے تدبیر مداوا اے مسیح
موت کے کچھن نظر آتے ہیں اس بیمار کے

۸۳ وہ نسخہ جو دیکھا بڑھا روگ دِل کا
طبیبِ محبت نے کیسی دوا دی

۸۴ شاید سمجھ گیا میرے طولِ مرض کا راز
اب چارہ گر نہ آئیگا۔ اب چارہ گر گیا

۸۵ دِل مرا اُن پہ جو آیا تو قضا بھی آئی
درد کے ساتھ ہی ساتھ اسکی دوا بھی آئی

۸۶ تیرے مریضِ غم کو جو کرتی اثر نہیں
کچھ کہہ دیا ہے آکے قضا نے دوا سے کیا!

۸۷ رُو بصحت نہ ہوا ایک مریضِ فرقت
ایسے بیمار سدا گور کنارے دیکھے

۸۸ لقمان سے کیا عشق کا ہوویگا مداوا
اس درد کی دارو تو مسیحا نہیں رکھتے

۸۹ آخرِ کار مسیحا نے دیا صاف جواب
ابتدا ہی سے بُرا تھا ترے بیمار کا رُوپ

۹۰ ترے بیمار کی حالت نہ بدلی ہو نہ بدلی گی
مگر اک رنگ چہرے کا جو ہر دم بدلتا ہے

۹۱ دمِ آخر تو اے چارہ گرو خاموش ہو جاؤ
میں اپنے دردِ دل سے آخری کچھ گفتگو کر لوں

۹۲ او موت تو نہ آئی۔ گلہ تجھ سے رہ گیا
سب آچکے عیادتِ بیمار کے لئے

۹۳ بیمارِ غم مسیح کو حیران کر گیا
اُٹھا۔ جھکا۔ سلام کیا۔ گر کے مر گیا

۹۴ مر ہی جاؤں گا اگر اُترا محبت کا بخار
حضرتِ عیسیٰ مجھے بیمار ہی رہنے دیجئے

۹۵ بیمارِ محبت کو شفا ہو نہیں سکتی
گر چرخِ چہارم سے مسیحا اتر آئیں

۹۶ کوششِ ناکام کو جانے بھی دے اے چارہ گر
ہو العجب تاثیر ہستی ہی دوا کو دیکھکر

۹۷ نسخے کی طرح جس کا بدلتا رہے مزاج
کیا اُس مریض کا ہو مداوا طبیب سے

۹۸ ہے دم کے ساتھ بیمارِ محبت کے خلش غم کی
نکالے سے نکلتا ہی کہیں کانٹا رگِ جاں سے

۹۹ چارہ گر چھوڑ دے تقدیر پہ تدبیروں کو
عشق میں جینے سے مرجانا ہی اچھا ہے مجھے

۱۰۰ ملا نہ میرے مرض کا طبیب کو نسخہ
اُلٹ پلٹ کئے اجزا کتاب کے کتنے

۱۰۱ مجھ کو اطمینان سے مرنے نہ دینگے چارہ ساز
کہہ رہا ہوں میرے دردِ دل کا درماں کچھ نہیں

۱۰۲ نہ کر فکرِ دوا رہنے بھی دے اے چارہ گر ہو گا
کہ اس کا نام ہے دردِ جگر یہ عمر بھر ہو گا

انجامِ محبت

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی — شیفتہ

دردمندانِ محبت کا طبیبوں سے علاج
کس طرح سے ہو سکے یارو یہ بیماری ہے اور — [illegible]

ہو جائے ہوش تو بیہوش ہو جامِ محبت سے
یہ بیہوشی ہے ایسی جس سے ہشیاری نہیں جاتی — [illegible]

غرقِ دریائے محبت ہی کا تھا بیڑا پار
ڈوبنے والے سے بہتر کوئی پیراک نہ تھا — [illegible]

چاک سینے میں محبت نے اڑائی کیا کیا
اشک بھی آنکھ سے نکلا تو مکدر ہو کر

دل کو لگا ہے روگ محبت کا بے طرح
جان آج بچ گئی تو یقیں ہے کہ کل تمام

اچھا ثمر نہالِ محبت سے مل گیا
وردِ زباں ہے شام و سحر ہائے دوست — [illegible]

تماشائے گلستانِ محبت سے یہ پھل پایا
رہے ہم زرد نالاں صورتِ برگِ خزاں برسوں

رکھیں گے حضرتِ عیسیٰ کہاں مرہم
نہیں ہیں داغِ محبت شمار کے قابل — [illegible]

کشتیاں ڈوبیں ہزاروں غرق لاکھوں ہو گئے
کس کو دریائے محبت کا ہوا ساحل نصیب — ”

سرِ سیلِ فنا تلوار کے جو گھاٹ اتر جائے
شناور ہو وہی بے شبہ دریائے محبت کا

راہروِ راہِ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں — داغ

لے جنسِ محبت دیکھے دل بازارِ الفت ہے
یہ سودا بیچ دیگا رند یہ بیوپار جانے دے — رند

پار ہوں بحرِ محبت کے میں دیکھوں کیونکر
غوطے کھلواتا ہے ساحل پہ یہ دریا مجھ کو — ”

سمجھ کر پاؤں رکھنا خضرِ صحرائے محبت میں
خبر تحقیق سے بے شبہ ہے اس راہ میں کھٹکا

آوارگی سے کوئے محبت کے ہاتھ اٹھا
اے ذوق یہ اٹھا نہ سکیگا کھکھیڑ تو — ذوق

نخلِ خرما کی طرح باغِ محبت میں ملا
کثرتِ زخم سے اک خلعتِ زیبا ہم کو — ”

غافل نہ ہو مزے سے محبت کے آشنا
یہ چاشنی ہے آتشِ خانہ خراب تلخ — آتش

کی بس نے رہ و رسمِ محبت اسے مارا
پیغامِ قضا ہے۔ نیرا پیغامِ محبت

اے داغ نہ دے سبحانِ محبت میں کہ ناداں
پھر زندہ جہاں میں کوئی مر کر نہیں ہوتا — داغ

دیکھ اے دل تو نہ پی جامِ محبت کی شراب
بے مزہ ہو دیگا جو وقت خمار آویگا

۲۲ غافل سمجھ کے کوچۂ محبت میں رکھ قدم
آغاز میں خیال کر انجام کار کا

۲۳ جو گذری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا

۲۴ مریضِ عشق چراغِ سحر ہے
دُعا کر رہے ہیں دوا کرنے والے

۲۵ پار اُتریں خاک بحرِ محبت کی کشتیاں
طوفانِ نوح رہتا ہے بادمرادے

۲۶ چشمِ تر ضعیفِ بدن خشکیٔ لب۔ زردی رنگ
یہ ملی دردِ محبت کی نشانی افسوس

۲۷ محبت عناصر میں شامل ہوئی
لہُو بن کے رگ رگ میں داخل ہوئی

۲۸ ہست در شرعِ محبت رسم آئینے دِگر
خُوردن غمہاں جائز است دم زدن دستور نیست

۲۹ دخل کیا راہِ محبت میں نکو نامی کو
آیا اس کوچے میں جو اُسنے سنا کیا کیا کچھ

۳۰ قمارِ محبت میں بازی سدا
وہ جیتا کیا اور میں ہارا کیا

۳۱ محبتیست کہ دل را نمے دہد آرام
وگرنہ کیست کہ آسودگی نمے خواہد

۳۲ رُوزِ بد سے نہیں تاعُمر محبت میں نجات
موت جس سال میں آئے وہی سال اچھا ہے

۳۳ ہاں کچھ تو ہو حاصِل ثمرِ نخلِ محبت
یہ سینہ پھپھولوں سے جو پھل جائے تو اچھا

۳۴ ذوق بیمارِ محبت ہے خُدا خیر کرے
کہ یہ آزار ہوا جسکو وہ جانبر نہ ہوا

۳۵ تپِ سوزِ محبت کیلئے چارہ نہیں کوئی
یہ گنڈا نیلگوں گردن پہ کیوں اے آشفتہ جاں باندھا

۳۶ نہ لیتا کوئی سودا مول بازارِ محبت کا
مگر کچھ جان اپنی بیچکر لیتے تو ہم لیتے

۳۷ محبت نے شائد کہ دی دل کو آگ
دھواں سا ہے کچھ اس نگر کی طرف

۳۸ راہِ پُر خوف و محبت میں جو رکھتا ہے قدم
گور میں گامِ نخستین وہ دھر لیتا ہے

۳۹ جو چارہ گر آیا میرے بالیں پہ یہ بولا
اللہ کو سونپا تجھے بیمارِ محبت

۴۰ آمد سے فزوں خرچ ہی اے شورِ محبت
بخیوں کا مرے زخم سے کیونکر ہوا ادا قرض

۴۱ گریہ و نالہ سے فرصت ایک دم ملتی نہیں
ہم سمجھتے تھے محبت کار بیکاروں کا ہے

۴۲ نہ ہوا ایک بھی بیمار محبت اچھا
مر گئے وہ جنہیں دعوی تھا مسیحائی کا

۴۳ کبھی حرفِ محبت نا بہ لب آیا تھا چپکے سے
اُسی نے رفتہ رفتہ طول کھینچا داستاں ہو کر

۴۴ روگ ہیں جان کو دُنیا بھر کے
ہم تو پچھتائے محبت کر کے

۴۵ آزماتا ہوں محبت میں میں ظرفِ دل کو
درد و غم اس میں کہاں تک ہیں سماتے جاتے

ہم نے جوں طفلِ دبستانِ محبّت میں ظفر
ہوتا نہ اگر دل تو محبت بھی نہ ہوتی
کیونکر نہ مریں موت پہ بیمارِ محبّت
تری شمشیرِ پُر خم نے ہزاروں سر اُتارے ہیں
معلوم جو ہوتا ہمیں نامِ محبّت
مت دشتِ محبّت میں قدم رکھ کہ خضر کو
اہلِ بازارِ محبّت کا بھی کیا سودا ہے
خاکسارانِ محبّت کا جہاں مدفن ہے
کوئی اس دامِ محبّت میں گرفتار نہ ہو
قعر میں بحرِ محبّت کے ہوا جو تہ نشیں
باغباں نخلِ محبّت میں ثمر ہے کہ نہیں
جو واقف نرخِ بازارِ محبّت سے ہیں کہتے ہیں
عجب کیا ہی ہلاکت عشق میں فرہاد و مجنوں کے
شناورانِ محبّت تو سینکڑوں ہیں۔ مگر
غریقِ دریائے محبّت کی نہیں ملتی لاش
یہ جان کا خواہاں ہے کسے زر سے ملا ہے
ہے یہ سودائے محبّت ہی کہ یاں بس بات کو
ذرا ارماں کوئی نکلیگا نہ حسرت دل سے نکلے گی
محبّت تو نے ترکیبِ عناصر میں نہاں رکھدی
کچھ ایسے شوق سے رکھدیتے ہیں گردن تہِ خنجر
خریدارِ محبّت آئے مجھے بازارِ عالم میں
اگر پوچھے کوئی مجھ سے کہ کیوں نالاں ہے یہ کہدوں
بوئے ہیں تیری محبّت نے ہزاروں کانٹے
دردِ اقلیمِ محبّت میں دوا کا نام ہے

پھینکا آخر ورقِ دانش و فرہنگ مروڑ — ظفر
ہوتی نہ محبّت تو کچھ آفت بھی نہ ہوتی — ذوق
یہ ایسا مزہ ہے کہ مکرّر نہیں ملتا — داغ
یہی تو گھاٹ ہے بحرِ محبّت کے اتارے کا — "
لیتے نہ کبھی بھول کے ہم نامِ محبّت — ذوق
ہر گام پہ اس راہ میں سفر سے نظر آوے — میر تقی
عشرتِ عمرِ ابد قیمتِ غم دیتے ہیں — مومن
ابرِ رحمت کے عوض خاک برستی ہوگی — رند
اے خدا یہ تو کسی بندے کو آزار نہ ہو
ساحلِ اُمید سے اُس کو کنارہ ہوگیا
کوئی اس باغ میں اُلفت کا شجر ہے کہ نہیں — "
کوئی دل نقدِ جاں دیکر جو ہاتھ آئے تو سستا ہے
محبّت روگ ہے کوئی کہ کم اس سے جیا ہوگا
جو ڈوب جائے وہ پکّا ہے آشنائی کا
ورنہ ڈوبا ہوا نکلے ہے سدا تیسرے دِن — نظیر
بکتا ہے تو لوں مول محبّت کا ثمر آج — بحر
کچھ نہیں رہتا یہاں نفع و ضرر کا امتیاز
محبّت میں ہماری جان بھی مشکل سے نکلیگی — جگر
بھڑکتی آگ کیسے درمیانِ استخواں رکھدی
قضا مُنہ چوم لیتی ہے شہیدانِ محبّت کا — سجاد
وہی سودا کیا ہم نے کہ جس میں دردِ سر دیکھا — آتش
محبّت سے محبّت ہے محبّت سے محبّت ہے
دل ملایا کہ ملا دادیئے پُر خار مجھے — داغ
جسکو کہتے ہیں شفا ہے مرگِ بیمارِ وفا

۷۰ روگ ہیں جان کو دنیا بھر کے — ہم تو پچھتائے محبت کر کے

۷۱ محبت نے ہم کو شمر جو دیا — سو یہ ہے کہ سب کام سے کھو دیا

۷۲ نہ کر سودا تو شکوہ ہم سے دل کی بیقراری کا — محبت کس کو دیتی ہے بھلا آرام دنیا میں

۷۳ محبت دشمن جاں ہے جو میں معلوم یہ کرتا — تو کاہے کو کسو سے میر اپنا دل لگاتا میں

۷۴ آغاز ہی سے بدتر ہوا انجام محبت — ہم دل ہی کو روتے تھے پڑے جان کے لالے

۷۵ ہشیار کہ ہے راہ محبت کی خطرناک — مارے گئے ہیں لوگ بہت بےخبری میں

۷۶ سالک راہ محبت ہے تو سنبھلا رہیو — یہ وہ وادی ہے جہاں خضر سا رہبر بھٹکا

۷۷ مریض محبت ترا مر گیا — خدا کی طرف سے دوا ہو گئی

۷۸ نہ دم مارو اگر غواص دریائے محبت ہو — کہ غواصی میں دم اپنا شناور بند کرتے ہیں

۷۹ گر نہیں خار محبت کی کرم فرمائی — پھر یہ کیا چیز کھٹکتی ہے رگ جاں کے قریب

۸۰ کثرت داغ محبت سے الٰہی بھر دے — منزل دل کو کریں آ کے یہ مہماں آباد

۸۱ چمن زار محبت میں خموشی موت ہے بلبل — یہاں کی زندگی پابندی رسم فغاں تک ہے

۸۲ داغ کو ہم نے محبت میں بہت سمجھایا — وہ کہا مان نہ لیتا۔ اگر انساں ہوتا

۸۳ یارب کوئی آفت تھا محبت کا پتنگا — وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی

۸۴ دبستان محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھ کو — کتاب عمر آخر ہو گئی حرف تمنا تک

۸۵ دل سے آتی ہے محبت کے جو ہے میں یہ صدا — جان پر کھیلنے والوں کو شکست و رنج نہیں

۸۶ دریائے محبت سی جو پار اتریں وہ جانیں — ہوتا ہے خدا جانے کہ ساحل نہیں ہوتا

۸۷ عجب صورت ہے محشر بادہ نوشان محبت کی — کبھی ہشیار رہتے ہیں کبھی مدہوش رہتے ہیں

۸۸ حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو — دل بدل پیوستہ گویا اک لب افسوس تھا

۸۹ بلاتی ہے قضا یہ کہہ کے جانباز محبت کو — جسے بے موت مرنا ہو وہ آئے کوئے قاتل میں

۹۰ نشۂ بادۂ الفت کا اترنا معلوم۔ — ہوش میں آئیں نہ مجھے ہوش میں لانے والے

۹۱ بچ سکتا نہ تھا خرمن ہستی کبھی اس کا — سینے میں دبا جس کے محبت کا شرر تھا

۹۲ کچھ نہ پوچھو طے ہوئی راہ محبت کس طرح — جس جگہ تھک کر گرے سامان منزل ہو گیا

۹۳ راہرو راہ محبت کس قدر ہشیار ہے — راہ کترا تا ہے مشکل رہنما کو دیکھ کر

محبت میں قدم رکھتے ہی گم ہونا پڑا مجھکو
نکل آئیں ہزاروں منزلیں ایک ایک منزل سے

آشنا بحرِ محبت کا رہا ہیں برسوں
نظر آیا نہ کبھی دن رُخِ ساحل مجھکو — جرأت

ہو محبت میں نہ تلخی کے سوا کچھ حاصل
ثمر اس نخل میں آئے بھی تو حنظل آئے — امیر

خضر بھی تو اسی گرداب سے چکراتے ہیں
ڈوب کر بحرِ محبت میں اچھلتا ہی نہیں — داغ

جیتا ہی نہیں ہو جسے آزارِ محبت
مایوس ہوں میں بھی کہ ہوں بیمارِ محبت — میر تقی

نقدِ دل وحشت میں کھو کر اک جنوں پیدا کیا
ہم نے بازارِ محبت میں یہ کیا سودا کیا

جیتے جی چھوٹے نہ زندانِ محبت سے کبھی
ایسی ساعت سے تمہارے مبتلا پکڑے گئے — ظفر

پھرتا نہ کس طرح سے محبت میں دربدر
یہ ٹھوکریں لکھیں تھیں میری سرنوشت میں — زر

چارہ سازانِ محبت یہ منادی کر دیں
جسکو صحت کی ہو اُمید وہ بیمار نہیں — منیر

تو بھاگ دلا دیکھ محبت سے کہ اس کی
ہر کام میں اندیشہ ہے ہر بات میں تشویش — ظفر

کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے — درد

خاک چھان چکے سارے جہان کی تسکین
اَور اب کیا یہ دکھلاتی ہے محبت مجھ کو — تسکین

محبت ہے یا کوئی جی کا روگ
سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا — میر تقی

ہے دانے سرشکِ خوں کے اَور خُوں سے پھپھولوں کے
ہمیں کشتِ محبت سے جو حاصل ہے تو بس یہ ہے — ظفر

شہیدانِ محبت خوب آئینِ وفا سمجھے
بہا خوں کوئے قاتل میں اسیکو خوں بہا سمجھے — ذوق

صرف دنیائے محبت میں یہی دو کام ہیں
ماتم اُمید کیجیے یا تمنا کیجیے — شوکت

شبِ وصال

شامِ وصلت ہست ایمن گشتہ ام از بیم صبح
آفتاب آوردم و در خانہ پنہاں کردہ ام

وصل کی شب گذر گئی پل میں
رنگ فق ہو گیا سحر کو دیکھ — غمخوار

شبِ وصال ہیں دل پر قلق ابھی سے ہے
سحر ہے دُور میرا رنگ فق ابھی سے ہے — عشرت

شبِ وصلے ازو یا آں درازی آرزو دارم
کہ یک یک بر شمارم حلقہ ہائے زلفِ پیچاں را

ذبح کرتا ہے شبِ وصلت میں تیرا بولنا
کیا کروں اُس دم چھری مُرغِ سحر ملتی نہیں

۷ چل گئی غم کی چھری میرے جگر پر شبِ وصل
آ گئی کان میں جب مرغِ سحر کی آواز

۸ مر گیا سنکے شبِ وصل میں آواز اس کی
ملک الموت ہوا مرغِ سحر خواں مجھ کو

۹ اُٹھایا تھا نہ لطفِ زیست کچھ بھی وصل کی شب میں
کہ سر پہ آ پکاری موت۔ مرغِ صبح خواں ہو کر

۱۰ دی مؤذن نے شبِ وصل اذاں آدھی رات
ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

۱۱ وصل کی شب ہو چکی پیدا ہوئے آثارِ صبح
پارۂ دل کے نالۂ مرغِ سحر ہونے لگا

۱۲ وصل کی شب چونک اُٹھے ہم سنکے زاہد کی صدا
یاں دمِ تکبیر ہی اللہ اکبر ہو گیا

۱۳ مؤذن اگر اذان دے وصل کی شب صبح سے پہلے
چھری بنجائیں نعرے حلق پر اللہ اکبر کے

۱۴ بجا ہے ذبح ہو جاؤں جو میں صبحِ شبِ وصلت
مؤذن مجھ کو قاتل ہے چھری اللہ اکبر ہے

۱۵ وصل میں سنتے ہی تکبیر کو ہم ذبح ہوئے
کیا مؤذن نے کیا کارِ ثواب آخرِ شب

۱۶ شبِ وصلت اذاں کہکر چھری پھیری گردن پر
ہوئے ہم ذبح اے زاہد تیری اللہ اکبر پر

۱۷ ہے صبحِ قیامت ہوئی آخر جو شبِ وصل
ہے صور کی آواز مجھے شورِ اذاں کا

۱۸ صبحِ شبِ وصال ہے دم توڑتا ہوں میں
نالاں ہیں میرے غم میں مؤذن اذاں نہیں

۱۹ کیا ستم صبحِ شبِ وصل اس مؤذن نے کیا
ہو گیا بسمل میں سنتے۔ پہلی ہی تکبیر کو

۲۰ صبحِ شبِ وصال سے کیوں نعرہ زن نہ ہو
پڑتی ہے موگری میرے دل پر گجر کے ساتھ

۲۱ وصل کی شب ہو چکی ہے صبحِ قیامت ہے عیاں
صور کی آواز ہے مرغِ سحر نالاں نہیں

۲۲ اتنا شبِ وصال میں لازم ہے بند و بست
تا حشر مسجدوں میں سحر کی اذاں نہ ہو

۲۳ مر گیا سنتے ہی اس کے نالۂ مرغِ سحر
وصل کی شب میرے حق میں سورۂ یٰسین ہو

۲۴ اجازت وصل کی دی تھی جو چرخِ کینہ پرور نے
تو زاہد ذبح کر ڈالا تیری اللہ اکبر نے

۲۵ خدا کے واسطے دیکھ او مؤذن وصل کی شب ہے
چھری چل جائیگی مجھ پر تیری اللہ اکبر سے

۲۶ وصل کی شب ہو چکی اے اشک بجتا ہے گجر
چوٹ لگتی ہے میرے دل کو بہت گھڑیال سے

۲۷ وصل کی شب تپش سے ہوا ماہ لیکن غم بھی ہے
آفتابِ حشر ہو گا۔ صبح کا تارا مجھے

۲۸ ہر شبِ وصل اے فلک ڈرتا ہوں تیری دوری سے
صبح کا تارا نہ ہو جاوے یہ تارہ شام کا

۲۹ کل شبِ فرقت نہ ہوتی تھی کسی صورت سے صبح
وصل ہے خورشید ہو گا آج طالع شام سے

...ل کی شب یونہی اے قاضی حاجات رہے
حشر کے روز تلک صبح نہ ہو رات رہے

...ل کی شب ہو چکی چمکی ہے تیغ آفتاب
قتل اب مجھ کو کریگی ہائے یہ شمشیر صبح

...ح شب وصل۔ ہوئے گرم فغاں ہم
سمجھو نہ شفق۔ گنبد گردوں میں لگی آگ

...ل کی شب ہو چکی رخصت قمر ہونیکو ہے
آفتاب روز محشر جلوہ گر ہونے کو ہے

...ب شب وصال یہ کیسا گجر بجا
اگلے پہر کے ساتھ ہی پچھلا پہر بجا

وصل کی شب تھے سرائے دل میں کیا کیا ذوق و شوق
صبح کے ہوتے ہی رخصت سب مسافر ہو گئے

...وئی جو صبح شب وصل جان ڈوب گئی
قضا نے چشمۂ خورشید میں ہلاک کیا

...تھ آئی تھی برسوں کی تمنا میں شب وصل
پھر تفرقہ پردازی کی خاطر سحر آئی

وصل کی شب ہو چکی احسان کر
اک گھڑی گنتی میں گھڑیالی بجا

...زاہد بھی ایک دشمن جاں ہے شب وصال
تنہا جلائے نالۂ مرغ سحر نہیں

...شام شب وصال صنم سے یہ ہے دعا
ہو خشک یا خدا تیری مرغ سحر زباں

...گزری ہے شب وصل کہ آئی ہے مری موت
وہ روتے ہیں رخصت پہ سحر ہے کہ غضب ہے

...شب وصل بھگانے کو یہ جاگا ہے مؤذن
لو گھونٹ گلا اس کا یہ چلانے نہ پاوے

...قیامت آئی جب بولا مؤذن وصل کی شب میں
صدائے صور پہنچی کان میں میرے اذاں ہو کر

...شب وصال یہ کوتاہ تھی کہ بس سر شام
طلوع مہر ہوا ماہتاب کے بدلے

...یہ شب وصل گردوں کی عداوت دیکھو
صبح ہوتی ہے مرے گھر میں بھری رات رہے

وصل کی شب غل مؤذن نے مچایا وقت صبح
کیا خروس بے محل پھر اذاں پیدا ہوا

...شب وصل غریباں ہے تری گردن پہ خوں ہوگا
نہ بول اٹھنا کبھی زاہد سے اے مرغ سحر پہلے

وصل کی شب بس اذاں کے سنتے ہی مر گیا
مجھ کو سیفی نعرۂ اللہ اکبر ہو گیا

...جا ہی تو ہوا وصل ہمیں رات پہ پر افسوس
اک پل میں شب عیش و طرب ہو گئی آخر

...تا حشر نمودار نہ ہو صبح الٰہی
یہ ہم نے دعا وصل کی شب تا بہ سحر کی

وصل کی شب یہی کرتا ہوں دعائے آغا
حشر تلک اب نہ نظر آئے سحر کی صورت

وصل کی شب حسب موسم ہو ہی جائیگی سحر
لطف اٹھاؤں یاد رازی کی دعا شب بھر کروں

۵۴ صبح شب وصال کے ہوتے ہی ہم کہاں
ہے زہر ساقیا قدح آفتاب میں

۵۵ اے مؤذّن کر دعا - جائے اذاں
وصل کی شب اور کوئی دم رہے

۵۶ شام شب وصال کے ہوتے ہی صبح تھی
گردوں پہ جا کے ماہ نکل آیا آفتاب

۵۷ سینہ کوبی مری ہوئی نوبت
جب بجا صبح کا گجر شب وصل

۵۸ وصل میں کیوں دیکھتے ہیں وہ گھڑی کو بار بار
ہو نہ ایسا جو گھڑی میں یاں ابھی گھڑیال ہو

۵۹ ہجر میں لینا عوض اے آسماں
وصل ہے جائے سحر اب شام بھیج

۶۰ شانہ اُس زلف میں پھرتے یہ بجا کہتا تھا
بات کہتے ہی شب وصل چلی جاتی ہے

۶۱ مدّت میں شب وصل بھی آئی جو میسّر
پہلے ہی پھر دیدی مؤذّن نے اذاں آج

۶۲ اے مؤذّن وصل کی شب میں تو میں چپ ہو رہا
حشر کو دونگا تیرے اللہ اکبر کا جواب

۶۳ وصل کی شب صبح ہوتے ہی قیامت آگئی
بانگ تھی مُرغِ سحر کی یا کہ نالہ صُور کا

۶۴ آئی شب وصال ہوئی صبح شام سے
قسمت نے آفتاب کیا ماہتاب کو

۶۵ طولِ شب وصال ہو مثلِ شب فراق
نکلے نہ آفتاب۔ الٰہی سحر نہ ہو

۶۶ بیجا ہے وصل غیر شب وصل اے امیر
دروازہ بند کیجئے آنے نہ پائے صبح

۶۷ یا رب شب وصال میری مختصر نہ ہو
اتنی بڑھے کہ تا بقیامت سحر نہ ہو

۶۸ کیا کریں کچھ بس نہیں تیرے لئے اے روزِ وصل
عُمر تھوڑی مانگ لیتے آسمانِ پیر سے

۶۹ تو شب وصل ہوئی چار پہر میں رُخصت
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آئی ہوتی

۷۰ ایسا کیا ہے چرخ نے کوتاہ روزِ وصل
کیا دُور ہے جو شام ہو پیدا بجائے صبح

۷۱ نہ اذاں ہو نہ سحر ہو نہ گجر ہو شب وصل
کیا مزہ ہے جو کسی کو نہ جگائے کوئی

۷۲ ہو چکی جب وصل کی شب میری یہ حالت ہوئی
صُبح بھی دوڑی گریبانِ صبُوری چیر کے

۷۳ وصل کی رات مرا جی ہی نکل جاتا ہے
جبکہ آواز یہ آتی ہے کہ اب رات نہیں

۷۴ صُبح شب وصال ہے یا رُوزِ حشر ہے
اے دل کچھ آج اور ہی رنگ اس سحر میں ہے

۷۵ شام وصل آئی - ادھر موجود تھی صبح فراق
کم گھڑی بھر سے پہر ہیں اس شبِ کوتاہ کے

۷۶ سُن کے آوازِ مؤذّن کی شب وصل کی صبح
صاف سمجھے ہیں کہ بلایا ہے خدا نے ہم کو

۷۷ شب وصل دھوکا تھا کیا اے خُدا
ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی

پہلے ہی طائر جاں ہو قفس تن سے رہا
پتنگ کی طرح ساتھ اُڑا رنگ رُو میرا

شب وصال ہیں مُرغ سحر کا کھٹکا ہے
شب وصلت ہی آخر ہیں نہ رہ جاؤں کہیں محروم

مغتنم وصل ہیں ہے دور شراب آخر شب
شام وصلت رحم کر للہ گردوں رحم کر

وصل کی شب ہو چکی بس میری خاطر تا کجا
شب وصال ہے اور رنگ فق ابھی سے ہے

شب وصال ہے کمبخت رحم کر مجھ پر
تا صُبح شب وصل نہ چلا کے وہ بولے

ذبح کر ڈالوں گا گر آپ کے تو بولا شب وصل
وصل کی شب پھٹ گیا جیب دم گریبانِ سحر

صُبحِ شب وصال کی جب توپ چل گئی
الٰہی پہلے میرے تن سے جی روانہ ہوا

وصل کی شب ہے نہ ہونے دیجئے تا حشر صُبح
وصل کی شب یہ خبر کیا تھی کہ اے دَورِ فلک

اپنے وصل کو لیکے شب وصل باغ ہیں
دوست ہر چند ہمارا ہے موذن لیکن

حشر کرتا ہی بپا پچھلے پہر سے شب وصل
ہر شب وصل اے فلک ڈرتا ہوں تیری دَور سے

میں دیکھتا تھا یہ اُٹھکر گھڑی شب وصل
وصل کی شب ہے نہ ہو یارب طلُوع آفتاب

کھلواؤں شب وصال کباب اُن کو بنا کر
سے ابھی رات کہاں جاکے ہے اے مہ لقا

وصل کی شب نہ سنوں مُرغ سحر کی آواز
صُبحِ شب وصال کی جب توپ چل گئی رند

الٰہی کاٹ لے اِس کی کوئی زباں صیّاد
موذّن دیجئو للہ اَذاں آہستہ آہستہ

ساقیا مُرغ سحر کے ہوں کباب آخر شب ناسخ
اور تھوڑی نیند لے لوں ہیں سرِ زانوئے دوست

تنگ مُرغانِ سحر کا حوصلہ ہو جائے گا
سحر کے ہونے کا دل کو قلق ابھی سے ہے زبیر

ابھی نہ بول تو مُرغِ سحر خُدا کے لئے
گھونٹا ہے گلا شام سے ہی مُرغِ سحر کا آباد

میں نے سو بار تجھے مُرغ سحر چھوڑ دیا ناسخ
پیرہن میں یاں گریباں ہی گریباں ہو گئے مد

دِل سینے میں اُچھلنے لگا چار چار ہاتھ
کہ تا کہے نہ کوئی وصل کی سدھاری رات جرات

مُرغِ زرّینِ فلک کے آج شہپر توڑیئے
شام ہوتے ہی عیاں ہو جائینگے آثارِ صُبح سیلانؔ

بھاگا ہیں آشیانہ مُرغِ سحر سے دُور
دشمن خواب ہے جُوں مُرغِ سحر آخر شب

دَم چُھری نیچے کہاں مُرغِ سحر لیتا ہے ناسخ
صبح کا تارا نہ ہو جائے یہ تارا شام کا

بَدل گیا کہ وُہی آسمان باقی ہے جلال
تھی مِرے مولا کو قُدرت رجعتِ خورشید پر

لاؤ بے کدھر ذبح کروں مُرغِ سحر کو غریب
بول اُٹھا یہ یونہیں مُرغ سحر آپ سے آپ شاہ ظفر

۱۰۲ وصل کی شب بھی رہی وصل کی حسرت دل کو — تب وہ بیدار ہوئے نیند سے جب آنکھ کھلی

۱۰۳ خدایا اس فلک کو۔ اور آیا کچھ تو نہ آیا — گھٹانا وصل کی شب کا۔ بڑھانا روزِ ہجراں کا

۱۰۴ جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوئی — ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوئی

۱۰۵ صبح کا سونا جو ہاتھ آتا امیر — بھیجتے تحفہ مؤذن کے لئے

۱۰۶ ملک الموت مؤذن ہے مرا وصل کی شب — دم نکل جاتا ہے جب وقتِ اذاں آتا ہے

۱۰۷ صور تھی منقارِ مرغِ صبح پہلو سے مرے — وہ قیامت قد جو اُٹھا حشر برپا ہوگیا

۱۰۸ ہے اپنی شبِ وصل عدو کی ہے شبِ ہجر — منظور یہ ہے تا ابد بھی نہ سحر ہو

۱۰۹ مرغِ سحر خدا کے لئے کر ٹریاں کو بند — نکلی ہمارے دل کی بھی آرزو نہیں

۱۱۰ عاشق شبِ وصال میں گھبرائے جاتے ہیں — مچھلی سی جان مرغِ سحر کھائے جاتے ہیں

۱۱۱ وصل کی شب یہ سیہ خانے میں جوشِ نور ہے — ہے چراغِ شام سے شرمندہ تارا شام کا

۱۱۲ وصل کی شب ہوگئی آخر ہوا عالم سیاہ — آج کیا برعکس آتی ہے نظر تاثیرِ صبح

۱۱۳ شام سے وصل میں ہیں مرتکبِ عصیاں ہم — ہیبتِ صبح سے ہوتا ہے عذابِ آخرِ شب

۱۱۴ صبح بھی ساتھ ہی نظر آئی — خواب میں دیکھی ہے گر شبِ وصل

۱۱۵ ہو نہ آخر وصل کی شب اپنی تارِ جیب سے — سی دیا میں نے گریبانِ سحر کے چاک

۱۱۶ وصل کی شب روز ہو جاتی ہے غائب بیچ سے — وقتِ شام اے آسماں گویا سحر کا وقت ہے

شبِ ہجر

۱ بخت خوابیدہ بھی اکتا گئے سوتے سوتے — کیا شبِ ہجر ہے اے دیدۂ بیدار دراز

۲ وہ نہ آتا تھا اگر موت ہی آتی شبِ ہجر — اے فلک کوئی اُمید بر آئی ہوتی

۳ موت آئی بھی شبِ ہجر پہ در تک لیکن — ضعف وہ تھا کہ اشارے سے بلائی نہ گئی

۴ ہجر کی رات وہ کافر ہے کہ جوں چشمِ بلا — آہ تارا ہے ہر اک آنکھ پسارے نکلا

۵ جیتا رہا میں ہجر میں مرجانے کی ہے جا — اے موت تو نے اُس سے کیا شرمگیں مجھے

۶ ہجر میں خونِ جگر آخر کو پینا ہی پڑا — موت بھی آئی نہیں۔ مجبور جینا ہی پڑا

کیا کیا اذیتیں نہ سہیں ہجرِ یار میں — موت آئے ایسے جینے کو ہم کیوں نہ مرگئے

کرتی موت اگر ہجر میں مسیحائی
ہجر کے ہاتھوں کچھ ایسا زیست سے بیزار تھا
کیا ہوا آرام شبِ ہجر کے بیداروں کو

ہیں کس کے پاس لئے دردِ لا دوا جاتا
غیر کے بدلے بھی کل مرنے پہ میں تیار تھا
نیند کیا موت بھی آتی نہیں بیچاروں کو — رند

ہجر کی ہجر کی شب سینہ و سر پیٹتے گذرے
اُٹھایا ہاتھ اگر سر سے تو پھر چھاتی پہ دے پٹکا

ہر گھڑی بے یار لگتی ہے ہماری دلکو چوٹ
کیوں نہ کرتے ہجر میں ہم دل سے باتیں صبح تک
موت کی تلخی سے بڑھ کر عشق کی تلخی ہوئی
ہم کیا بتائیں ہجر میں کیا حالتیں ہوئیں
کیوں جی کے ہجر میں ہوئے شرمندۂ یار
ابھی آئی نہ شبِ ہجر میں اور تو نے فلک
کیا امتدادِ مدتِ ہجراں بیاں کروں
ہجر کی شب یار بن مجھ کو سلانے آئی تھی
زندگی ہوگی تو بچ جاؤنگا اس آفت سے
رو رو کے بھی کٹی نہ شبِ تارِ ہجرِ یار
یہ تم کو دکھا دیتا وسعتِ شبِ ہجراں کی
وہ مصیبت ہے کسی شے کا نہیں ہوش مجھے
ملتا نہیں جو زہر شبِ ہجر میں کھالیں
جوں شمع تن ہوا شبِ ہجراں میں صرفِ اشک
مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر میں
ہجر کی شب نہ گھٹی گھٹ گئی سب عمر مری
فقط اک سانس باقی ہے مریضِ ہجر کے تن میں
ہجر کی شب گزند دیتے ہیں
ہجر کی شب ہاتھ میں لیکر چراغِ ماہتاب

ہجر میں قسمت ملی ہے کیا ہمیں گھڑیال کی
کان رکھ کر کوئی سُنتا یہ وُہ افسانہ نہ تھا — داغ
ہجر میں اُس بُت کے جینا مجھ کو دوبھر ہو گیا
ہاتھوں میں ساری رات دلِ ناصبور تھا
آپ مر رہے ہیں اُس کی پشیمانیوں میں ہم
لے اجل ہمکو تمنائے اجل میں مارا — رر
ساعت ہوئی قیامت و ماہ سال ہو گیا
چٹکیوں میں نیند کو میں نے اُڑایا رات بھر — رند
اینٹھ لیٹی ہے بلائے شبِ ہجراں مجھ کو
بھاری ہوئی ہے جُوں جوں یہ کلی بھگری ہے
ہوتے نہ اگر اتنے شام و سحر محدود
ہو گیا ہجر میں مرنا بھی فراموش مجھے
معمول ہے شئے وقتِ ضرورت نہیں ملتی
پھر جس قدر میں چاہیئے تھا اتنا نہ رو سکا
ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا
یا الٰہی شبِ ہجراں کی سحر ہے کہ نہیں
یہ کانٹا بھی نکل جائے تو راحت سے بسر ہوگی
نیشِ عقرب ہیں جتنے تارے ہیں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں گردوں پر سحر ملتی نہیں

٣٢ بدل دے میری شام ہجر کو صبح قیامت سے
الٰہی کیوں تڑپنے کو شب غم درمیاں رکھ دی

٣٣ بیمار کا مزاج ہوں ہجر یار میں
سم ہے طعام میرے لئے اور آب تیغ

٣٤ ہو چکے حسرت و امید و الم سب رخصت
آب نہیں کوئی مریض شب ہجراں کے قریب

٣٥ بےخوابی سے مرتا ہے شب ہجر میں سودا
آب کہنے کو افسانہ کوئی نوحہ گر آئے

٣٦ روز وفات کا تو خطر کچھ نہیں مجھے
اے ہمنشیں ہے پر شب ہجراں کا ڈر مجھے

٣٧ کیوں مقابل ہے یہ روز ہجر کا پیل سفید
ناتواں ہوں میں مریض عشق کچھ رستم نہیں

٣٨ جو دل ہے وہ محل حوادث ہے ہجر میں
محفوظ آفتوں سے خدا کا بھی گھر نہیں

٣٩ ہجر میں تھی کسے امید سحر
رات کاٹی خدا خدا کر کے

٤٠ زندگی ہجر بھی اک موت تھی
مرگ نے کیا کار مسیحا کیا

٤١ خواب و خیال نیند کا آتا ہے ہجر میں
سونا تھا وہ جو وصل میں اے یار سو چکے

٤٢ تری روداد سے اک کوہکن بس اس قدر جانا
کہ جینا ہجر میں مشکل ہے اور آساں ہے مرجانا

٤٣ یہ ناز تھا ملک الموت کو بھی ہجر کی رات
ہزار بار بلایا تو ایک بار آیا

٤٤ ہجر کا قصہ مختصر ہے یہ
مر گئے ہم مگر نہ موت آئی

٤٥ شکوہ کس کس کا الٰہی میں شب ہجر کروں
منہ چھپایا ہے اجل نے بھی سحر کی صورت

٤٦ میں اور زیست ہجر میں قدرت خدا کی ہے
انسان کے اختیار میں اپنی اجل نہیں

٤٧ صبح کی امید اے ہمدم کسے ہے ہجر میں
آج تو کچھ شام ہی سے نزع کا آغاز ہے

٤٨ مدت ہجراں نے کی نے کچھ کمی
میرے طول عمر کی تقصیر ہے

٤٩ وصل کی مختصر ہے رات ہجر کی وسعت نہ پوچھ
عمر تمام ہو گئی اک شب دراز میں

٥٠ ہوا یہ ہجر میں گھل کر مرا حال
کہ باقی پوست ہے اور استخواں ہے

٥١ اور تو کوئی نہیں ہجر میں پرساں ہادی
بیکسی حال پہ اکثر مرے رو جاتی ہے

٥٢ شام سے ہجر میں مرنے کا یقیں ہے انجم
نہیں امید کہ دیکھوں میں سحر کی صورت

٥٣ اے ظفر کتنی ہیں راتیں مجکو روتے ہجر میں
کونسی شب جوش گریہ سے مرا بستر ہے خشک

٥٤ گویا زبان شمع جو ہوتی تو پوچھتا
کٹتی ہے ہجر یار میں کیونکر تمام رات

٥٥ ہجر کے حرفوں میں بھی ایسا اثر ہے ہجر کا
لب سے لب وقت تلفظ اک ذرا ملتا نہیں

دہا نگوں موت درد ہجر سے مجھ کو نہیں پیا
رکتے کیوں ہو اجل کو ہجر میں آنے بھی دو
توقع صبح ہونے کی کسے ہوتی ہے فرصت میں
ہجر کی رات کاٹنے والے
خاموش ہے کیوں ہجر کی شب مرغ سحر آج
وصل میں تھا۔ صبح سے بیزار میں
ہجران یار میں تن خاکی سے تنگ ہوں
اے ماتم فراق اجل سے بچا بچا
بدتر ہے زلیست مرگ سے فرقت میں یار کے
کس خرابی سے کاٹی ہے شب ہجر
غم فرقت میں بھی آتی نہیں اے چرخ جو موت
شب فراق کا صدمہ نہیں سہا جاتا
ہجر میں زندہ رہا کوئی نہیں اسکا جواب
جو مر جاؤں تو لوح قبر پہ میری یہ کھدوانا
میں کسی کا بھی نہ تھا ممنوں کبھی اے ہجر یار
بدتر از مُردہ تو فرقت نے بنایا اُس کی
یوں تو اک روز تجھے آنا ہے اے موت ضرور
صبح ہوتی ہے نہ کٹتی ہے شب تار فراق
اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
نہیں کٹتی ہے کاٹے سے الٰہی
سعدیا نوبتے امشب دہل صبح نہ کوفت
جیسا شب عشرت کو فلک تو نے گھٹایا
یہ ہجر کبھی جان ہی لے گا ہماری
مجھ کو ہر شب سحر ہونے لگی جوں روز حشر

کہ نام عشق لوں اور اس قدر زحمت طلب نہیں
زندگی بیکار ہے اب ہم کو مر جانے بھی دو
وہ راتیں ہجر کی ہیں ایخدا جو کٹ نہیں سکتیں
کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی
بولا نہ موذن بھی گیا وہ بھی ہے مر آج — سحر
ہجر کی شب تجھ سے ہے بیزار صبح
ایذائے مرغ روح کو چنگل ہے یاز کا
رکھا تھا میں نے جان کو کیا تیری واسطے
اس زندگی سے موت ہی آجائے کاشکے
اب تلک ہم جیسے ہیں مر مر کے — وزیر
کیا کوئی صدمہ پئے جان حزیں اور بھی ہے
حرام موت نہ ہوتی تو زہر کھا جاتا
کس قدر اُن کو بلا کر ہوں پشیماں دل میں — سحر
موا یہ درد فرقت سے قضا کا اک بہانا تھا
آج سر پہ لیکے احسان قضا جاتا ہوں میں — نظیر
کیوں پس و پیش اب آنے میں قضا کرتی ہے
گر شب ہجر میں آجاتی تو احساں ہوتا — خلیق
نیند آتی ہے نہ عاشق کی قضا آتی ہے
آج آتی شب فرقت میں تو احساں ہوتا
شب فرقت بھی کیا کالی بلا ہے
یا مگر صبح نباشد شب تنہائی را
کی جلد نہ فرقت کی ستمگر سحر ایسی
مر جائینگے کل بچ گئے قسمت سے اگر آج — سحر
مجھ سے یہ کس دن کے بدلے آسماں لینے لگا — شاد

۸۰ زندگی تک ہجر کی حد ہو گئی
دے دیا صدقہ بلا رد ہو گئی

۸۱ صبح محشر کے سوا صبح شب ہجر نہیں
یہ بلا وہ نہیں آتش جو بلا پھرتی ہے

۸۲ کہدو یہ کوہکن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجر یار میں جینا کمال ہے

۸۳ ایذائے ہجر یار سے اتنی ہے آرزو
آنے نہ پائے تو کہ ہوں میں ای اجل تمام

۸۴ داد سے روز جزا کے بھی رہوں گا محروم
یہ نظر آتی ہے طول شب ہجراں مجھ کو

۸۵ پار اترا صاف بحر بیکنار عشق سے
روتے روتے مر گیا جو ہجر میں تیراک تھا

۸۶ جان پر بن گئی۔ دم گننے لگا میں شب ہجر
گنتے گنتے نہ رہا جب کوئی تارا باقی

۸۷ جو گناہ وصل میں سرزد ہوئے تھے عفو ہوئے
فارغ البال ہوا میں شب ہجراں آئی

۸۸ اے داغ صدمہ غم ہجراں بجا درست
یہ سب سہی۔ مگر تمہیں جینا ضرور تھا

۸۹ شب ہجراں کی درازی کا گلہ کیا کیجئے
خضر کی عمر بھی دو چار گھڑی گھٹتی ہے

۹۰ کیا چار پہر کے ہوئے دس بیس پہر آج
کیوں اے شب ہجراں نہیں بجتا ہے گجر آج

۹۱ ہجر کی شب کی مصیبت کس طرح تحریر ہو
جمع کر سکتا نہیں کوئی پریشان خواب کو

۹۲ وصل نامنظور ہے اب ہم کو خود اس شرم سے
ہجر میں جیتے رہے منہ ان کو دکھلائینگے کیا

۹۳ شام ہجراں کسی صورت سے نہیں ہوتی صبح
منہ چھپا کر میں اندھیرے میں نکل جاؤنگا

۹۴ یکساں ہے دم کی آمد و شد ہجر یار میں
آیا تو کیا ہوا نہ آیا تو کیا ہوا

۹۵ موت مل جائے کہیں گر ہجر میں
زندگانی کی شکایت کیجئے

۹۶ ہجر میں بسکہ ملے دست تاسف ہم
جو ہوئی کف افسوس مجھے ملنے کی

۹۷ ہجر کی شب شکل راحت سے حجاب آنے لگا
بند کی آنکھیں اگر آنکھوں میں خواب آنے لگا

۹۸ ہجر کی رات کسی طور نہیں ٹلنے کی
تڑپ تا صبح قیامت بھی نہیں چلنے کی

۹۹ کاٹی مصیبت شب ہجراں میں بار رہا
واعظ نہیں ہے روز قیامت کا ڈر مجھے

۱۰۰ دم تیری دید کو آنکھوں میں لگا رکھا ہے
اور بیمار غم ہجر میں کیا رکھا ہے

۱۰۱ اس کو بھی ہجر میں نہ ہماری خبر رہی
کمبخت موت آج کہاں جا کے مر رہی

۱۰۲ صبح محشر کا ہے آنکھوں میں انہوں کے اشتیاق
ہجر کی شب میں جو ہیں امیدوار آفتاب

صبح گو ہوتی نہ تھی کیوں کی مؤذن نے کمی
بارِ غم اُٹھ نہیں سکتی کا شبِ وصل کے بعد
جواب خط کا شبِ ہجر انتظار اثر
جی گیا میں ہجر کی شب موت جب آئی مری
ہے شبِ ہجر آج اور اک روز آنا ہے تجھے
ہجر کی شب آ ہی جاتی موت کھا لینا تھا زہر
ہجرِ بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاشِ زہر
آرزو یہ ہے اُسے کاٹے شبِ مقراضِ وصل
لذتِ مرگ ہے ہجراں سے دعا ہے کہ خدا
بیمارِ ہجر کا نہ کھلا کچھ بھی ماجرا
قیامت کی عقوبت ساری ہجرِ یار میں گذری
تو جو آئی تو مجھے ہجر میں آیا آرام
ہجر کی شب ایک دم سونے سے ہم واقف نہیں
تا صبح شبِ ہجر جھپکتیں نہیں آنکھیں
اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجراں بھی کم نہیں
کبھی جو ہجر کی شب صبح ہونے آنکھ لگتی ہے
موت کیا آئی تپِ فرقت سے صحت ہو گئی
ہجر میں یار نے پوچھا نہ اجل نے ہمکو
امیدِ وعدہ بھی تو نہیں روزِ ہجر میں
روزِ قیامت اور شبِ ہجر ایک ہے
ہیں تم کو دکھا دیتا وسعت شبِ ہجراں کی

ہجر کی شب وقت اچھا تھا خدا کی یاد کا
اے اجل ہجر میں آئے گی تو احسان ہوگا — ثاقب
سحر ہی آج نہ ہوگی کہ نامہ بر آئے — سحر
مجھ کو عزرائیل پر عیسیٰ کا دھوکا ہو گیا — اثر
اے اجل مت دیر کر موقعہ ہے اچھا آنا آج — سحر
بات میں فرق آیا قیصر اُن سے ہم جھگڑتے ہوئے — "
غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا — قیصر
بڑھ گئے حد سے ہیں گیسو روزِ ہجرِ یار کے — مومن
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بیکس کے — آباد
تارے ہی آسمان کے فقط راز داں رہے
وہاں تھا دیکھنا جو کچھ سو سب ہم نے یہاں دیکھا — اثر
ورنہ اے موت تڑپ کیا دلِ بیمار کی تھی — صفی
خواب کی دولت ملی کب دیدۂ بیدار کو — آباد
کٹ جاتی ہیں راتیں در و دیوار کو تکتے — "
بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث — رند
جگاتا ہے مؤذن نعرۂ اللہ اکبر سے — مومن
دم نکلنے سے بدن ٹھنڈا ہوا رنجور کا — رند
نہ اسے یاد رہے ہم نہ اسے یاد رہے — امیر
ہم سے وفائے زندگی بیوفا عبث — "
اسکی جو شب نہیں ہے تو اس کی سحر نہیں — مومن
ہوتے نہ اگر اتنے یہ شام و سحر محدود — سلطان — اکبر حیدری

۱۲۴ ڈر کے مارے صبحِ کاذب و سفید آتا نہیں
کس قدر صورت شبِ فرقت کی وحشتناک ہے

۱۲۵ ہجر میں ظاہر سب آثارِ قیامت ہو گئے
پردۂ شب میں رہیگی تا بہ کے مستور صبح

۱۲۶ نیند آئیگی کہ موت آئیگی ہجرِ یار میں
دیکھئے کیونکر ہوں اپنے دیدۂ بیدار بند

۱۲۷ جو روز ہے وہ طول میں گویا ہے روزِ حشر
برسوں سی دوپہر نہیں ڈھلتی ہے ہجر میں

۱۲۸ بیکسی دیکھو۔ کسی نے بھی خبر میری نہ لی
موت تو کیا۔ ہجر میں صورت نہ دیکھی خواب کی

۱۲۹ نیند کو بھی نیند آ جاتی ہے ہجرِ یار میں
چھوڑ کر بیدار مجھ کو آپ سو جاتی ہے نیند

۱۳۰ ہجر میں اُس رشکِ گل کے مجھ کو جینا خار ہے
زندگی ظالم مگر اب تک گلے کا ہار ہے

وداعِ یار

۱ وہ مسیحا جو چلا ہاتھ چھڑا کر شبِ وصل
نبضیں بھی چھوٹ گئیں۔ ہاتھ کے چھٹ جانے سے

۲ چلا پہلو سے اُٹھ کر جبکہ وہ آرامِ جانِ دل
کہا آرام نے مجھ سے کہ لو آرام چلتا ہے

۳ اُس رشکِ گل کے جاتے ہی بس آ گئی خزاں
ہر گل بھی ساتھ بو کے چمن سے نکل گیا

۴ کیا چراغِ زندگانی بھی سدھارا اُنکے ساتھ
میرے گھر سے جب وہ اپنے گھر سدھارے رات کو

۵ چلا پہلو سے وہ شامِ اجل کے ہو گئے ساماں
فروغِ محفلِ ہستی کسی آرام جاں تک ہے۔

۶ چوں آں جانِ جہاں دامن کشاں شد از چمن بیروں

۷ رواں شد جانِ مرغانِ چمن گویا ز تن بیروں

۸ تو نے آنکھیں پھیر لیں یاں کام آخر ہو گیا
طائرِ جاں پائے بندِ رشتۂ نظارہ تھا

۹ کہہ مؤذن سے پڑھے آ کے جنازے کی نماز
میرے پہلو سے جو تو سُن کے اذاں اُٹھتا ہے

۱۰ میرے گھر کی راہ کترا کر نکلتا جب ہے چاند
رہتی ہے فرقت کی شب یا ہر گھڑی یا ہر چاندنی

۱۱ میری بستر سے جو وہ صبحِ شبِ وصل اُٹھ گیا
صورتِ تصویر تو شک کر گیا بیجاں مجھے

۱۲ نکلے گی جان تن سے سفر کی خبر کے ساتھ
اپنا بھی کوچ ہوگا تمہارے سفر کے ساتھ

اُن کو جلدی جانے کی مجھ کو عذابِ جانکنی
تُم پاس سے اُٹھے تو نکل جائیگا دم بھی
وُہ چلا۔ جان چلی۔ دونو یہاں سے کھسکے
اے مسیحا تیرے جانے سے میں مرجاتا ہوں
رُوح و قالب کی جُدائی ہے جُدائی تیری
کم موت کے آنے سے نہیں یار کا جانا
وقتِ سحر جو اُٹھ کے وُہ آغوش سے گیا
تیری نِگاہ جو بُتِ بے پیر پھر گئی
تُم کیا گئے کہ رنگِ زمانہ بدل گیا
زمانہ پھر گیا تیری نظر کے پھرتے ہی
اُس کے جانے سے تجھے موت نہ آئی آصف
جاتے ہیں آپ اُدھر تو میں مرجاؤنگا اِدھر
جان جاتی ہے مری پہلے کہ تو جاتا ہے
تو گیا جسم مرے آگے سے بیخود ہو گیا
گیا ہے کون آے محمود اس دم زینتِ محفل
ہوگئی صبح شبِ وصل اُسکے جاتے ہی سیاہ
کر گیا ہے پھر کوئی خالی مرے آغوش کو
وُہ کرے عزمِ سفر تو کیجئے دُنیا سے کوچ
تاب و تواں ہوش و خرد سارے چل بسے
ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے

دونو کا دم ملاک میں ہے موت کی تاخیر سے
بیٹھے رہو جانے کا ارادہ نہ کرو تُم ... ون
اُسکو تھاموں کہ اِسی پاؤں پڑوں کس کِس کے
جان آجاتی ہے تن میں تیری آجانے سے
دم نکلتا ہے جو تو نام سفر لیتا ہے
قالب میں جو ڈھونڈو تو کہیں دم نہیں مِلتا
ثابت ہوا کہ رُوح بدن سے نکل گئی
قسمت مری اُلٹ گئی۔ تقدیر پھر گئی
گویا وُہ اب زمین نہیں آسماں نہیں
غضب خدا کا ہے۔ کافر ترا عتاب نہیں
ایسی رُسوائی سے جینا تجھے درکار نہ تھا
میرا سفر ہے آپ کا عزمِ سفر نہیں ... سحر
کون تعجیل کرے دیکھئے اب جانے میں ... "
تو نظر کے سامنے جبتک ہے مجھ میں ہوش ہے ... آباد
کہ محوِ رنج اِک عالم میں سب محفل کی محفل ہے ... محمود
آفتاب اپنی نظر میں اِک چراغِ شام ہے ... ناسخ
پھر خیال آیا ہے مجھ کو گور کی آغوش کا ... "
ہے ارادہ دل میں مدت سے یہ ٹھہرایا ہوا ... جرأت
جسوقت میرے پاس سے وُہ دلستاں اُٹھا ... "
اب ہم بھی جانیوالے ہیں سامان تو گیا ... داغ

دیارِ محبّت

۱ عید کے دِن بھی نہ دیکھا اُس ہلال ابرو کو آہ
چاند دیکھا ہم نے لیکن مُنہ نہ دیکھا چاند سا

۲ تُم نے کَل عزم سفر کا ہمکو بھیجا تھا پیام
لو سفر۔ یاں آج دُنیا سے ہمارا ہو گیا

۳ آنا یہ ہچکیوں کا مجھے بے سبب نہیں
بھُولے سے اُس نے یاد کیا ہو عجب نہیں

۴ کیسے گِلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

۵ ہم تو پابوس رہے اُس کی قدمبوسی کے
جا لگے قدموں سے لگی یار کے بیہات حنا

۶ تُم نے کیا نہ یاد کبھی بھول کر ہمیں
ہم نے تمہاری یاد میں سب کچھ بھُلا دیا

۷ آپ کو بھولے ہیں لیکن نہیں بھولے تجھ کو
یاد کیا رکھیں جو غافل ہوں تیری یاد سے ہم

۸ وعدے پہ تُم نہ آئے تو کچھ ہم نہ مَر گئے
کہنے کو بات رہ گئی اور دِن گذر گئے

۹ اک دم نہ جُدا ہوتے تھے یا پہروں ہو غائب
کیا اِس کا سبب ہے۔ جو یہ فاصلہ آیا

۱۰ کیا مرتے دم کے لُطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وُہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

۱۱ نہیں روزن جو قصرِ یار میں پروا نہیں ہمکو
نگاہِ شوق رخنہ کرتی ہے دیوارِ آہن میں

۱۲ کیا لے چلے گلی سے تیری ہم کہ جُوں نسیم
آئے تھے سر پہ خاک اُڑانے اُڑا چلے

۱۳ جتنی تھی مجھ کو شکایت مٹ گئی جاتی رہی
وُہ گلے آکر ملے۔ کوئی گِلہ باقی نہیں

۱۴ دے مجکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھ کو مزہ بھی میرے آزار میں آئے

۱۵ میں گیا جب اُسکے گھر ایسی چڑھائی ناک بھوں
ہو نہ ممسک کی یہ صورت رُوئے مہماں دیکھکر

۱۶ تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عُمر بھر
آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

۱۷ بوسہ نہیں نہ دیجئے دشنام ہی سہی
آخر زباں تو رکھتے ہو تم گر دہاں نہیں

۱۸ دھول دھپّہ اُس سراپا ناز کا شیوہ نہ تھا
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشدستی ایک دن

۱۹ مت پُوچھ کہ کیا حال ہے میرا تیرے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا میرے آگے

تم بیزار ہو ہم سے نہ ہم بیزار ہوں تم سے
ظاہر میں دلفریب ہی باطن میں دلخراش
عجب قیمت ہماری ہی کہ جس کی شمع اُلفت سی
خیالِ خواب راحت ہی۔ علاج اس بدگمانی کا
کبھی توفیق اگر بوسہ کی تو اتنا تو کہدیتے
تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہم
ہوا ہیں دل کے لیجانے پہ راضی تیری خاطر سے
نہیں نکل سکتے اسیری سے تیری اے سرو قد
اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گذر گئے
شکایت میں تیری او گل زباں اپنی نہ کھولوں گا
واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
یادم سے نمے کئی وزیادم نمے روی
پس از مدت جو آئی بھی طبیعت تو کہاں آئی
مجھ کو زمانہ بھولا۔ مجھکو زمانہ بھولے
ظاہر سے خوبرویوں کا باطن خلاف تھا
اُن کے آنے سے جو آجاتی ہے مُنہ پر رونق
خنجر نگاہِ قہر کا دھمکا رہا ہے کیا
کس کے آنے کی خبر آئی جو ایسا بیکل اشک
یہ ملاقاتیں کھٹکتی ہیں فلک کی آنکھ میں
وہی ہی مرگ کا باعث جو باعث زندگی کا ہے
یار آتا تھا عیادت کو جو میں بیمار تھا

محبت کا مزہ کیا ہے جب آیا دریا کھڑکا
اچھی طرح سے جان گیا اُس نظر کو میں
چراغِ دل کیا روشن سو ہی داغ آشنائی کا
وُہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے
جو آیا ہے تو خالی مت پھرے دشنام لیتا جا
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مری صیاد کی ہے
کہا کب تھا کہ ساتھ اُسکے مرا آرام لیتا جا
طوقِ قمری کی طرح رکھتے ہیں مادر زاد ہم
پھر پھر گل آچلے پہ صنم تم بھلے گئے
برنگِ بلبلِ تصویر بولا ہوں نہ بولوں گا
ہم کو حریص لذّتِ آزار دیکھکر
عمرت دراز باد فراموش کارِ من
نہ پہنچے خط جہاں۔ موقع نہ پیغامِ زبانی کا
بھولا ہوں جس پہ یارب وُہ بیوفا نہ بھولے
شیریں لبوں کی طرح سے اُنکی زباں نہ تھی
وُہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
یاں سرو فوّرِ یاس سے خود بارِ دوش ہے
پیشقدمی کے لیے آنکھوں سے دوڑا جائے ہے
دیکھنا بھی اُس پری کا مغتنم ہو جائے گا
ہوا وُہ دشمن جانی ہمارا جانِ جاں ہوکر
یہ ہُواحق میں بُرا میرے کہ اچھا ہو گیا

۴۱	تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جُز جفا	پر وُہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا
۴۲	دل میں سودے تھے بہت - پر حضورِ یار	نِکلا نہ ایک حرف بھی میری زُباں سے
۴۳	میری سیدھی بات پر ہوتے ہیں ٹیڑھے ای ظفر	جبکہ ٹیڑھی میں نے کی تقریر سیدھے ہو گئے
۴۴	جبتک کہ میں جیتا ہوں طلبگار ہوں تیرا	تو پیچ بھی ڈالے تو خریدار ہوں تیرا
۴۵	ڈبویا آشنائی نے ہمیں جس کی اُسی ہم نے	نہ دیکھا آشنا - دیکھا تو بس نا آشنا دیکھا
۴۶	محرابِ تیغِ دوست سلامت رہے مُدام	کعبے میں کب میں جا کے پڑھونگا نمازِ عشق
۴۷	رات حیران ہوں کچھ چُپ سی مجھے لگ گئی ہے	دردِ پنہاں تھے بہت پر لبِ اظہار نہ تھا
۴۸	قیامت ہے نہ اے سرمایۂ جاں	نہ ہووے وقت مرنے کے بھی تو پاس
۴۹	جانا ظفر یہ ہم نے کہ اپنے کھلے نصیب	بِن کھوئے اُسکے در کی جو زنجیر کھُل پڑی
۵۰	تیرے ستم سے موت کی خواہش ہمیں ہوئی	ورنہ پیارے دل میں فقط تیری چاہ تھی
۵۱	اُٹھتے ہی پہلو سے تیرے دَم ہُوا دَم میں فنا	موت میری جان کو تیری جُدائی ہو گئی
۵۲	بخش دے اُس بُتِ سفاک کو ای داورِ حشر	خُون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعوٰی کیا
۵۳	دم کی آمد شُد تجھی تک تو ہے دِل میں میری جاں	تو اگر یاں سے گیا تو کون پھر یاں آئیگا
۵۴	نمازیں گر قضا ہوں - پھر اَدا ہوں	نگاہوں کی قضا مشکل اَدا ہو
۵۵	اِک عُمر سے وظیفہ ہے صاحب کے نام کا	ناخن کے خط ہیں انگلیوں کے پُور پُور پر
۵۶	کم محکم شرع سے نہیں ایمائے حُسن بھی	بے جُرم و بے قصور وُہ جلاد ہو گیا
۵۷	اثر ہے جذبِ اُلفت کا تو کھنچکر آہی جائینگے	ہمیں پروا نہیں ہم سے اگر وُہ تن کے بیٹھے ہیں
۵۸	لبریزِ شکوہ تھے ہم - لیکن حضور تیرے	کارِ شکایت اپنا گفتار تک نہ پہنچا
۵۹	انتظارِ سرو قامت میں درختوں کی طرح	میں کھڑا رہتا ہوں پہروں اپنی پاؤں گاڑکر
۶۰	تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے	الٰہی پھر جو دل پر تاک کر مارا تو کیا مارا
۶۱	ہم جان پر بھی کھیل کے جیتے نہ یار سے	ہم نے یہ داؤں پڑھ کے لگایا تھا ہر گیا

ن گئی جان پر اور تُو نے نہ جانا ھرگز

ی تو نے افشاں جو اے مہ جبیں ہے

دنیا پھری۔ نصیب پھری۔ آسماں پھرے

کیا تیرے لعل لب کو خریدے گا جوہری

اثر دیکھا نہیں ہم نے کسی تعویذ میں

بی کو اُس کے چہری کی کیا پہنچے آفتاب

نقش پائے یار پر رکھیے بھلا کیونکر قدم

خواب میں سارے مزے وصل کے ہم لوٹتے ہیں

اے شانہ بل نہ نکلیگا گیسوئے یار کا

کہے ہے خنجر قاتل سے یہ گلو میرا

دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمن جانی

وہ گئے دن جو ہمیشہ مجھ سے سیدھی آنکھ تھی

وائے قسمت وہ ہی کہتے ہیں بُرا

سوز دل از بس طبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں

فاصلہ کوچۂ محبوب کا کیا پوچھتے ہو

خوشی کو آنے دیتی ہے نہ غم کو جانے دیتی ہے

نہیں آتی تو یاد اُن کی مہینوں تک نہیں آتی

آرزوئے زیست بھی یہاں آرزوئے دید ہے

تو بھولنے کی چیز نہیں خوب یاد رکھ

جسکے غم میں ہم کبھی آرام سے واقف نہیں

وہ تو گلے لگا ہوا سوتا تھا خواب میں

ہائے اتنا تو مرے حال سے انجان بنا

ستاروں میں کیا کیا چھپان وچنیں ہے

یارب مگر نہ مجھ سے وہ آرام جاں پھرے — سیم

بیعلنے میں ہی اُس کا دیوالہ نکل گیا

نامۂ جاناں جو آیا۔ جان آئی۔ جان میں

ہی اُس میں اِس میں فرق زمیں آسمان کا

سر سے چلنے کی ہے کوئے یار میں عادت ہمیں

بند آنکھیں ہیں۔ مگر بند کوئی کام نہیں

افعی کی طرح اُس کی کجی ہے سرشت میں

کمی جو مجھ سے کرے تو پیئے لہو میرا

کچھ دل کا لگانا ہی ہمیں راس نہ آیا

جب نہ تب ہیں اب تو پاتا ہوں نگاہِ یار کج

ہم ترے سے ہوئے جن کے لئے

شمع آسا نبض زیرِ استخواں رکھتے ہیں ہم — اعظم

جیسا مشتاق ہو نزدیک بھی ہو دور بھی ہے

درِ دل پر کسی کی یاد بیٹھی پاسباں ہوکر

مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں — حسرت

تُو نہ پیارا ہو تو مجھ کو ہو نہ پیاری زندگی

اے داغ کس طرح تجھے دل سے بھلائیں ہم — داغ

کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں — تمنا

بخت اپنے سو گئے کہ جو بیدار ہو گئے

۸۳ جس سے دل ٹھنڈا تھا پہلے اس سے جی اب سرد ہے
جو دوا سے درد تھی اب وہ ہی جی کا درد ہے

۸۴ رُخسار پر یہ خالِ سیہ بے سبب نہیں
خط پر نہ ہو جو مُہر تو خط معتبر نہیں

۸۵ عشق کا لُطف تو جب ہے کہ مجھے دے ڈالیں
زندگی اپنی خضر۔ بخت سکندر اپنا

۸۶ ہم خاک میں مِلے تو ملے لیکن اے سپہر
اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضُرور تھا

۸۷ سُنے گا کون بھلا حشر میں مری فریاد
وہاں بھی تیری طرف ہونگے سب یہاں کی طرح

۸۸ پہلے نشانہ کرتا وہ بندوق کا مجھے
پر تھا مرے نصیب کا توڑا اُلجھا ہُوا

۸۹ جو کہو گے تُم۔ کہیں گے ہم بھی ہاں یُونہی سہی
یُوں خوشی ہے آپ کی تو مہرباں یُونہی سہی

۹۰ ایک دن ہچکی بھی غُربت میں نہ آئی افسوس
مجھ کو بھولے ہوئے یارانِ وطن بیٹھے ہیں

۹۱ کیوں نہیں دیتا کسیکو تو جواب اے سنگدل
سُن کے جب آواز کو ہوتے نہیں کُہسار چُپ

۹۲ گرہ جو پڑھ گئی رنجش کی وہ مُشکل سے نکلے گی
نہ اُنکے دل سے نکلے گی نہ میرے دل سے نکلیگی

۹۳ یاں لب پہ لاکھ لاکھ سُخن اضطراب میں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

۹۴ جذبۂ عشق جو صادق ہے تو اللہ اللہ
کچّے دھاگے سے چلی آئیگی سرکار بندھی

۹۵ عہدِ یک عُمرِ رفاقت کا بھی ہم پر گُزرا
وُہ جو اک لحظہ تیری یاد کا ہم پر گذرا

۹۶ میں بھی مُنہ میں زُبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو کہ مدّعا کیا ہے

۹۷ زیادہ جان کے جانے سے غم ہے تیری جانے کا
الٰہی جانے سے پہلے۔ مری جانِ حزیں نکلے

۹۸ تُم بھول کر بھی یاد نہیں کرتے ہو غضب
ہم تو تمہاری یاد میں سب کو بُھلا چکے

۹۹ وہ اگر یاد کریں ہم کو تو بھولیں کس کو
ہم اگر ان کو بُھلائیں تو کسے یاد کریں

۱۰۰ دل میں ہزار اس سے ملئے تو گِلا کیا نہ کیجئے میر
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
اُن کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

کیا حبیب کو مجھ سے جُدا افلاک نے اگر
نہ کر سکا مرے دل سے غمِ حبیب جُدا

ہیہم سجُود پائے صنم پر دمِ وداع
مومن خُدا کو بھول گئے اضطراب میں

بعد مرگ ہیں ہم کس کے دوش پر
آداب عاشقی بھی فراموش ہو گئے — سراج

خواب ہونا خواب میں بھی دیکھتے نہیں
بخت اپنے ایسے تیری محبت میں سو گئے — ظفر

ہوش جاتا رہا نہیں۔ لیکن
جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا — میر تقی

زدہ ہے غیروں سے کرتا ہے شکایت میری
میں وہ ہوں بھول کے کرتا نہیں شکوہ تیرا — اختر

خلاف وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
امید یکشنبہ ہے یاس جاوداں کے لئے — مومن

افسوس ہے کہ زندہ ہوں لکھنا پڑا ہی حال
کیا مختصر جواب یہ ہوتا کہ مر گیا

میرا گھر تیرا منزل گاہ ہو ایسے کہاں طالع
خدا جانے کدھر کا چاند آج اے ماہرو نکلا

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا — درد

جو پھرتے ہیں مری آنکھوں میں چھپتے ہیں وہی مجھ سے
جو رہتے ہیں مرے دل میں انہیں کو مجھ سے پردہ ہے

اس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے
واسطے دو دن کے عرش کبریائی مانگتا

خطِ رخسار

حسنِ عارض عارضی تھا کھل گیا
خط کے آنے سے لفافہ کھل گیا

حسنِ خطِ سبز نے کیسا مجھے دھوکا دیا
میں نہ سمجھا کچھ یہ سبزہ سبزۂ بیگانہ تھا

نمودِ خط ہوا حسن و جمال لینے کو
یہ چور گھات میں تھا کب سے مال لینے کو — رند

خط سے رہا نہ حسن رخِ یار کا فروغ
[illegible] نے اس چراغ کے دل کو بجھا دیا — آتش

حسن کے دن بیت جاتے رہے راتیں آئیں
چھا گئی ظلمتِ خط چہرۂ نورانی پر

یہی مضمونِ خط ہے احسن اللہ
کہ حسنِ خوبرویاں عارضی ہے — احسن

خط سمجھ اے دل نہ اس عارض کے ملکِ حسن میں
اتری ہے یہ فوج بہرِ غارتِ گلزارِ عشق — سودا

خط نکلتے ہی چلی رخسارِ جاناں کی بہار
ہو گیا انجام گل کا سبزے کے آغاز سے

۹ رونق نہ رہی غبارِ خط سے مُنہ پر
اس سبز قدم نے خاک اُڑائی آخر

۱۰ آمدِ خط سے دگرگُوں رنگ رُوئے یار ہے
چاہ تھا وُہ جو زنخداں اب ہی رُوزن مور کا — نہ

۱۱ خط کا آغاز ہی اب ہوتے ہیں رُخصت عاشق
ناز اُٹھواؤ گے کس سے کہ یہ مزدُور چلے

۱۲ خط جو نکلا ہی ترے مُنہ پہ پڑی ہی میری آہ
سبز مزرع ہو گیا ہے برق کی تاثیر سے

۱۳ خط نکلنا رُوئے رنگیں پر ہے پیغامِ خزاں
اس گلستاں پر قدم اس سبزے کا منحوس ہے — آتش

۱۴ خط کا آغاز ہوا اُس رُخِ نُورانی پر
چل بسی صُبحِ وطن ۔ شامِ غریباں آئی — ر

۱۵ کہتے ہیں سب دیکھ کر عارض پہ اُس کے خطِ سبز
چھپ گیا ہے طوطیوں کے بال و پر میں آئینہ

۱۶ حُسن نے خطِ غلامی لکھدیا ہے یار کو
گُل سے گالوں پر نہیں یہ سبزی کا آغاز ہے

۱۷ خط سبز اس رُخِ روشن پہ ہے کیا رنگ لایا
دکھاتا چشمۂ خورشیدِ تاباں میں بھی کائی ہی — ظفر

۱۸ اے خط اسکے گورے گورے گالوں پہ تو نے کیا کیا
چاندنی راتیں یکایک ہو گئیں اندھیاریاں

۱۹ آغازِ سبزۂ خطِ رُخسار نے کیا
بے نُور آئینہ ترا د نگار نے کیا

۲۰ نہیں ہے سبزۂ خط عارضِ محبوب پُر فن پر
ہوئے ہیں جمع پروانے یہ اکر شمعِ روشن پر — ناسخ

۲۱ غارت خُدا کرے یہ ترے مُلکِ حُسن کو
ہے فوج خط کے گرد نمُودار بے طرح — تاباں

۲۲ آمدِ خط سے ہوا ہی سرد جو بازارِ دوست
دُودِ شمعِ کُشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست — غالب

۲۳ نموئے سبزۂ نورس نہیں اُس رُوئے رنگیں پر
حِنابِ خضر پھر سیر ہی گُلزار میں آئے

۲۴ سبزۂ خط نہیں چہرے پہ ہوا اُس کے نمُود
کعبے سے نکلا ہے کفار کا لشکر باہر — زر

۲۵ رُخسارِ یار پر نہیں آغازِ خط ابھی
دیکھا نہیں ان آنکھوں نے سُورج گہن ہنوز

۲۶ جس کے خط اترے تو اُس سے دل لگانا ہے عبث
سیر کو وقتِ خزاں گلشن میں جانا ہی عبث

۲۷ سبزۂ خط کو دکھا کر گل رُخسار نہ کھینچ
پھول کیواسطے کانٹوں میں مجھے یار نہ کھینچ

۲۸ مدّت کے بعد خط سے یہ ظاہر ہوا کہ عشق
تیری طرف سے حُسن کے دل میں غُبار تھا

۲۹ سبزہ ہے گردِ عارضِ گلگوں تو عیب کیا
گلدستے باندھے جاتے ہیں اکثر گیاہ سے

صاف تھا جبتک کہ خط تب تک جواب صاف تھا
۳۱ قریبِ خط کا نکلنا ہُوا سو خط موقوف
۳۲ لعل لب خط کے نکلنے سے ہُوا ہے آب
۳۳ خط نے غرورِ حُسن کو کھویا ہے مہرباں
۳۴ جو خط نکلا تو حُسنِ عارضِ رنگیں ہُوا دُونا
۳۵ نہیں خطِ سیاہ یہ مُصحفِ رُخسارِ جاناں پر
۳۶ خطِ عارض کو اس کے دیکھکر یہ دھیان آتا ہے
۳۷ خط سے دُونی ہوگئی اُس کے دہن کی آب و تاب
۳۸ غُبارِ خط سے وہ انداز و نازِ حُسن کہاں
۳۹ خط کے آنے کی خبر تھی روئے رنگیں پر کسے
۴۰ چہرے پہ خط ہوا ہے بہ رنگِ سپرِ سیاہ
۴۱ سبزۂ خط سے ہوئے تیرے حواشی رُوپوش
۴۲ خط کے آنے سے ہوا معلوم جانا حُسن کا
۴۳ جوابِ نامہ بھی لکھتے نہ تھے جب خط نہ نکلا تھا
۴۴ خط کی نمود چہرے پر معلوم ہوگئی
۴۵ بعد خط آنے کے تھا اس سے وفا کا احتمال
۴۶ خط اُسکے روئے صاف پہ نِکلا غضب ہُوا
۴۷ خط کہاں آغاز ہے پشتِ لبِ دیدار پر
۴۸ کشورِ دل کو کیا غارت خطِ شبرنگ نے
۴۹ غُرورِ حُسن کم ہوتا نہیں کچھ خط کے آنے سی
۵۰ خط کی خوبی ترے عارض پہ یہ کہتی ہے کہ مو

اِتو خط آنے لگا شاید کہ خط آنے لگا
غبار دُور ہو کیں طلور میرے دلبر کا
خِضر آیا تو ہُوا چشمۂ حیواں خالی — ناسخ
مجبور ہو گئے ہیں قضا و قدر سے آپ — آتش
بہار آئی تمہارے باغ میں صاحب خزاں ہوکر — سحر
یدِ قدرت نے دیکھو حاشیہ لکھا ہے قرآں پر — فصاحت
دیارِ حُسن میں اُترا ہُوا ہے کارواں کوئی — امیر
خِضر کے فیضِ قدم سے آبِ حیواں بڑھ گیا — ناسخ
نمودِ گرد ہے باقی۔ مگر سپاہ نہیں — آتش
کیا سمجھتا تھا میں خارستاں چمن ہو جائے گا — ،،
بس اب تو اپنے ناز کی تلوار توڑ دے — ناسخ
کرتی ہے حاشیوں کو جدولِ زنگار جُدا — ،،
تو خطوں نے اب نکالا پیش خیمہ حُسن کا — درد
زوالِ حُسن ہے شائد جواب پیغام کرتے ہیں — رند
قاصد نے جب کہا کہ یہ خط کی رسید ہے — برکت
لیک واں تک عُمر نے اپنی وفاداری نہ کی — قائم
مانندِ ماہ داغ لگا آفتاب میں — امیر
ہیں جنابِ خِضر آئے عیسیٰ مریم کے پاس — ذوق
گردِ لشکر ہیں جسے سمجھا تھا لشکر ہوگیا — آتش
کہ یہ سب مورچے بھی سلیماں جاہ ہوتے ہیں — درد
رونقِ ملکِ سلیماں نہ ہوا تھا۔ سو ہوا — سودا

۵۱ حسن تھا تیرا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اِک عالم رہا

۵۲ پھول کانٹے ہو گئے خط آ گیا رُخسار پر
رونقِ گلزار عارض حسنِ جاناں پھیلا

۵۳ نمایاں سبزۂ خط کب ہے گردِ عارضِ جاناں
اثرِ افسونگرو پھیلا ہے زہر مارِ گیسو کا

۵۴ بھاتا ہے نہایت دل کو خط رُخسارِ جاناں کا
گھسیٹے گا مجھے کانٹوں میں سبزہ اس گلستاں کا

۵۵ ہوا جو بن فزوں خطِ سیہ سے روئے جاناں کا
پڑھا اس آبنوسی رحل سے حسن اور قرآں کا

۵۶ خط کی جب آمد ہوئی جاتا رہیگا سب غرور
ہے عبث رُخسار کی تم کو صفائی پر گھمنڈ

۵۷ خط نکلنے سے نہ کیوں کم ہو بہارِ عارض
پھول کمُلاتے ہیں جب دورِ خزاں آتا ہے

۵۸ سبزۂ خط ہو گیا سبزا ایسا کس طرح
بوند پانی کی ترے چاہِ زنخداں میں نہیں

۵۹ لبِ جاں بخشِ جاناں پر ہوا آغاز سبزے کا
نہیں معلوم کائی جم چلی ہے آبِ کوثر میں

۶۰ سبزۂ خط گورے گالوں پر نمایاں ہو گیا
یاسمن زار صاف دیکھو سنبلستاں ہو گیا

۶۱ سبزۂ خط میں ہے اُن کے لبِ لعلیں کی نمود
پھول لالہ کا کھلا ہے یہ ہرے دانوں میں

خط آ کے دگنی تاب ہوئی رُخ کی تاب میں
سورۃ بڑھی یہ اور خدا کی کتاب میں

نزاکت

۱ نازکی دیکھو کہ رکھتا ہے قدم جب خاک پر
تارِ بخیہ کو سمجھتا ہے وہ سوزن زیرِ پا

۲ نزاکت اُس گلِ رعنا کی دیکھئے اِنشا
نسیمِ صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

۳ نازک بدن چنانکہ اگر بگذرد بہ آب
پائے چو بر حباب نہد آبلہ شود

۴ نازکی ختم ہے اُن پہ جو یہ فرماتے ہیں
فرشِ مخمل پہ مرے پاؤں چھلے جاتے ہیں

۵ نازک ہے نہ پوچھو اُڑ نگا تصویر میں اُس کی
چہرہ نہ کہیں عکس کے بدلے اُتر آئے

۶ نازکی ایسی کہ جھک جاتی ہے گردن ناز سے
جس گھڑی پڑتی ہے اُسکے کان کی بالی کی جھونک

۷ نازک اندامی میں کیا نسبت کسی کو یار سے
بدھیاں پڑتی ہیں اُس گل کے بدن پر خار سے

۸ یوں نزاکت سے ہے بھاری سُرمہ چشمِ یار پر
جسطرح سے رات بھاری ہو کسی بیمار پر

یوں نظر آتا ہے صاف اسکے تنِ نازک میں یوں — جس طرح مینائے بلوریں میں ہو احمر شراب

کیا نزاکت ہے جو توڑا شاخِ گل سے کوئی پھول — آتشِ گل سے پڑے چھالے تمہارے ہاتھ میں

کمر لچکی تو وہ گل ہنس کے بولا — بکھرا تھا پھولوں سے دامن ہمارا — [illegible]

لبِ نازک اُس کا کیونکر کہو بارِ حرف اُٹھائے — کہ جو صدمہ زِ تبسم سے بھی ہے کبود ہوا — ذوق

اللہ رے نازکی کہ حیا بار ہو گئی — گل مجھ کو آنکھ اُٹھا کے بھی دیکھا نہ یار نے

تلوار نزاکت سے وہاں کھنچ نہیں سکتی — اٹکا ہے یہاں نعرۂ تکبیر گلے میں

باد کے جھونکے کے لگنے سے ہیں نیلے ہوتے — نازکی ختم ہے اُن پھول سے رُخساروں پر

چلنے کے ارادے سے لچک جاتی ہے اے درد — کیا ذکر ہے اس شوخ کی نازک کمری کا — درد

تیرے ہونٹوں کی کبودی سے ہوا ثابت مجھے — رنگ مسی کا ترے نازک بدن پر بار ہے

اس قدر سرمہ ہوا اس کو نزاکت سے گراں — کہ سلائی نہ پھری بارِ دِگر آنکھوں میں — ناسخ

تپ نہ جانو اے طبیبو نازکی نے کر دیئے — آتشِ رنگِ حنا سے دست و پائے یار گرم

دل کو اپنے کر دیا نازک مزاجی نے حباب — کاہ کا سایہ بھی ہم پر کوہ سے سنگیں ہوا

کیا نزاکت ہے کہ بوئے عطر سے ہے بد دماغ — رنگ مہندی کا کفِ نازک بدن پر بار ہے

ہاتھ ڈالے تھی گلے میں۔ اُن کے ہم نے خواب میں — کیا نزاکت ہے نشانِ طوقِ گردن بن گیا — داغ

کیا نزاکت ہے ہوئی دستِ حنائی سوسنی — ہاتھ میں اس گل کے سنگیں اس قدر گل ہو گیا — آباد

نازکی سے ہوا قاتل مری حالت کا شریک — یاں لگا زخم تو واں درد اُٹھا شانے میں — ناسخ

خراماں ہوئے وہ تو بولی نزاکت — کہ مجھ سے نہ سنبھلے گا دامن کسی کا — اسیر

یار سا نازک کوئی کب ہے ریاضِ دہر میں — بوجھ سے دردِ سر ہوا پہنا جو جامہ صندلی — امانت

نازک اندامی کروں کیا اس کی اے سودا بیان — شمع ساں جسکے بدن پر ہو پسینے کا خراش — سودا

پڑ جائیں نزاکت سے نہ ہاتھوں میں کہیں نیل — کل ڈالا کرو مہندی کو باندھا نہ کرو تم — رند

اللہ رے نازکی کہ وہ کہتے ہیں ہر گھڑی — زلفوں کے بوجھ سے مری تھمتی کمر نہیں — سعید

۲۰ پہنچا ہے نازکی کا یہ رتبہ کہ یار نے
پہنیں جو چوڑیاں تو کلائی اُتر گئی

۲۱ نزاکت سے کمر دوہری ہوئی باقی ہو چلنے میں
وبالِ دوش ہے اُس نازنیں کو بارِ کاکل کا

بیوفائی بتاں

۱ رکھتے نہیں ہیں رسمِ محبت سے آگہی
راہِ وفا طریقِ حسیناں سے دُور ہے

۲ آزما دیکھا ہر اک کو ہم نے شہرِ حُسن میں
کوئی بھی پابند آئینِ وفاداری نہیں

۳ ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

۴ اِس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا
چھوڑا وفا کو اُس نے مروت کو کیا ہوا

۵ کس سے نباہیے کہ سوائے وفات کے
دنیا میں ہائے نام وفا کا نہیں رہا

۶ بیوفائی کا اگر عیب نہ ہوتا تم میں
اے بتو سجدہ خُدا کو نہ مسلمان کرتے

۷ عروسِ دہر سے بُوئے وفا نہیں آتی
بھلا میں مکر کا اس کے ازالہ کیا کرتا

۸ ڈھونڈا مگر مِلا نہ عنقا صفت وفا
آیا ہوں ساری دُنیا کو میں دیکھ بھال کے

۹ بیوفائی کا نہیں کچھ سحر شکوہ یار سے
حق یہ ہے معشوق کوئی باوفا ہوتا نہیں

۱۰ جو مر بھی جاؤں نہ کیجو مری وفات کا ذکر
وفا کے نام سے چڑھتا ہے بیوفا میرا

۱۱ خوبرُو ہو کے باوفا ہووے
میں نہ مانوں اگر خُدا ہووے

۱۲ پُوچھ مت راہِ وفا اس نگہِ پُرفن سے
رہنمائی کی نرکھ چشم دلا رہزن سے

۱۳ جو چلن چاہیں چلیں آتش بتانِ بیوفا
حُسن جب پیدا ہوئے سب عیب پنہاں ہو گئے

۱۴ سلب کر لے یا الٰہی آسماں کا اختیار
جب کسی معشوق سے عہدِ وفا ہونے لگے

۱۵ اے وَلی اُس بیوفا کی مہربانی پر نہ بھول
دل کا دشمن ہے مگر کرتا ہے باتیں پیار کی

۱۶ گفتم زِ مہرورزاں رسمِ وفا بیاموز
گفتا ز ماہرویاں ایں کار کمتر آید

۱۷ واں رسمِ وفا مشکل یاں ترکِ وفا مشکل
جو ہو نہ سکا مجھ سے کب اُن سے ادا ہوگا

پھل کچھ آ بے نخل وفا تجھ میں نہیں
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ
یسی وفا۔ کہاں کی محبت کدھر کی مہر
سکو کہتا ہے جہاں آ گئے خدا کا نام ہے
ال تھا مجھے معلوم آشنائی کا
ہر میں نقش وفا وجہ تسلّی نہ ہوا
لفت کی کیا امید وہ ایسا ہے بیوفا
ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا
نئے آباد کہنا۔ دل نہ اسکو دیجئے
شوق سے امیدِ وفا رکھتے ہو ناسخ
ظر آتا ہے چشمہ حسن کا بے فیض اے ناسخ
گئے پر بھی تغافل ہی رہا آنے میں
ی امیدِ وفا پر مت لگاؤ اس سے دل
فا کی چھینٹ بھی تجھ پہ پڑی ہرگز نہ اے ظالم
دلاسا نہ تسلّی۔ نہ تشفّی۔ نہ وفا
یں شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تری ہرگز
قع مہربانی کی نہ رکھ صاحب جمالوں سے
رو پایا نہ کوئی با وفا
اف آئینہ سے ہیں تیغ سے خونریز یہ لوگ
ل دید ہے ہرچند صفا سے وہ رُخ
رتا نہیں ہے یا تو مجھی سے کوئی دغا

جو لگا بیر گانٹ تجھے پچھتا ئیگا
ہاں قسم ہم کو آشنائی کی
واقف ہی تو نہیں ہے کہ ہوتا ہے پیار کیا
اے صنم وہ تیرے وعدہ کی وفا کا نام ہے
ملال دل کو نہیں تیری بیوفائی کا — عمو
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا — غالب
صحبت ہزار سال رہے کچھ اثر نہ ہو — امیر
ہرچند اُس کے پاس دلِ حق شناس ہے — غالب
سچ یہ ہے معشوق کوئی باوفا ہوتا نہیں — آباد
ناداں کوئی دُنیا میں نہیں تم سے زیادہ — ناسخ
کسی کو بھی پلا پانی نہ اِس چاہِ زنخداں کا — 〃
بیوفا پوچھے ہے کیا دیر ہے مرجانے میں — ذوق
ہوگئی اک مجھ سے نادانی علیٰ ہذا القیاس — حاجی
لگا تھا خون دامن سے سو وہ بھی آپ دھو بیٹھے — درد
دوستی اُس بُتِ بدخو سے نبا ہیں کیونکر — داغ
گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو — درد
دغا پائیگا او دل اب بھی باز آ ان خیالوں سے — رند
ہم نے دُنیا پھر کے ساری دیکھ لی — سحر
اِن حسینوں میں غرض جوہر فولاد ہیں سب — آتش
آئینہ تھا جو مروّت کا بھی جوہر ہوتا
یا اب کہیں جہان میں مذاقِ وفا نہیں — عاشق

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا
ہر چند اُس کے پاس دلِ حق شناس ہے

بے وفا جانے کیا وفا میری
باوفا ہو تو وہ وفا جانے

مانا کہ تو حسین ہے لیکن وفا کہاں
تجھ سا جو میں نہیں ہوں تو مجھ سا بھی تو نہیں

خُدا کے واسطے اے صاحبو کہو تو سہی
کہ رسمِ مہر و وفا بھی کچھ اس جہان میں ہے

دل دیا ہم نے ہے اُس مہر و وفا کو اپنا
کہ پڑا جس پہ نہیں مہر و وفا کا سایہ

کیوں وفا کی تُم سے جو ایسی بلاؤں میں پھنسے
ہم کیے کو اپنے ہیں اے بیوفا پکڑے گئے

بیوفائی پر ترے جی ہے فدا
قہر ہوتا جو باوفا ہوتا

حُسن ہے پر خوبرویوں میں وفا کی بُو نہیں
پھول ہیں یہ سب پر ان پھولوں میں ہرگز بُو نہیں

بازارِ جہاں میں کوئی خواہاں نہیں تیرا
لیجائیں کہاں تجھے اے جنسِ وفا ہم

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وُہ بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ تیرے خط کا غلط بردار ہے

ہوا ہے اور نہ ہوویگا کوئی پیدا خُدائی میں
وفا میں کوئی مجھ سا اور تجھ سا بیوفائی میں

۵۰ بیوفائی شیوۂ محبوب میدانیم ما
نیست خوباں را وفائے خوب میدانیم ما

۵۱ سنگیں دل ست آنکہ بظاہر ملائم است
پنہاں درونِ پنبہ نگر پنبہ دانہ را

۵۲ چھوڑوں وفا جو میں تو بنیں وہ وفا پسند
ہم کو ہے وہ پسند جو ہے ان کو ناپسند

۵۳ کُچھ بیوفائیوں کا تمہارے گلہ نہیں
دِلدار ہے وُہ کونسا جو بیوفا نہیں

۵۴ جو ایسا ہو تو آئینِ وفا قانونِ عالم ہو
جو میرا بس چلے تو میں بتوں کو مہرباں کر لوں

۵۵ آئینہ رُو تمام فقط دیکھنے کے ہیں
اُمّید ہے وفا کی بتا اِن حسیں سے کب

۵۶ حُسن ہے خوبوئیں لیکن کچھ وفاداری نہیں
جوں گُلِ کاغذ کہ جس میں بُو نہیں ہے رنگ ہے

۵۷ مٹے تابِ تواں دل خون ہو کر آنکھ سے ٹپکے
کہ آئینِ وفا ہے سعیٔ بیجا اصل حسینوں میں

۵۸ کوئی معشوق وفادار نہ اصلا پایا
وُہ بُرا نکلا۔ بظاہر جسے اچھا پایا

۵۹ ان سے بڑھکر نہ جہاں میں کوئی ہوتا ہرگز
عاشقوں سے جو وفا کرتے حسیں تھوڑی سی

اُمیدِ وفا وفا بُتوں سے
اے مردِ خدا خدا کر
حُوفا

ہو وفا جسمیں وہ معشوق کہاں سے لاؤں
ہے یہ مشکل کہ حسین ہو ستم ایجاد نہ ہو
ریاض

نہیں بازارِ اُلفت میں کہیں جنسِ وفاداری
متاعِ حُسن ارزاں ہی یہاں ہر اک کانوں میں
رند

وہ کہتے ہیں وفائیں لاکھ ہیچ حُسن پر قُرباں
ضرورت کیا مجھے میں کیا کرونگا با وفا ہو کر
احسان

حسینوں کا بھی یہ انداز عالم سے نرالا ہے
جفاکاری کا شیوہ ہے وفاداری کا دعویٰ ہے
روشن

جواناں خُوب رُخسار و لطیف اند
ولیکن در وفا یا کس نپایند
سعدی

نکُو رُویانِ جہاں گرچہ در حدِ حُسن است
زحدے بُرد شیوۂ بیوفائی
حافظ

مجھے اُمیدِ وفا کی مری نادانی ہے
دِل ہے لوہے کا تو پتھر کا کلیجہ تیرا
نفیس

خط

قاصد کے آتے آتے خط ایک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھینگے جواب میں
غالب

کُھل گیا مضمون شکستِ دل کا بے خط کے پڑھے
نامہ بر کا اس قدر اپنے شکستہ حال ہے
—

جواب اُسنے نہ بھیجا اور ہم نے خط لکھے اتنے
کہ مُہریں کرتے کرتے مٹ گیا نقش اپنے خاتم کا
ناسخ

ایسا نہ ہو کہ آتے ہی آتے جواب خط
قاصد جوابِ زندگیٔ مستعار دے
ذوق

خط کو ہم لکھنے جو بیٹھے آنکھ سے اُمڈے یہ اشک
بہہ گیا خط لکھتے لکھتے مُشفقِ من آپ میں

خط میں کیا لکھا ہے قاصد کو خبر کیا اس کی
پوچھتا ہے مجھے انعام ملیگا کہ نہیں

عُدو آیا ہے بنکر نامہ بر ۔ لکھا نصیبوں کا
کرینگے لیکے خط کیا ۔ مدعی سے مدعا سمجھے

خط دے کے دل میں تھا کہ زبانی بھی کچھ کہے
پر اُس نے رکھ دیا دہنِ نامہ بر پہ ہاتھ

خط کی نہ مجھے قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دست نگر خود ہوں وہ کیا دست نگر ہے
مومن

خط وہ بجو بیچھے یار کے ہاتھوں میں نامہ بر
پہلے سوال کیجیو خط کے جواب کا
آتش

کیا جواب آئے کہ کثرت سے خطوں کے میرے
کیمیا یاب سیاہی بنی ۔ عنقا کاغذ

۱۲ خط کے لانے میں اگر پیکِ صبا نے دیر کی
ہے غضب آنے میں کیوں پیکِ قضا نے دیر کی — ناسخ

۱۳ خط لے کے گیا جو وُہ کبوتر نہیں پلٹا
کیا ذکر کبوتر کا ہے اِک پَر نہیں ملتا

۱۴ خط کبوتر کس طرح لے جائے بامِ یار پر
پَر کترنے کو لگی ہیں قینچیاں دیوار پر

۱۵ پڑھ کے خط اُس بیوفا نے جو نہ کہنا تھا کہا
آنکھ کر سکتا نہیں میں نامہ بَر کے سامنے

۱۶ انتظارِ خط نے قاصد کیں مری آنکھیں سفید
سادہ کاغذ بھیجدے۔ تحریر کی حاجت نہیں

۱۷ قلم اتنے ہوئے فرسودہ شوقِ خط کے لکھنے میں
کہ کلکوں سے نیستاں کے نیستاں ہوگئے خالی

۱۸ سخت کمبختی ہوئی یہ بھی نصیبوں کا لکھا
غیر کو خط نامہ بر نے بیخبر دکھلا دیا

۱۹ وہ ایک خط بھی نہ لکھیگا۔ ہم عبث قاصد
وفورِ شوق سے دفتر سیاہ کرتے ہیں

۲۰ لکھوں میں سرنامہ پہ گر نام اپنا قاصدا
خط بھی گُم ہو ایسی ہے تاثیر میرے نام کی

۲۱ پہچانتا ہوں خُوب نہ کر جعلسازیاں
یہ خط تو میرے یار کا اے نامہ بر نہیں

۲۲ مدّت ہوئی کہ زیست سے مجھ کو ملا جواب
لیکن ہے آرزو ابھی خط کے جواب کی — ناسخ

۲۳ خشک غم سے ہو گیا میرا بدن مثلِ قلم
خط کے جواز سال میں اُس بیوفا نے دیر کی

۲۴ ہے گراں مکتوب تو کاتب سُبک ہے قاصدا
پھینک خط لیجل ہمارا جسم لاغر ہاتھ میں

۲۵ پائے قاصد پھرتے پھرتے گھس گئے مثلِ قدم
خط وُہ لیتا ہی نہیں کیا فائدہ تحریر سے — ناسخ

۲۶ بھیجنا خط کا کیا اُس بُت نے ترک
اب خدایا موت کا پیغام بھیج

۲۷ میں لکھا ہی خط تو قاصد پہ یہ ہوگا مجھ پہ احساں
انہیں پاؤں پھر کے تو آ۔ جو ملے جواب اُلٹا

۲۸ خط میرے حق میں وحیِ خدائے قدیر ہے
قاصد ہے اُس حبیب کا رُوح الامیں مجھے

۲۹ خط پڑھ کے اور بھی وُہ ہوا پیچ و تاب میں
کیا جانے لکھدیا اُسے کیا پیچ و تاب میں — ذوق

۳۰ یہ چاہتا ہے شوق کہ قاصد بجائے مہر
آنکھ اپنی ہو لفافۂ خط پر لگی ہوئی

۳۱ لگے گی دیر لفافہ کے چاک کرنے میں
زبانی مطلبِ خط نامہ بر بیاں کردے

۳۲ غربت میں کس طرح نہ پریشاں ہوں میں غریب
اِک عُمر ہو گئی نہیں آیا ہے گھر سے خط

٣٣ خط نہ لکھا یار نے اچھا کیا ۔ تھا ناگوار | ہاتھ سے قاصد کے آنا اُس کی دستاویز کا — آتش

٣٤ لگی ہے دیر بُہت نامہ بر کے پھرنے میں | وُہ خود ہی آتے ہیں خط کے جواب کے بدلے — ”

٣٥ راستہ دیکھیں جواب خط کا تاب اتنی کہاں | جاتے ہیں ہم اپنا پیغامِ زبانی لے کے آپ — شوق

٣٦ جواب خط میں نہ پُرزہ کبھی لکھا اُس نے | اور اُلٹے پُرزے اڑائے سفیروں کے — ناسخ

٣٧ قاصد کے ہاتھ چوم لئے میں نے لیکے خط | یہ اک طرح کا بوسۂ پیغام ہو گیا — داغ

٣٨ ہیں تھام یوں جگر کو بہت ہی ہے بے قرار | قاصد ٹھہر نہ کھول ابھی تو کمر سے خط — امیر

٣٩ ہو لئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ | یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا — غالب

٤٠ خط تو اس کو بھیجتے ہیں ہم مگر یہ سوچ ہے | وہ جواب اس کا نہیں تحریر دیکھیں کیا کریں

٤١ شکر ہے کچھ کچھ مزاجِ یار آیا راہ پر | نامہ بر آنے لگا خط کا جواب آنے لگا

٤٢ کس اشتیاق سے میں نے لکھا تھا خط قاصد | دیا بغیر پڑھے اُس نے چیر پھاڑ کے پھینک

٤٣ دونو کا ایک حال ہے یہ مدّعا ہو کاش | وُہ ہی خط اس کو بھیجدیا کیوں جواب ہیں

٤٤ خط اس کا وصل کی دولت کا ہی پیغام اے قاصد | لگا قسمت سے نسخہ ہاتھ یہ اکسیرِ اعظم کا

٤٥ خط دے کے کیہو اب کی زبانی یہ نامہ بر | تحریر کا جواب نہ تقدیر کا جواب

٤٦ خط اس کو دے بھی دیا جو قاصد نے ذوقؔ دیکر کسی کا دھوکا

٤٧ وُہ خط نہ پہچان لیں گے میرا میری عبارت نہ دیکھ لینگے — ذوق

٤٨ خط لکھیں گے گرچہ مطلب کُچھ نہ ہو | ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے — غالب

٤٩ خط اُسے اتنے لکھے میں نے کہ واں بہرِ جواب | کاغذ بدل گیا نہ ہو خط کی رسید کا — داغ

٥٠ نوشتہ میری قسمت کا کہاں سے اُنکے ہاتھ آیا | کہ جو کچھ خط میں لکھا ہے مری قسمت کا لکھا ہے — رسا

٥١ غُربت نے نام اہلِ وطن کے بُھلا دیئے | بھیجوں کسے میں لکھ کے الٰہی سفر سے خط — امیر

٥٢ اُسنے خط بھیجا جو مجھ کو ڈاک پر ڈاکہ پڑا | یار کیا کرتا ۔ نہ تھا میرے مقدر کا جواب — ”

٥٣ خط لکھا تھا میں نے میرے ہاتھ کرنے تھے قلم | نامہ بر میرا سزاوارِ سزا کیونکر ہوا — ”

۵۴ قاصد مرے سوال کا کوئی نہیں جواب
کاغذ بدل گیا نہ ہو خط کی رسید کا

۵۵ خط کو کمر سے باندھا آخر تو بوجھ اُٹھایا
میری زبان بھی رکھ لے اے نامہ بر زمیں میں

۵۶ پھینک دو خط لکھ کے قاصد سے جو تم بیزار ہو
اُڑ کے آئیگا جو ہے میرے مقدر کا جواب

۵۷ بے وجہ چھپایا نہیں قاصد نے خط اُن کا
ایسا نہ ہو کمبخت کی مٹھی میں قضا ہو

۵۸ زندگی کیا جب نہ آئے خطِ یار
کھینچ دے گردن پہ اسے جلاد خط

۵۹ کیا غم وہاں سے گر نہیں پھرتا پیامبر
ہم آپ لینے جائینگے خط کے جواب کو

۶۰ اجازت دو ذرا خواب گراں چار پائیں ہیں
جواب خط لئے قاصد کھڑا ہے میرے مدفن پر

۶۱ قاصد کے ہاتھ آتے سو رشک آئیگا مجھے
لکھا ہے میں نے خط میں نہ لکھنا جواب کو

۶۲ آنکھیں تمام صورتِ کاغذ ہوئیں سفید
مدت سے ہم ترستے ہیں قاصد جواب کو

۶۳ دیکھئے کب تک جواب خط سے آنکھیں شاد ہوں
رستہ دیکھا نہیں قاصد بھٹکتا جائیگا

۶۴ اپنی سلامتی کا دوگانہ ادا کرے
خط دے کے نامہ بر نہ ہو سائل جواب کا

۶۵ آنکھیں برنگِ نقشِ قدم ہو گئیں سفید
اس سے زیادہ خاک کروں انتظارِ خط

۶۶ ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

۶۷ خط کا میرے جواب نہ اُس نے لکھا ظفر
کیا سرنوشت کی مرے تحریر پھر گئی

۶۸ ناخواندہ خطِ شوق کیا مسترد اُس نے
نامے ہی میں مطلب مرے نامے کا رہا بند

۶۹ لکھتا ہوں فرطِ شوق میں میں یار بار خط
لکھتا نہیں ہے ایک مجھے وہ نگار خط

۷۰ رہ گئی دل ہی میں اپنی حسرتِ اظہارِ شوق
لکھ کے خط جب ہمنے ڈھونڈھا نامہ بر کوئی نہ تھا

۷۱ دیتا ہوں اُجرتیں دل انعام میں لیجا قاصد
لائے ہو خط اس کا کیا خیرات میرے پاس تم

۷۲ جواب خط نہ لائے دونوں آخر روزِ حشر آیا
الٰہی اب لڑوں قاصد سے یا جھگڑوں کبوتر سے

۷۳ فوراً تڑپ کے حرف ہیں ہر حرف سے جدا
لکھدوں جو خط میں حال کبھی اضطراب کا

۷۴ خط کسی کا جب سے آیا ہے میں ہوں اس شغل میں
گاہ پڑھنے کو اُٹھایا۔ گاہ پڑھ کر رکھدیا

ہم منتظر کہ لائے وہاں سے جواب خط ... بھیجا ہے نامہ بر نے خط اپنی رسید کا — امیر
رہتا ہوں انتظار میں کوئی بشر تو بھیج ... خط بھیج یا نہ بھیج - زبانی خبر تو بھیج — ذوق
قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مری ... خط دیا لیکن نہ بتلایا نشاں کوئی دوست — آتش
پھر نہ در مجھ کو وحشت لکھوں خط پہ خط میں انکو ... انہیں ضد کہ ایک خط کا بھی اس کو نہ دوں جواب
میرا خط اُس نے پڑھا۔ پڑھ کے نامہ بر سے کہا ... یہی جواب ہے اس کا کہ کچھ جواب نہیں — میر
خط لیکے نہ اُس سے جو مرے نامہ بر آئے ... یہاں شرم سے آئے نہیں اور اپنے گھر آئے — تیغ
خط اُنسے بے پڑھے قاصد سنائیں سینکڑوں باتیں ... جو پڑھ لیتا کہیں خط تو خدا جانے وہ کیا کہتا — امیر
اتنے خط بھیجے ہیں لکھ لکھ کر کہ ہیں یکدست شل ... نامہ بر کے پاؤں مجھ خستہ جگر کی انگلیاں — افضل
ہوا ہرگز نہ خبطِ شوق کا ساماں درست ... سیاہی ہو گئی نایاب اگر ہم نے قلم پایا — آتش
خط کے لفافہ میں ہے دلِ غمزدہ کا حال ... پڑھ لو اسے۔ تو پوچھو گے مجھ سے نہ پھر سوال
دیتا دلِ مضطر کو تری کچھ تو نشانی ... پر خط بھی ترے ہاتھ کا لکھا نہیں آتا — ذوق
مدت ہوئی ہمیں ہے واں سے جوابِ مطلق ... دفتر گئے روانہ۔ لکھ لکھ۔ لکھا لکھا کر — امیر

دردِ سر و صندل

دردِ سر کے واسطے ہر چند صندل ہے مفید ... پر مگر اسکا لگانا اور گھسنا دردِ سر یہ بھی تو ہے
دردِ سر سے نہیں کم گھس کے لگانا صندل ... درد کا نام اطبّا نے دوا رکھا ہے — سحر
ہے صندل مبارک تیری پیشانی کو او کافر ... یہاں پتھر ہوئے بہرِ علاج دردِ سر پیدا
ہے بہ از صندل اگر ہاتھ آئے خاکِ پائے یار ... سر پٹکتا ہوں دوائے دردِ سر ملتی نہیں
حقیقت میں اُسے منظورِ خاطر یاں نہ آنا تھا ... فقط حیلہ تھا دردِ سر کا صندل کا بہانہ تھا — رند
تیغِ قاتل شاخِ صندل سے اثر میں کم نہیں ... سر کٹیگا۔ دُور میرا دردِ سر ہو جائے گا
تیشہ میں دستہ لگا تھا چوبِ صندل کا مگر ... لگتے ہی اُس کے فنا تھا دردِ سر فرہاد کا

۸ صندل کی جستجو ہے عبث فائدہ ہے کیا ۔ اک دردِ سر میں اور جو ہو دردِ سر

۹ غیر ممکن ہے کہ بے صندل لگائے دور ہو ۔ دردِ سر کی بھی دوا ہے دردِ سر لتی نہیں

۱۰ درد سر کے واسطے صندل نہ رگڑا جائیگا ۔ ہو سکے آتش نہ جو وہ دردِ سر کیونکر

۱۱ دوا بھی ہجر میں اب ناموافق ہے طبیعت سے ۔ چھوا ہی دردِ سر دونا اگر صندل لگایا

۱۲ دردِ سر الفت کا بعد از مرگ بھی ہوگا ضرور ۔ گور میں رکھ دیکھو صندل رگڑ کر سر کے

۱۳ صندل کو مول لیکر کس کی بلا رگڑتی ۔ میں دردِ سر کی خاطر یہ دردِ سر نہ کر

۱۴ صدمے پر صدمے اٹھائے دردِ سر کے عمر بھر ۔ پر کبھی آلودۂ صندل نہ پیشانی ہو

۱۵ میں نے صندل کی طرح ماتھے کو رگڑا تا صبح ۔ دردِ سر کا جو کیا اس نے بہانہ شب وصل

۱۶ پری لاتی ہے صندل گھس کے مجھ دیوانے کی خاطر ۔ جو سر میں درد ہوتا ہے کبھی زنجیر کے غل

۱۷ نالۂ رشک نہ ہو باعث دردِ سر مرگ ۔ نیمہ کے سر پہ لگاتا ہے وہ صندل گھس کے

۱۸ صندلی رنگوں سے ماتا دل ہلا ۔ دردِ سر کی کس کے ماتھے جائیگی

۱۹ ایذا ہے مجھے راحت معشوق کی خاطر ۔ صندل میں رگڑتا ہوں پئے دردِ سر

۲۰ نکلے ہے صبح ہی یاں صندل ملے جبیں کو ۔ عالم میں کام کس کا ہے دردِ سر بنی

۲۱ عشق پیدا کر کبھی کچھ حسن و خوبی کی نہیں ۔ سودۂ صندل ہے تیری دردِ سر کا

۲۲ دردِ سر میں سر ٹپکنا ہے دوائے عندلیب ۔ شاخ گلبن چوب صندل ہو برائے عندلیب

۲۳ یار اگر عیسیٰ بنے ۔ بیمار ہو جاؤں ابھی ۔ وہ اگر صندل لگائے ۔ دردِ سر پیدا کرو

۲۴ ہوں وہ بیمار کہ نفرت ہے دوا سے مجھ کو ۔ دردِ سر ہو جو میرے سامنے صندل

۲۵ صندل سمجھ کے رگڑوں سر اسکے آستاں پر ۔ بے چین کر رہا ہے بہت دردِ سر

۲۶ وہ مست ہوں خمار سے جب دردِ سر ہوا ۔ صندل لگایا میں نے رگڑ کر شراب

۲۷ ہوگا دل مائل کسی کی صندلی پوشاک پر ۔ بے طرح پھر ان دنوں کچھ دردِ سر پیدا

۲۸ علاج دردِ سر صندل ہے لیکن ۔ ہمیں گھستا ہی اس کا دردِ سر

صندل سے عرق آیا جبین یار پر
دردِ سر جاتا رہا - دردِ جگر ہونے لگا — شہیدی

انی پہ صندل جو لگاتا ہوں پئے درد
کہتے ہیں کر دُور بھی اس دردِ سری کو — غریب

سری ہو کسے صندل لگانے کا دماغ
اس کا اک گھسنا لگانا دردِ سر یہ بھی تو ہے — معروف

ورتِ آبادِ جہاں کے حسن کا شیدا نہ ہو
صندل اس بتخانے میں ملتا ہے دردِ سر کے ساتھ — آتش

ں رنگِ صندلی کا ہوں بیمار اے طبیب
اچھا جو ہو دوا سے یہ وہ دردِ سر نہیں — سحر

ردِ سر عاشقِ بیدل کا ابھی ہو کافور
صندلی اوڑھ کے نکلو جو دوپٹہ سر پر — علی

ردِ سر اور بڑھا اپنا - جو اُس قاتل نے
دردِ سر میں کبھی صندل جو لگایا سر پہ — مروت

وتا ہے دردِ سر اُسے صندل کے نام سے
کتنا ضعیف ہے ترے بیمار کا دماغ — رشک

مے و میکشی

سجد میں بلاتا ہے مجھے زاہدِ نافہم
ہوتا جو اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے — امیر

یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجئے
زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں — انشا

اس انجمن میں غمِ دو جہاں نہیں آتا
جس انجمن میں مئے خوشگوار آتی ہے — خلیل

بہار آنے پہ سب لیتے ہیں رستہ باغ و صحرا کا
جو کچھ بھی ہوش رکھتا ہے سوئے میخانہ آتا ہے

کھولیں گے لات مار کے ہم میکدے کا در
پاپوش اپنی کام کرے گی کلید کا — ہیر

مے سے پرہیز شیخ! تو یہ کر
اک یہی چیز تو ہے پینے کی — تپش

مے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے — غالب

چل میکدے میں شیخ بسر کر یہ صیام
مسجد میں تنگ بیٹھتا ہے کیوں اعتکاف سے — ناظم

وہ مست ہوں جو میکدے میں رند جاویں
تعظیم سرو قد مری اوٹھ کر سبو کریں — منیر

غم غلط دونوں جہاں کا ایک پیالے میں ہے
زندگی کا گر مزہ پوچھو تو میخانے میں ہے

رہا آباد عالم اہلِ ہمت کے نہ ہونے سے
بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے — غالب

۱۲ جسطرح توڑتے ہیں شیشۂ مے کو پتھر — شیشۂ مے نے یونہیں روزہ ہمارا توڑا

۱۳ جھک جھک کے شیشہ ملتے ہیں ہنس ہنس کے جام — یہ میکدہ مقام نہیں ہے غرور کا

۱۴ دھوکا نہ کھا نظر دفت وضو کو تو دیکھکر — مسجد ہی میفروش کی۔ ناسخ دوکاں نہیں

۱۵ میں وہ میکش ہوں کہ اللہ سے کہتا ہوں یہی — مے سلامت رہے ایمان رہے یا نہ رہے

۱۶ یہی گردور دورہ میکشی کا ہے زمانے ہیں — تو کعبہ سے کہیں بڑھ جائیگی توقیر میخانہ

۱۷ جو پلینے دیگانہ مے محتسب۔ تو یہ میخوار — رہیں گے اسکے لہو کے پیاسے۔ خواہ کچھ ہی ہو

۱۸ گر میکدے میں عید منائی تو کیا ہوا — ایسا ہی شیخ تیرا دوگانہ قضا ہوا

۱۹ میکشوں سے ترکِ مے ممکن نہیں برسات میں — پانی بھر آتا ہے منہ میں ابرِ باراں دیکھکر

۲۰ بزمِ مے میں کچھ نہیں معلوم ہوتا کوئی غم — بارِ سنگیں جیسے ہوجاتا ہے ہلکا آب میں

۲۱ میکشو ہر چیز سے رتبہ میں اعلیٰ ہے شراب — کیا ہوا انکار ہے گر زاہدِ ناپاک کو

۲۲ مری زندگی ہے مے لالہ گوں سے — سیبِ زیست کا جسطرح سے لہو ہے

۲۳ یہ کیا باعث جو تم نے ترک کی اے بحر میخواری — کسی واعظ نے کیا چھینٹا دیا کوثر کے پانی کا

۲۴ بے کیمیائے مستی۔ تبدیلِ غم محال است — بلے مے حلال فرما۔ یا غم حرام گرداں

۲۵ مے کہاں روز ہے پیتے ہیں گاہے گاہے — وہ بھی تھوڑی سی مزہ منہ کا بدلنے کیلئے

۲۶ شرابِ کہنہ سے آلودہ یوں ہوتے ہیں ہم میکش — عروسِ نو سے قربت جسطرح داماد کرتے ہیں

۲۷ سرخ رہتی ہیں مری آنکھیں لہو پینے سے شیخ — مے اگر ثابت ہو مجھ پر واجب التعزیر ہوں

۲۸ سچ تو کہہ کس میکدے میں آج سودا پی ہے مے — دیکھکر مستی کو تیری۔ ہوگئے ہشیار مست

۲۹ اب تو نہ بند کر رہ میخانہ محتسب — نکلا ہے چاند عید کا سوئے سما، تو دیکھ

۳۰ میکدہ میں نشہ کی عینک دکھاتی ہے مجھے — آسماں مست و زمیں مست و در و دیوار مست

۳۱ حافظا ایں مے پرستی تا بہ کے — مے ز تو بیزار۔ مستاں نیز ہم

۳۲ خوفِ خالق ہے وگرنہ محتسب کیا مال ہے — خانۂ قاضی میں جا کر کیجئے میخواریاں

محتسب عقل جو رکھتا ہے تو میخانے نہ جا ‏ ‏ شیشہ و جام مے ہوش ربا رکھتے ہیں

وہ مست ہوں کہ ساغر مے جیب میں پا گیا ‏ ‏ اک بار یا غفور کہا اور چڑھا گیا

طاق نسیاں پہ نہ رکھا کبھی پیمانے کو ‏ ‏ جب چلے ہم سوئے مسجد گئے میخانے کو ‏ ‏ بحر

سدا ملا یک تسبیح خواں کو آئے رشک ‏ ‏ جو میکدے میں سنے شور ہائے ہو میرا

مر گیا کیا ناسخ میکش۔ جو سارے میفروش ‏ ‏ مسجدوں میں نہ بیٹھے ہیں وہ اپنی دکاں چھوڑ کر ‏ ‏ ناسخ

ہم بڑی چیز سمجھتے تھے پہ میخانے میں ‏ ‏ نکلا اک جام کی قیمت بھی نہ ایماں اپنا ‏ ‏ شہرت

میکشو سیدھے وہ مسجد کو نہ جائیں کیا کریں ‏ ‏ جو کہ ناواقف ہیں راہ خانۂ خمار سے ‏ ‏ ناسخ

توبہ میخانے میں ناصح کی کہاں گنجائش ‏ ‏ ایک محدود سی دنیا ہے گنہگاروں کی ‏ ‏ سیاح

قاضی شہر ہو۔ یا شیخ حرم۔ کوئی ہو ‏ ‏ جو نہ ہو مست نکالو اسے میخانے سے ‏ ‏ امیر

میکدے میں ایک پگڑی کل ہوئی تھی رہن بے ‏ ‏ ذوق وہ تیری ہی دستار فضیلت تو ہو ‏ ‏ ذوق

قاضی و محتسب شہر سدا رہے حج کو ‏ ‏ میکشو۔ خوب پیو۔ خلق کے دربان گئے ‏ ‏ امیر

ہم جانتے ہیں لطف تقاضائے میفروش ‏ ‏ وہ نقد میں کہاں جو مزہ ہے ادھار میں کہاں

برسائی مے بہار میں ابر بہار نے ‏ ‏ مجھ کو پلائی رحمت پروردگار نے ‏ ‏ سیم

گر یار مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیئے ‏ ‏ زاہد نہیں ہیں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں ‏ ‏ انشا

بادہ کشی کے لیئے تھے رونق اگر مزے ‏ ‏ ملنا تھا میکدے میں کسی پاکباز سے ‏ ‏ رونق دہلوی

اس انجمن میں غم دو جہاں نہیں آتا ‏ ‏ جس انجمن میں مے خوشگوار آتی ہے ‏ ‏ آشفتہ

میکشی نے رنگ و روغن پیر کا چمکا دیا ‏ ‏ لوگ سمجھے ذکر حق سے شکل نورانی ہوئی

ساقی ہے شب ماہ ہے پی جام پیا پے ‏ ‏ کچھ پرسش محشر کا نہ کر خوف و خطر آج ‏ ‏ سحر

لکھدو ساقی سے کہ حاضر ہو لیئے کشتے مے ‏ ‏ بادہ خواری کا ارادہ ہے لب جو اپنا ‏ ‏ رند

کعبے سے آکر شیخ حرم نام نہ لے پھر جانے کا ‏ ‏ آؤ بھگت میخانے میں زاہد اتنی ہوتی ہے ‏ ‏ ریاض

زنگار رو آج خوب چلو میکدے کو ذوق ‏ ‏ چھوڑو کہیں وظیفہ بہت بڑبڑا چکے ‏ ‏ ذوق

۵۴ میخانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہاں شیخ — دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر اُٹھائے

۵۵ نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے — سو اک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں

۵۶ گر صفائے قلب چاہے میکشی کر اختیار — واسطے آئینۂ دل کے ہے روشنگر شراب

۵۷ واعظ ناکس کی باتوں پہ کوئی جاتا ہی تیر — آؤ میخانے چلو۔ تم کس کے کہنے پر گئے

۵۸ میکدے کو چھوڑ۔ کعبے کون جائے زاہدا — وہ بھی اک فرض ضروری ہے ادا ہو جائیگا

۵۹ کبھی کی پی ہوئی کام آئی آج حشر کے دن — خدا کے سامنے میخوار سُرخ رُو آئے

۶۰ آؤ میخانے چلو۔ ارشد عبادت ہو چکی — اب بھی سمجھو کیا دھرا اس سعیٔ لاحاصل میں ہے

۶۱ ہوں وہ میکش۔ محتسب ہُوں میں۔ تو پہلے حکم دوں

۶۲ دودھ کے بدلے پلاوے طفل کو مادر شراب

۶۳ گو ہاتھوں میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے — رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

۶۴ سرِّ خدا کہ عارفِ سالک بہ کس نہ گفت — در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

۶۵ ابر اور جوشِ گل ہے چل خانقاہ سے صوفی — ہے لطف میکدے میں دہ چند اس ہوا کا

۶۶ طلب میں سلطنتِ جم کی نہ صبح و شام کرتا ہوں — درِ میخانہ پر جا کر سوالِ جام کرتا ہوں

۶۷ سماں ہے فقر و غنا۔ بیخودی و مستی کا — ہے خانقاہ کا منظر شراب خانے میں

۶۸ پلائے یار تو مے پی لے۔ پاسِ شرع نہ کر — بنے صنم سے اگر شوق سے خدا سے بگاڑ

۶۹ بہار آتے ہی دونو ہاتھ اپنے کام کے نکلے — رہا اک جامِ مے پر دوسرا مینا کی گردن پر

۷۰ قیدِ مذہب ہے نہ پابندیٔ ارکانِ نماز — غم غلط ہوتا ہے کس لطف سے میخانوں میں

۷۱ بے موسمی کا شغل تھا۔ اپنی نماز بھی — فصلِ بہار آگئی مے نوش ہو گئے

۷۲ فاش ہوتے ہیں کمالِ عشق میں اسرارِ عشق — جوشِ مستی میں نہیں ممکن کہ ہو میخوار چپ

۷۳ یہ وصف خاص مئے خوشگوار میں دیکھا — خوشی میں یار بھی ہے غم میں غمگسار بھی ہے

۷۴ حُور ہو ساقی مرا کیونکر ہے مے مجھ پر حرام — واعظا کرتا ہے کیا باتیں تو ایماں چھوڑ کر

ساقیا کیوں آج میخانہ کا دروازہ ہے بند
کل تلک تو یہ سنی کے در کی صورت باز تھا — [illegible]

پی مے بیٹھ کے مسجد میں نہ کر اے واعظ
ایسی شے ہے کہ قیامت پہ اٹھا رکھی ہے — امیر

فکر کونین کی رہتی نہیں میخواروں میں
غم غلط ہو گیا جب بیٹھ گئے یاروں میں

میخانہ ہے یاں کوتاہ دستی میں ہر محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھائے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے — شاد

ہوں وہ میکش مفلسی میں بھی نہ چھوٹی میکشی
رہن دو پیالوں میں ہم نے عوض کوثر رکھ دیا

کیا جانے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ
ساقی وظیفہ بند نہ کر بادہ خوار کا

رہنے چاہیئے اے شیخ کہ جنت میں شراب
دفعتہً تم جو پیو گے تمہیں اچھو ہوگا

یہ وہ شے ہے کلام اللہ میں آیا ہے ذکر اس کا
بھلا کیا آپ جانیں شیخ صاحب مے کی حرمت کو

واعظا مسجد سے اب جاتے ہیں میخانے کو ہم
پھینک کر ظرف وضو لیتے ہیں پیمانے کو ہم — ناسخ

میکدہ چھوڑ کے جنت کی طرف جائے امیر
چڑھ کے منبر پہ یہ کی خوب عدالت واعظ — امیر

بیٹھا ہے اعتکاف میں کیا داغ روزہ دار
اے کاش میکدے کو یہ مرد خدا چلے — داغ

زاہد صد سالہ آیا میکدے میں بھول کر
لا شراب کہنہ ساقی اس پرانے کے لئے — 〃

سودا سے وقت نزع تھا کلمے کا انتظار
جنبش لبوں کی دیکھی تو کرتا تھا جام جام — سودا

قلزم غم میں کدوئے مے مجھے درکار ہے
پیشتر تونبی کی حاجت ہوتی ہے پیراک کو — ناسخ

چمن دہر کو ہم ڈھونڈھ پھرے مثل نسیم
غیر جام مے گلگوں گل بے خار نہیں — 〃

فوج غم بھاگ چلے شیشۂ مے لا ساقی
لشکر ارنے کی طبل ظفر کی آواز — 〃

گر کبھی چکھیگا زاہد لذت کیف شراب
مول لیگا کاسۂ مے بیچکر دستار کو — آباد

زیست کا باعث ہے ساقی تو پلائے جا شراب
قطرۂ مے سے نہ میرا حلق دم بھر خشک ہو — 〃

کس توقع پر بھلا اس میکدے میں ہم رہیں
لب نہ تر ہووے اگر سارا سمندر خشک ہو — آتش

ہیں وہ میکش ہوں چمن میں جس کی صورت دیکھکر
آب ہو جاتا ہے شیرہ دانۂ انگور کا — 〃

۹۶ ہم میکشوں کو غم نہیں مرنے کا محتسب
فردوس میں بھی سُنتے ہیں نہر شراب ہے

۹۷ غم غلط ہوتا ہے غمگیں کا سُرورِ بادہ سے
خُونِ دل پینا پڑے مجھ کو نہ ہووے گر شراب

۹۸ پی کے مے اِن واعظوں سے عذر خواہی کیا کروں
بُوئے مے آتی ہے ہونٹوں سے الٰہی کیا کروں

۹۹ مسجد ایسی بھری بھری کب ہے
میکدہ اِک جہان ہے گویا۔

۱۰۰ مقرّر وقت پر ہیں کام سارے
مزا دیتی ہے مے کالی گھٹا میں

۱۰۱ میرے نشے کے جو انجام سے خطرہ تھا اُنہیں
مے مجھے نا پینے دی خُود مرے پیمانے نے

۱۰۲ تیرہ و تار دُھواں دھار گھٹا آتی ہے
میکشو فصلِ مے ہوش رُبا آتی ہے

۱۰۳ ہو گئی شام تیری باتوں میں واعظ تو یہ
کیا بجا۔ دیکھ کہیں بند نہ میخانہ ہو

۱۰۴ رہینگے کس جگہ میکش زمیں جنّت میں تھوڑی ہے
لبِ کوثر بنایا ہے کوئی یا رب مکاں تو نے

۱۰۵ جو میکدے بھی گئے ہم تو کیا گناہ کیا
نہ ہوشیار گئے تھے نہ ہوشیار آئے

ساقی

۱ کہاں سے لاؤں صبرِ حضرتِ ایوبؑ اے ساقی
خُم آئیگا۔ صُراحی آئیگی تب جام آئے گا

۲ ساقی جو دیئے جائے یہ کہکر کہ پیئے جا
تو میں بھی پیئے جاؤں یہ کہکر کہ دیئے جا

۳ ابر کی کیفیتیں خالی ہمیں بھاتی نہیں
بادۂ گلگوں سے شیشہ رکھدے ساقی بھر کے پاس

۴ کیا جانے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ
ساقی وظیفہ بند نہ کر بادہ خوار کا

۵ اے ہوش تجھ کو آنے سے میں روکتا نہیں
ساقی کو تیرے آنے کی لیکن خبر نہ ہو

۶ نہ کر تو بخل ساقی۔ دیکھ تو دریا دلی میری
کہ جنّت کا مکاں اور چھوڑتا ہوں ایک ساغر میں

۷ پلائے آشکارا ہم کو۔ کس کی ساقیا چوری
خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری

ساغرِ مے سے ہمیں پھیر سمجھ کر ساقی
ہاتھ مت کھینچ کہ ہم طبعِ رواں رکھتے ہیں

ساقی گری کی شرم کرو آج۔ ورنہ ہم
ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جسقدر ملے

ساقی لگا دے رکھ میرے منہ سے خُم شراب
دریائے مے کی مچھلی ہی میری زباں نہیں

مے پلا ایسی کہ ساقی دور رہے ہوش مجھے
ایک ساغر میں دو عالم ہوں فراموش مجھے — رند

دور سے آئے تھے ساقی سُن کے میخانے کو ہم
بس ترستے ہی چلے افسوس پیمانے کو ہم

مجھے کیوں قطرہ قطرہ دے کے ترساتا ہے ای ساقی
یہاں تک بھر پیالہ کہ مے گلگوں چھلک نکلے

بہار آئی ہے بھر دے بادۂ گلگوں سے پیمانہ
رہے لاکھوں برس ساقی تیرا آباد میخانہ

کوئی آفت تیرے اس میخانے پہ آسکتی ہے؟
سب دُعا گو ہیں یہ جتنے ہیں شرابی ساقی — رند

برق چشمک زن ہے ساقی - ابر ہے چھایا ہوا
جامِ مے تو دے کدھر جاتا ہے مچلایا ہوا — انشا

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگا دیں آگ میخانے کو ہم

بحرِ غم سے پار اوتاریگی ہمیں کشتیٔ مے
بادباں ابر اور ساقی ناخُدا ہو جائیگا

ساقیا تعریف تیری میکدے کی کیا کروں
ساتھ کیفیت کے تھا لبریز جو پیمانہ تھا

ہوش جب تک مجھے رہتا ہے یہی کہتا ہوں
ساقیا اتنی پلا مے کہ مجھے کر بیہوش

پر لگ گئے ہیں نشہ کے عالم میں ساقیا
مے نے اُڑا دیا ہے کہیں کا کہیں مجھے — رند

دُور ہو ساقی مرا - کیونکر ہے مے مجھ پر حرام
واعظا کرتا ہے کیا باتیں تو ایماں چھوڑ کر

کشتیٔ مے نے لگایا پار بیڑا ساقیا
مدتوں دریائے غم میں ہم نے مارے ہاتھ پاؤں — ناسخ

برق چشمک زن ہے ساقی - ابر ہے آیا ہوا
جام مے تو دے - کدھر جاتا ہے مچلایا ہوا — انشا

ساقی گئی بہار رہی دل میں یہ ہوس
تو منتوں سے جام دے اور میں کہوں کہ بس — سودا

جب شۓ عشرت سے لایا رنگ دورِ بیخودی
ہوش میرے دیکھ کر ساقی نے ساغر رکھ دیا

کبھو خوش بھی کیا ہے دِل کسی رندِ شرابی کا
بھڑا دے مُنہ سے مُنہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

ساقی میرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر
لب تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہ گیا

شتابی میکدہ میں آ کہیں - تجھ بن تو ای ساقی
پڑا ہے جام بے کیفیت و مخمور ہے شیشہ

۳۰ پڑتی ہے آنکھ جب مری مینا و جام پر — سو سو درود پڑھتا ہوں ساقی کے نام پر

۳۱ دے نہ تکلیف تو ساقی مجھے میخانے کی — لائقِ انجمنِ عیش پہ ناشاد نہیں

۳۲ سلطنت کرتے ہیں ساقی لوٹ کر رندوں کا مال — بادہ خواروں کی بدولت میکدے آباد ہیں

۳۳ نہ دُنیا کی خبر ہی کچھ۔ نہ دیں کا ہوش ہی سر میں — بُھلا یا دو جہاں کو تو نے ساقی ایک ساغر میں

۳۴ کرم سے تیرے سیرِ عالمِ آبِ ابر میں دیکھوں — رواں کر جلد ساقی کشتیِ مے آبِ باراں میں

۳۵ کشتئ صہبائے گلگوں کا ہے ساقی ناخُدا — فصلِ گُل میں میکشوں کے آج بیڑے پار ہیں

۳۶ چشمِ میگونِ صنم کا ہو جو کوئی شیفتہ — تو ہی اَے ساقی بتا وُہ مست کیا ہشیار ہو

۳۷ جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وُہ شئے لا — لگا کے برف میں ساقی صراحیِ مے لا

۳۸ شراب ابر میں کیونکر پئیں نہ اے ساقی — ترے کرم سا ہے ہمکو شفیقِ حال دیا

۳۹ خدا کیواسطے لا کشتیِ مے جلد اَے ساقی — ترشح ہو رہا ہے کچھ ہوا ہے سرد ساحل کی

۴۰ ساقی ہے یک تبسمِ گُل فرصتِ بہار — ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں

۴۱ پلا دے اُوک میں ساقی جو ہم سے نفرت ہے — پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

۴۲ صبح بہار ہے مجھے ساقی پلا شراب — سب جانتے ہیں عید کا روزہ حرام ہے

۴۳ ساقی ہے مے ہے آمدِ فصلِ بہار ہے — بیہوش ہے وُہ آج جو ہشیار رہ گیا

۴۴ کل کیا ہے گر آج نہ خِسّت شراب میں — یہ سُوءِ ظن ہے ساقئ کوثر کے باب میں

۴۵ وہ پلا دے آج تو ساقی جو سب سے تیز ہو — ہو پیالہ عمر کا ساغر اگر لبریز ہو

۴۶ پلا دے بادہ کشوں کو۔ اُٹھا نہ رکھ ساقی — صراحی میں کئی ساغر شراب باقی ہے

۴۷ ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

۴۸ نہ دینا بادہ پرزُور ساقی تجھ کو کہتا ہوں — نہیں کچھ مُنہ سے جاویگا نکل بے اختیاری میں

۴۹ دیر کر رکھی ہے کیا ساقی پلا بھی دے شراب — کیسی ہے چھائی ہوئی اودی گھٹا برسات کی

۵۰ بہار آئی ہے ساقی غم رہے باقی نہ اب کل کا — کہانی کوئی ساغر کی فسانہ کوئی بوتل کا

بچتے ہوے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے — غالب

اس طرف بھی جام لا۔ ہاں اس طرف بھی جام لا
کیوں ہوا اے ساقی آتا تک پی لیا کرتا ہوں میں — پیم

بہار آئی ہو سائل ساغرِ مے کا ہوں ساقی سے
چمن سرسبز ہو آتش کرم ہے ابرِ باراں کا — آتش

کہیں ساقی نہ ہو جائے قضا وقت نماز اپنا
ذرا جلدی مجھے اک جام دینا میں وضو کر لوں

حشر تک جی ہی میں بیہوش رہوں اے ساقی
کاش مے بھر دے مرے عمر کے پیمانے میں — ناسخ

ساقی پہونچ کہ تجھ بن اس ابرِ بہار میں
پڑتے نہیں تگرگ پرستی میں گولیاں — ۔۔۔

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو۔ ابر کو۔ گل کو۔ چمن کو۔ صحنِ بستاں کو

شیشہ مجھ دل سا نہ پایا اور تری آنکھوں سا جام
گر کرے ساقی ہزاروں سال میخانے کی غرض

آنکھو نہیں تا کہ نشۂ وحدت کا ہو طلوع
ساقی مئے مغانہ سے بھر دے میرا ایاغ

ساقی کمال پیاس سے جلتا ہے یاں جگر
لا جلد برف میں مئے احمر لگی ہوئی — امیر

دے جسکو اپنے ہاتھ سے تو ایک جام مے
ساقی دیئے خدا نے اُسے مثلِ جم نصیب — ذوق

ساقی لڑائیوں سے تری چاہتا ہے جی
یا ہم لڑا کے شیشہ و ساغر کو توڑ دوں

ساقی بغیر شب جو پیا آب آتشیں
شعلہ وہ ٹپکے میرے دہن سے نکل گیا — آتش

ساقی ہو شب ماہ ہے پی جام پیا پے
کچھ پرسشِ محشر کا نہ کر خوف و خطر آج — سحر

کیا ہووے دو چار قدح سے مجھے ساقی
میں لوں گا۔ ترے سر کی قسم اور زیادہ

کہاں تلک کہوں ساقی کو لا شراب تو دے
نہ دے شراب ڈبو کر کوئی کباب تو دے

گستاخیوں کو میری کرنا معاف پہلے
تب میرے سامنے تو ساقی شراب رکھنا — میرحسن

مے کی صراحی ایسی لا برف میں لگا کر
جسکے دھوئیں سے ہووے ساقی دماغ ٹھنڈا — انشا

نہیں قلقل دُعا دیتا ہے شیشہ دمبدم ساقی
سبو کو خم کو۔ مے کو۔ میکدے کو۔ مے پرستاں کو

ساقی زُلال و دُرد جو توفیق ہو سو دے
مستوں کو تیرے ہوش کہاں امتیاز کا

ساقیا خالی نہ رکھ جامِ زمرّد فام کو
سبزۂ صحنِ چمن کس کس روش لہرائے ہے — جرأت

۷۲ ساقی ہوں تیس روز سے مشتاق دید کا
دکھلا دے جامِ مے میں مجھے چاندِ عید کا

۷۳ مست رکھتی ہے تیری گردشِ چشم اے ساقی
وہ نہیں ہم کہ جو تجھ سے طلبِ جام کریں

۷۴ کافی تھی بہرِ مستی۔ ساقی کی مہربانی
دینا جو دُرد بھی تو شکرِ زلال کرتے

۷۵ زباں واعظ کی بہکی۔ لڑکھڑایا۔ پاؤں زاہد کا
نگاہِ نازِ ساقی میں عجب عالم کی مستی ہے

۷۶ دینے میں جام کے ہے تامل کا کیا سبب
ساقی شراب سے ہیں تو ابے بھرے ہوئے

۷۷ بادۂ گلگوں کے شیشہ کا ہوں سائل ساقیا
ساتھ کیفیت کے اُڑتا مجھکو گھوڑا چاہیئے

۷۸ مجھ مست کو بہار میں ہے آرزو یہی
دریا دلی سے ساقی کے تیروں شراب میں

۷۹ لگا کے برف میں ساقی صراحیٔ مے لا
جگر کی آگ بجھے جلد جس سے وہ شے لا

۸۰ الٰہی کب کی عداوت تھی دل میں ساقی کے
اوٹھا لیا جو صبُو۔ بوند بھر پلا کے مجھے

۸۱ وہ آرہا ہے عصا ٹیکتا ہوا واعظ
بہا دے اتنی کہ ساقی کہیں نہ تھاہ ملے

۸۲ پلا ساقی کہ موجِ بیخودی سر سے گذر جائے
خطِ ساغر کو غرقابی کا اپنی میں نشاں کر لوں

۸۳ دیدے تو میری جوانی تیرے صدقے ساقی
ہے وہی تیرے چھلکتے ہوئے پیمانے میں

۸۴ ہے یہ ساقی کی کرامت کہ نہیں جام کے پاؤں
اور پھر بزم میں سب نے اُسے چلتا دیکھا

۸۵ ابر است و نو بہار و زمینے شگفتہ
ساقی تو ہم پیا بہ جبینے شگفتہ

۸۶ شراب جام میں دی تو نے۔ ساقیا یا زہر
کسے دماغ ہے اس کا کہ امتیاز کرے

۸۷ نگاہِ لطف ساقی ہم بھی ہیں امیدواروں میں
اُتر جائیں نہ تیرے دل سے یادِ رفتگاں ہو کر

۸۸ ساقی گزک کی کچھ نہیں حاجت شراب دے
ہم دل جلوں میں آپ مزہ ہے کباب کا

۸۹ حریفِ جوششِ دریا نہیں خودداریٔ ساحل
جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

۹۰ میکشی موقوف جام و شیشہ رکھ بالائے طاق
رنگِ محفل ساقیا۔ نوعِ دگر ہونے لگا

۹۱ ضرور چاہیئے مستوں میں اک نہ اک ہوشیار
وگرنہ کون ہے ساقی سنبھال لینے کو

۹۲ چاندنی کا سیر ہے اور بادۂ گلرنگ ہے
گر نہیں ساقی تو کس کافر کو بھاتی ہے بہار

مجھے سنبھال - میں ہوتا ہوں ساقیا بیہوش
ے پلا دے پاے خم سے یا سبو یا جام سے
ساقیا دو گھونٹ میں لب تا جگر تر ہو گیا
چشم ساقی دیکھکر سرشار آنکھیں ہو گئیں
ہر نشین رہِ میخانہ ہوں میں کیا جانوں
ساقی نے مست جامِ حقیقت پیتا دیا
نہیں ہے فیض سے محروم کوئی ساقی کے
پھر رحمتِ باری سے نہیں دور کہ ساقی
دے جام پہ گر جام پیا پے مجھے ساقی
ساقی کی نگاہوں نے مرے ہوش اڑائے
ابر کی کیفیتیں خالی ہمیں بھاتی نہیں
لا ساقیا شراب نہیں ابر گو نہ ہو
مے گلگوں کی بو سے بسکہ میخانہ مہکتا تھا
مستی میں چھیڑ دیر کو کیسے چلا تھا میں
روزہ میں رہ سکیں گے ہم بے شراب کیونکر
اپنے آرام کو اِس باغ جہاں میں ساقی
میکش مفلس ہوں پہلے مجھ کو دے ساقی شراب
سنا ہے آج میخانے میں جام مے پیا مستوں نے
تو اگر خود دار ہے منتِ کشِ ساقی نہ ہو
زاندازہ بیروں تشنہ ام ساقی بیار آں آب را [ریا]

وہ چشم مست نظر آ رہی ہے ساغر میں
لاکھوں امیدیں ہیں ساقی تیری فیضِ عام سے
ایک چلو اور میں قربان تجھ پر ہو گیا
لیے پیئے اللہ رے میخوار آنکھیں ہو گئیں — غ
رسمِ مسجد کے تئیں شیخ نہ آیہ نہ گیا — میر
آنکھیں ملا کے مجھ کو خدا سے ملا دیا
کسی کے جام نصیبوں میں ہیں کسی کے گھونٹ — ظفر
رو دیں جو ذرا مست تو مے ابر سے برسے — ذوق
میں بس نہ کہوں منہ سے کہے جاؤ کہ ہاں اور — ظفر
آنکھوں سے دیا جام مے بے خبری کا — آتش
بادۂ گلگوں سے شیشہ رکھدے ساقی بھر کے پاس — ظفر
سمجھیں گے دودِ دل کو فلک پر سحاب ہم — ظفر
لبِ ساغر پہ منہ رکھ رکھ کے ہر شیشہ بہکتا تھا — میر
لغزش بڑی ہوئی تھی ولیکن سنبھل گیا — ״
گذریگا اتقا میں عہدِ شباب کیونکر — ״
خوب مستوں نے تیرے تاک کا تاکا سایہ — ظفر
دل بہت ہوتا ہے تھوڑا امردِ بے مقدور کا — امیر
لٹا یا دین و دنیا دونوں ہمت اسکو کہتے ہیں
عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر — اقبال
دلِ مرا سیراب کن آنگہ بدہ اصحاب را — حافظ

دخترِ رز

۱ اس ابر میں۔ پاؤں میں کہاں دُخترِ رز کو — رہتی ہے مدام اتو وُہ بدذات کہیں اور

۲ نہ شیشوں میں آدھی رہی دُخترِ رز — اے شیخ جی کی نظر کھا گئی

۳ دخترِ رز کو جھانک کر شیشے میں اے زاہد نہ دیکھ
چُھپ کے تجھ سے اِک دُولہن بیٹھی ہے شرمائی ہوئی

۴ ملی ہے دُخترِ رز لڑ جھگڑ کے قاضی سے — جہاد کرکے جو عورت ملے حرام نہیں

۵ اے ذوقؔ دیکھ دخترِ رز کو نہ منہ لگا — چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

۶ دخترِ رز سے ہمارا باندھ دے گر تو نکاح — خوب کھلوائینگے اے مُلّا تجھے شکرانہ آج

۷ محتسب ہم نے تو دی تھی دخترِ رز کو طلاق — پر تری ضد سے اُسے ساتھ اپنے پھر منسوبکی

۸ کہا زاہد نے مجھے دخترِ رز گھر میں نہ رکھ — پاک زنہار نہیں رکھتی ہے یہ زن دامن

۹ شوق سے داماد بنیئے پیرِ مغاں کرتے قبول — خوبصورت سی اگر ہوتی کوئی دخترِ شراب

۱۰ اُس کی بیٹی نے اُٹھا رکھی ہے دُنیا سر پر — اچھا ہوا انگور کے بیٹا نہ ہوا

۱۱ بختِ یاور نے دیا انگور سا فرزند اُسے — خانداں کا فخر اپنے سلسلہ میں تاک ہے

۱۲ سوئے میخانہ چلو آج کہ سنتے ہیں جلیلؔ — دُخترِ رز شیشے میں اُتری ہے پری رُو ہو کر

۱۳ شادی ہے دُخترِ رز سے کسی دیر پرست کی — تو یہ کے گھر میں بجتی ہے نوبت شکست کی

۱۴ دخترِ رز کے لئے ہوتا ہی اک دن کُشت و خُوں — محتسب پر کھینچتے ہیں آجکل تلوار مست

۱۵ واعظ دبی زبان سے کرتا تھا ذکرِ حُور — اتنا لحاظ دُخترِ رز کا ضرور ہے

۱۶ دیکھ سوداؔ کو مُغاں آپس میں کہہ اُٹھتے ہیں لوگ — دخترِ رز کے لئے پھرتا ہے میخوار۔ خوار

۱۷ ملنے کی دُخترِ رز کی نوکھائی تھی میں قسم — زاہد نے بیچ پڑ کے اُسے پھیر دھو دیا

۱۸ ہم جوانوں کو نہ چھوڑا اس سے سب بگڑے گرے — یہ دو سالہ دخترِ رز کس قدر شاہ ہے

...شک ہے کچھ لگاؤ جو کرتا ہے یہ گریز
...پیام کیونکر مرا پہنچے دخترِ رز کو
...ختر رز میری مونس ہے مری ہمدم ہے
...غاں میں کیا کہوں زاہد پسر کی کیفیت
...خترِ رز کے تو ہم بندۂ موروثی ہیں
...خترِ رز ہوگی حلقے میں ہمارے بے نقاب
...نارہ زاہدانِ خشک سے ہے دخترِ رز کا
...ذنِ کسّاں خوری و ماخونِ رز ال
...وں دخترِ رز کو نہ رہے شیخ سے پرہیز
...ستی اس سے پیدا ہوگی۔ دختر ہوگی وہ کسکی
...ظر حرام ہے۔ کہتے ہیں دخترِ رز ہے
...و دخترِ رز عشق میں یاروں کے بگّی ہے
...و دیکھے زاہد اسکو دے درِ میخانہ پہ دھونی
...زاہدا حورِ بہشتی پہ تری تو ہے نظر
...اے پیرِ مغاں تاک میں ہے محتسب شہر
...اب و طاقت دخترِ رز لے گئی
...دختِ رز رندوں سے اندنوں بہت کھنچتی ہے
...ساقی ہے دختِ رز سا حسیں کج خش مزاج
...برائی دخترِ رز کی نہ ہوتی بر سرِ منبر
...بدتر ہے مے کے پینے سے رسوت کلال کی
...میری مدہوشی مری غفلت کے معنی فنا ہیں

زاہد سے دختِ رز ہے متنفر لگی ہوئی
کہ شیشہ پنبہ دہن اور بے زباں ساغر
میں جہانگیر ہوں وہ نورجہاں بیگم ہے
کہ جیسے دخترِ رز دیکھ کر ڈھل جائے
مے پرستی سے کہیں آگے تھے ہم تاک پرست
خلوتی کو اشتیاقِ انجمن ہو جائیگا۔ — آتش
ولی بنئے مریدِ حضرتِ پیرِ مغاں ہو کر
انصاف بدہ کدام خونخوار تر ایم
کبھی کو بھی یہ صاحب حرمت نہیں جاتی — داغ
یہ میں سمجھا کہ معشوقہ تمہاری دخترِ رز ہے
سوائے مغبچہ دیکھا نہ ہم نے روئے شراب
زاہد جو برا مانے ہے کیا اس کی سگی ہے
مغاں نے دخترِ رز اس برس نبا ایسی کی
ہم نے بھی میکدہ میں دخترِ رز تاکی ہے
پردے سے قدم دخترِ رز اب نہ نکالے — بسمل
آدمی بے پاؤں کے کیونکر چلے
کھینچ لیں رند اگر ہمّتِ مردانہ ہو — فریب
کہیں اور گرمیاں جو کہن سال ہو گئی — میر
اگر زاہد کبھی اک گھونٹ بھی تو نے پیا ہوتا — خنجر
کچھ محتسب سے دخترِ رز کی نہ کھائے پھاڑ
دختِ رز کی دید سے بیدار آنکھیں ہو گئیں — ساغر

۴۰ ہو جلوہ گر جو دخترِ رز بھی تو لطف ہے
جوبن دکھا رہی ہے عروسِ بہار آج

۴۱ زاہد کی جب سے دخترِ رز آشنا ہوئی
حوروں سے چاہ آپ کو اس کی سوا ہوئی

۴۲ دختِ رز پر لوٹ ہیں پرہیزگار آکے برس
زہد میں بٹّہ لگائے گی بہار اب کے برس

۴۳ رندوں نے دختِ رز کو چھپایا ہے اسلیے
ڈر ہے نکل نہ جائے کسی پارسا کے ساتھ

۴۴ ڈرتا ہوں جذبِ شیخ کا سُن سن کے غلغلہ
کھنچ جائے دختِ رز نہ کہیں خانقاہ میں

۴۵ پڑی دخترِ رز جو قاضی کے گھر میں
یہ رندوں سے کیوں پارسا مل رہی ہے

۴۶ دخترِ رز کی خدا اس دور میں حرمت رکھے
محتسب اور شیخ دونو لگ رہے ہیں تاک میں

۴۷ کیوں بلایا بھیڑ میں کیا مجھ سے نادانی ہوئی
دخترِ رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی

۴۸ سکھایا دختِ رز کو منہ چھپانا
کوئی کیا روئے۔ جانِ شیشہ گر کو

۴۹ شبِ وصلت حیا و شوق کا جھگڑہ نہ طے ہوتا
نہ کرتی فیصلہ گر دخترِ رز درمیاں ہو کر

۵۰ پھرا کرتا ہے یہ کیوں میکدے کے گرد راتوں کو
کہیں زاہد نے جھلکی دختِ رز کی دیکھ لی ہوگی

۵۱ شیخ صاحب اٹھا کے دیکھو آنکھ
دخترِ رز سلام کرتی ہے

۵۲ زاہد کی آنکھ دخترِ رز پہ جو جا پڑی
جھٹ پی گئے وہ معنیِ لفظِ حرام کو

۵۳ کرے مسجد میں وصفِ دخترِ رز کس طرح واعظ
مذاقِ مے سے کیا واقف جو میخانے سے باہر ہے

۵۴ ہاتھ تک مفتی و قاضی کو لگانے نہ دیا
دخترِ رز تو بڑی صاحبِ عصمت نکلی

۵۵ کہاں ہے دختِ رز اے محتسب ہم بادہ خواروں میں
۵۶ ترے ڈر سے وہ کافر جا چھپی پرہیزگاروں میں

۵۷ ہوا جو دخترِ رز پر میں غش تو ساقی نے
دیئے شراب کے چھینٹے گلاب کے بدلے

۵۸ ابر میں بے نشہ کے اکدم رہا جاتا نہیں
دخترِ رز ہے ہماری آشنا برسات کی

۵۹ وہ دختِ رز کہ چھلتی پھرے ہے جہان کو
کہتے ہیں درد پاس بھی اِک رات رہ گئی

۶۰ دختِ رز اب ہے جواں نامِ خدا اے ساقی
کہیں مستی میں نکل جائے نہ میخانے سے

لیجاتو دُخترِ رز کو پکڑ ہاتھ محتسب ‌ ‌ ہرگز نہیں ہے کچھ نہیں مُردار سے غرض ‌ ‌ سودا

[illegible]وشی سوداکو کب ہے حُور سے نسبت کی ای زاہد ‌ ‌ وہ دِن ہو دُختِ رز سے آپکو منسوب دیکھیں ہم ‌ ‌ ؍؍

ہو دُختِ رز سے شوق تو زر پاس چاہیئے ‌ ‌ دیکھا جو ہم نے رز کو اُلٹ کر تو زر ہوا ‌ ‌ مرزیب

[illegible]تاں بھی دُخترِ رز کا محتسب ظالم مشتاق ہیں ‌ ‌ یہی وہ قوم ہے۔ ہے رسم جن میں قتلِ دُختر کی ‌ ‌ مسیح

انگور میں تھی یہ مے پانی کے چار قطرے ‌ ‌ جسدن سے کھچ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے

[illegible]فشاے راز تا نہ ہو زُہاد پر کہیں ‌ ‌ رندوں میں دُخترِ رز کا لقب جانِ من ہوا ‌ ‌ ابیر

ساقی ہے دُخترِ رز سا حسین کون خوش مزاج ‌ ‌ کہیں اور گرمیاں جو کہن سال ہو گئی ‌ ‌ ؍؍

[illegible]ان دنوں دخترِ رز کا نہیں ملتا ہے پتہ ‌ ‌ کہیں قاضی کے تو گھر جا کے نہیں بیٹھ رہی ‌ ‌ ؍؍

چودھویں سال میں ہے نام خُدا دخترِ رز ‌ ‌ پڑھ دے قاضی۔ کہو دولہ۔ یہ سال اچھا ہے ‌ ‌ ؍؍

اگرچہ دخترِ رز کے ہے محتسب درپئے ‌ ‌ جو ہو سو ہو پر اسے اب تو یار رکھتے ہیں ‌ ‌ درد

دُخترِ رز قاضی کے گھر سے خود چلے ‌ ‌ بزمِ رنداں میں منا لی جائیگی ‌ ‌ معیر

نہ دُخترِ رز کا ہونا محرموں میں زاہد۔ ذکر ‌ ‌ تُو اس کا نام بھی جب لے تو با وضو ہو کر ‌ ‌ زار

اِس اَبر میں پاؤں۔ میں کہاں دخترِ رز کو ‌ ‌ رہتی ہے مدام اب تو وہ بدذات کہیں اور ‌ ‌ جرأت

پیرِ مُغاں ہے تاک میں جو محتسب شہر ‌ ‌ پردے سے قدم دخترِ رز اب نہ نکالے

جُدا ہے دُخترِ رز کا نام ہر صحبت میں اے ساقی ‌ ‌ پری ہے میکشوں میں حُور ہے پرہیزگاروں میں ‌ ‌ امیر

دُخترِ رز کا کئی دن سے نہیں ملتا تھا سُراغ ‌ ‌ آج سنتے ہیں کہ قاضی کے وہ گھر بیٹھ گئی ‌ ‌ ویر

دخترِ رز بھی تو ہے کچھ بے وفا ‌ ‌ چڑھ کے سر پہ خوب جہانی کرے

توبہ

واعظا حسینوں سے کی ہے توبہ۔ پی جاتا ہوں میں ‌ ‌ میرے لب تک گر کبھی آتی ہی پیمانہ کی بات ‌ ‌ مجیز

بنگے ہم تو یہ شکن جام شکن دیکھ چکے ‌ ‌ توڑ کر توبہ خوشی توڑ کے ساغر فریاد ‌ ‌ ابیاض

آمادہ نہ ہوں پھر کہیں توبہ شکنی پر ‌ ‌ قلقل کی صدا مجھ کو سُنانا نہیں اچھا ‌ ‌ رند

نمبر	مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
۴	خونِ توبہ کیوں نہ ہو ہے منظرِ توبہ شکن	یہ چمن سر سبز یہ اُودی گھٹا جانِ بہار	
۵	ذرا تو نشہ کم ہو تو بہ پڑھوانا ہی کیا واعظ	کہ بیہوشی میں کہتا کچھ ہوں منہ سے کچھ نکلتا ہی	امیر
۶	اُترے جو نشہ توبہ کریں ہم شراب سے	لغزش نہ تا زبان کو ہو عذرِ گناہ میں	امیر
۷	مے تو حلال ہو جو پیئے ڈھب سے بادہ نوش	ہیں توبہ کرکے اور پشیمان ہو گیا	داغ
۸	مے کی توبہ کو تو مدت ہوئی قائم۔ لیکن	پئے طلب اب بھی جو مل جائے تو انکار نہیں	ناظم
۹	فصلِ گل ہے چار دن۔ ایام توبہ ہیں مدام	عمر بھر اے میکشو باب اجابت باز ہے	ناسخ
۱۰	توبہ کرونگا واعظ لیکن ذرا میں سُن لُوں	کچھ مجھ سے کہہ رہی ہیں اُمڈی ہوئی گھٹائیں	شوکت
۱۱	واعظ کا تھا لحاظ تو فصلِ خزاں تلک	لو آ گئی بہار میں توبہ شکن ہوا	امیر
۱۲	پارسائی مری اک دن سے زیادہ نہ رہی	جب کبھی صبح کو کی۔ شام کو توڑی توبہ	احسان
۱۳	تاکید نہ کر توبہ بھی ہو جائیگی واعظ	بھاگی کہیں جنت نہیں جاتی نہیں جاتے	
۱۴	رات دن دونوں کُھلے رہتے ہیں رندوں کے لئے	درِ توبہ ہو کہ در ہو کسی میخانے کا	
۱۵	توبہ تو کر چکا تھا میں اے شیخ کیا کروں	کالی گھٹا کو دیکھکر نیت بدل گئی	
۱۶	یہ وقت مینوشی کا ہے رکھ توبہ ناداں اک طرف	ٹھنڈی ہوا ہے اک طرف۔ برسے ہے باراں اک طرف	
۱۷	ہزار بار یہ دن بھر میں زاہدا ٹوٹے	ہماری توبہ کے آگے ترا وضو کیا ہے	حسن
۱۸	توبہ کر زاہد۔ کروں توبہ میں ایسے وقت میں	یہ بہار آئی ہوئی ایسی گھٹا چھائی ہوئی	داغ
۱۹	واعظ اک وقت میں دو کام نہیں ہو سکتے	توبہ کر لینگے جو مے پینے سے فرصت ہوگی	امیر
۲۰	یہ ہوا حضرتِ واعظ کی نصیحت کا اثر	توبہ کرنے سے بھی ہر مست نے کر لی توبہ	احسان
۲۱	یہ ابر یہ ہوا یہ تماشہ۔ یہ کیفِ شوق	لو میں بھی توبہ توڑ کے مینوش ہو گیا	حسن
۲۲	قدر مجھ رند کی تجھ کو نہیں ای پیرِ مغان	توبہ کر لُوں تو کبھی میکدہ آباد نہ ہو	ذہین
۲۳	ساقی تو ایک بار تو توبہ مری تڑا	توبہ کروں جو پھر تو ہے توبہ ہزار بار	
۲۴	نہیں حلال ہو کوئی شے یہاں بغیر شراب	اسیطرح سے بجز توبہ کچھ حرام نہیں	ناسخ

زاہدا کیا ڈھونڈتا پھرتا ہے کعبہ کی کلید
آ درِ میخانہ مثلِ بابِ توبہ باز ہے — ناسخ

توبہ توبہ شیخ جی۔ توبہ کا پھر کسکو خیال
جب وہ خود کہدے کہ پی تھوڑی سی پی پھر بُری — حفیظ

ساقی ہماری توبہ تجھ پہ ہے کیوں گوارا
منت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارہ — سودا

ہیں اور بزمِ مے سے یُوں تشنہ کام آؤں
گر ہیں نے کی تھی توبہ۔ ساقی کو کیا ہوا تھا — ناسخ

میکشو مژدہ کہ گھنگور گھٹائیں آئیں
تُم پہ رحمت ہوئی توبہ پہ بلائیں آئیں — داغ

شب ہم نے تہیہ جو کیا توبہ کا ساقی
مغرب سے سحر مہرِ درخشاں نکل آیا — ذوق

یوں تو لے ابر پتہ بھی نہیں ہلتا تیرا
توبہ کرتے ہی جھلکتی ہے سیاہی تیری — داغ

مے سے ہیں توبہ کروں استغفر اللہ سب غلط
تاہم توبہ سے سدا ہم پڑھتے استغفار ہیں — احسان

ایمان کچھ وضو نہیں ہے کہ ٹوٹ جائے
اے شیخ کیا ہوا جو میں توبہ شکن ہوا

گرچہ مے پینے سے کی توبہ ہے میں نے ساقی
بھول جاتا ہوں وہ لے تیری مدارات کے وقت — انشا

حشر تک یارب طفیلِ خادمانِ میفروش
اِک درِ توبہ کھلا رکھ اِک دُکانِ میفروش

دروازہ میکدے کا نہ کر بند محتسب
ظالم خُدا سے ڈر کہ درِ توبہ باز ہے — ذوق

رندِ میخوار کو ہے اس لئے توبہ کی تلاش
کہیں مل جائے تو مُردار کے ٹکڑے کر دے

نہ اتنا محتسب کا خوف ہے ہمکو نہ قاضی کا
کہیں توبہ نہ میخانے میں آئے اس سے ڈرتے ہیں — امیر

باہیں گلے میں ڈال کے اُسنے پلا ہی دی
معذور ہوں کہ خود نہیں توبہ شکن ہوا

دیکھ کر کالی گھٹا۔ فصلِ بہار
توبہ کرکے کیسے پچھتاتے ہیں ہم — اثیم

بند ہو جائے درِ توبہ۔ تو زاہد غم نہیں
ہو قیامت۔ بند اگر دیکھوں دکان خمار کی — ناسخ

چشمِ میگوں کا اشارہ۔ اِس کو اے ظالم نہ پوچھ
میں نے توبہ توڑ ہی ڈالی وہ دلکش جام تھا — عقیل

ہے شباب کی توبہ پہ جا نہ اے واعظ
نشے کی بات نہیں اعتبار کے قابل — حفیظ

لگتے رشتے شراب کہ غم کے محیط ہیں
توبہ ڈبوئے دیتی ہے پیرِ مُغاں مجھے — ماہر

میکشی کی زاہدوں نے بند کرکے خانقاہ
کیوں نہ درِ مثلِ درِ توبہ کھلا رہنے دیا — فضا

۴۶ مے کے پینے سے تو ہر چند منا ہی توبہ
پر خجل وہ ہوں مغاں سے کہ الٰہی توبہ

۴۷ فصلِ گل میں بادۂ گلرنگ سے انکار کیا
زاہدا توبہ سے توبہ کر تجھے کچھ ہوش ہے

۴۸ خونِ توبہ کیوں نہ ہووے منظرِ توبہ شکن
یہ چمن سرسبز یہ اودی گھٹا یہ جانِ بہار

۴۹ توبہ کہاں کدورتِ باطن کے ہوش تھے
غش ہو گیا میں رنگِ مے ناب دیکھ کر

۵۰ توبہ کرنی تھی کہ بوچھاڑ ملامت کی ہوئی
خوب ہی مجھ پہ برستے ہوئے بادل آئے

۵۱ توبہ کا در تو وا ہے وہیں جا رہینگے ہم
کچھ ڈر نہیں اگر درِ خمار بند ہے

۵۲ تہمت نہ رکھ خدا کے لئے مجھ پہ زاہدا
کب میں نے توبہ کی تھی کہ توبہ شکن ہوا

۵۳ یوں تو برسوں نہ پلاؤں نہ پیوں آ کے زاہد
توبہ کرتے ہی بدل جاتی ہے نیت میری

۵۴ نہ کرتا مے سے توبہ تو ابھی ہرگز نہیں مرتا
جو سچ پوچھو تو میرا خون ہے قاضی کی گردن

۵۵ توبہ کہاں کی اور کہاں کا پھر اتّقا
آیا جب اپنے سامنے ساغر شراب کا

۵۶ ناصحا اب میری توبہ کا خدا حافظ ہے
لڑ گئی آنکھ چھلکتے ہوئے پیمانے سے

۵۷ توبہ خلافِ وضع ہے پیری میں محتسب
وہ کام کیوں کریں نہ کیا جو شباب میں

۵۸ میں نے ساقی سے بس توبہ اگر مانگی شراب
مست آنکھوں سے مجھے دیکھا ہے ترسانے کے بعد

۵۹ میرے اتّقا کا باعث تو ہے میری ناتوانی
جو میں توبہ توڑ سکتا تو میں بادہ خوار ہوتا

۶۰ افسر تو چار دن بھی رہیگا نہ بے پئے
توبہ کا اعتبار ہے کیا بادہ خوار کی

۶۱ توبہ کا در کھلا ہے نہ کر چھپ کے میکشی
اے شیخ یہ طریقۂ شرب الیہود ہے

۶۲ بات رکھ لیتے ہیں ہم ساقی و واعظ کی اکثر
جام بھی پیتے ہیں۔ توبہ بھی کئے جاتے ہیں

۶۳ اب وہ عالم ہی کہاں ہے مئے پئے مدّت ہوئی
اب میں توبہ کیا کروں توبہ کئے مدّت ہوئی

۶۴ داغ یہ مے ہے یہ ساغر ہے۔ کہاں کی توبہ
پی خدا کے لئے اے مردِ خدا تھوڑی سی

۶۵ پیمانِ یار کی طرح ٹوٹے گی لاکھ بار
توبہ کا اعتبار نہیں کچھ شباب میں

۶۶ ہوتی ہے شکست اسکو جو مجبورِ رند سے اکثر
عیب دیکھئے توبہ درِ قاضی پہ کھڑی ہے

...ے درِ توبہ کھلا جبتک رہے یہ بھی کھلا
کر دیا کیوں بند اے ساقی درِ میخانہ آج — مزیب

...توڑ دیا ہے مُفتیِ ابرِ بہار نے
توبہ کا خُوں بادہ کشوں کو حلال ہے

...جھے ڈر ہے نہ ٹوٹے اُن کی توبہ صورتِ ساغر
نہ آئیں حضرتِ واعظ یہاں میخوار بیٹھے ہیں — موج

...دا موقوف فرصت ہی شتابی کس لئے
توبہ توبہ سہل ایسا توبہ کرنا ہو گیا — سحر

...خراباتِ جہاں ہی اپنی توبہ سے خراب
کوئی بھی اب مے فروشی کی دکاں کرتا نہیں — نجم

...کوئی بادل نہ اُٹھا ہو افق پر دیکھنا
پھر فضائے توبہ پر ہی بیدلی چھائی ہوئی

...ا بھی شامت آ گئی توبہ کے ساتھ ہی
عہدِ شباب کے جو کہیں آشنا ملے — داغ

...میکدے کی راہ میں پایا ہے شیخ نے
توبہ بچاری ٹوٹ کے دیکھو گری نہ ہو — افسوس

...ہے ابر اسے اُمیدِ واعظ کے جلانے کو
لباسِ توبہ نذرِ آتشِ صہبائے احمر ہو — امید

...اقی ہماری توبہ تجھ پر ہے کیوں گوارا
منّت نہیں تو ظالم ترغیب یا اشارہ — سودا

...ں تو اے ابر پتہ کبھی نہیں ملتا تیرا
توبہ کرتے ہی چھلکتی ہے سیاہی تیری — داغ

...اہے جھوم جھوم کے ابرِ بہار آج
توبہ کو خشتِ خم سے کروں سنگسار آج — داغ

...رخ وزیں میں توبہ کا ملتا نہیں سُراغ
ہنگامۂ بہار و ہجومِ سحاب میں — مومن

...بہ کی جان کو بجلی ہے چمک بجلی کی
بدلی آتے ہی بدل جاتی ہے نیت میری — امیر

...ھے میکش کو کہاں صبر کہاں کی توبہ
لے لیا دوڑ کے جب سامنے ساغر آیا — داغ

...وں وہ میکش جو کروں رُخ درِ توبہ کی طرف
"بہکے جاتے ہو" پکارے دہنِ خُم مجھکو — امیر

...ہ رنگ ہوا اور یہ مے نوش گھٹائیں
کیا وقت یہ توبہ کا ہے لے نام خدا کا

...ے ہے توبہ جو واعظ کی ہرزہ گوئی سے
مگر بہار کو سودا نے دُور دیکھا ہے — سودا

...محفل میں شورِ قلقلِ مینا دل ہوا
لا ساقیا شراب کہ توبہ کا قتل ہُوا

...میں نے مے پینے کی توبہ کی تو کی
کوئی ساقی بھی تو پلواتا نہیں — رند

...رات کو خُوب سی پی۔ صبح کو توبہ کر لی
رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

۸۸ توبہ کا پاس رندِ مے آشام ہو چکا
بس ہو چکا تقدس و اسلام ہو چکا

۸۹ واعظا توبہ کی جلدی کیا ہے
یہ بھی کریں گے جو فرصت ہوگی

۹۰ ہم مست مے بھی پیتے ہیں تو کانپتے ہوئے
توبہ پڑی ہوئی ہے ہمارے گناہ میں

۹۱ ہم وہ شراب خوار ہیں خمیازہ کش جو ہوں
آنے لگے صدا کہ درِ توبہ باز ہے

۹۲ خانقاہوں میں جو پھرتی ہے یہ بہکی بہکی
توبہ بھی پی کے مگر نکلی ہے میخانے سے

۹۳ کیا خبر تھی کہ گناہوں سے سوا عزت میری
قابلِ دید ہے توبہ پہ ندامت میری

۹۴ توڑیے توبہ کو کیجے بادہ خواری ان دنوں
موسمِ گل ہے۔ کہاں پرہیزگاری ان دنوں

۹۵ بے بادہ غورگی میں ہوا ذوق چوں مویز
کی توبہ بیوقوف نے ناحق شباب میں

۹۶ توبہ ٹوٹی ہے ضرور آج کسی اونچے کی
توبہ توبہ کی صدا آتی ہے میخانے سے

۹۷ ہاتھ سے مستوں کے میخانہ میں جو پہنچی شکست
توبہ فریادی درِ قاضی پہ ہے آئی ہوئی

۹۸ شیشے کی شکل توڑیں گے توبہ شراب خوار
چنڈے جو ابر اور گھربار رہ گیا

۹۹ ہم جو میخانے سے مستی میں گئے مسجد کو
توبہ اے مغبچہ توبہ شکن بھول گئے

۱۰۰ نومیدِ کرم ہو کر توبہ جو کریں مے سے
دوزخ میں پڑے زاہد یہ لطف ثواب ایسا

۱۰۱ جام سے توبہ شکن۔ توبہ مری جامِ شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

۱۰۲ ہر شاخ جب اک مستانہ ہے ہر پھول جب اک پیمانہ ہے
توبہ پھر ایسے میں توبہ۔ جب فطرت ہی میخانہ ہے

۱۰۳ توبہ کرکے۔ آج پھر پی لی ریاض
کیا کیا کم بخت تو نے کیا کیا

۱۰۴ کرکے توبہ ناصحا۔ سودا مصلّیٰ کل ہوا
آج پھر پی ہے مصلّیٰ رکھ گرد دو جام کو

۱۰۵ توبہ گر آج ہوا کردۂ سی روزہ سے
دل پہ کیا یار کے اندیشۂ فردا گذرا

۱۰۶ توبہ سے ہماری۔ بوتل اچھی
جب ٹوٹی ہے جام ہو گئی ہے

۱۰۷ زاہد کا دل نہ خاطرِ میخوار توڑیے
سو بار توبہ کیجیے سو بار توڑیے

جو کچھ کہا قبول ہے اے زاہدو مگر	تو یہ کروں گا سامنے رکھ کر شراب کو	شوکت

تقدیر و تدبیر

چاک کو تقدیر کے ہوتا نہیں ہرگز رفو	سوزنِ تدبیر گو ساری عمر سیتی رہے	غالب
لاکھ کوشش کرے صدہا کرے تدبیر طبیب	جو ہے تقدیر میں لکھا وہ رہیگا ہوکر	
وا ہوئے ہرگز نہ وہ عقدے جو تھے تدبیر کے	سعی کرتے کرتے ناخن گھس گئے تدبیر کے	آتش
سوزنِ تدبیر سے کیونکر رفو ہو چارہ گر	دامنِ تقدیر جب ہاتھوں سو ٹکڑے چاک تھا	
بدل سکتی نہیں تدبیر سے تقدیر انساں کی	خضر ہے تشنہ لب ظلمات سے پھرتا سکندر کا	جرأت
گھس گئے سب ناخنِ تدبیر کی کوشش کی حد	حل ہو کیونکر عقدۂ تقدیر۔ دیکھا چاہیئے	روشن
مجھے تدبیر پر اپنی رہا ناز	مری تقدیر برگشتہ ہنسا کی	
تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی	بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی	داغ
درگذر اے بیخبر تو اپنی تدبیرات سے	تیری ہر تدبیر کے تقدیر دامنگیر ہے	
اگر تقدیر بھی اچھی ہو تب تدبیر بنتی ہے	برا گر ہو قلم۔ کب ٹھیک پھر تصویر بنتی ہے	
لاکھ تدبیر کی۔ کچھ بس نہیں چلتا میرا	کروں کس طرح سے یارو خطِ تقدیر سفید	خاکشا
ملیگا رزق تقدیری کروں تدبیر کیا ناسخ	وہ ہرزہ ہے ارادہ جو کرے تحصیل حاصل کا	ناسخ
تدبیر سے تو کام نہ تقدیر کا ہوا	تکیہ خدا پہ کیجیئے۔ دروازہ بھیڑیئے	آتش
بیمار کی قضا ہو تو اکسیر کیا کرے	تقدیر جب بری ہو تو تدبیر کیا کرے	"
ایک عقدہ نہ کھلا رشتۂ تقدیر سے حیف	ہم نے فرسودہ بہت ناخنِ تدبیر کیا	"
جب کبھی ہوتی ہے عاجز عقل اور تدبیر بھی	ہے وہاں مجبوریوں کا نام اک تقدیر بھی	"
جتنے ہیں کام ترے سونپ خدا کو سودا	تیری تدبیر سے تقدیر بہت اچھی ہے	سودا
خار تدبیر ہے پیشِ گلِ تقدیر عبث	وقت پر باغ میں آتی ہے بہار آپ سے آپ	"

۱۹ گر موافق ہوتی ہے تقدیر مجھ سے زاہدا
ترک کرتا ہوں کسی تدبیر سے تدبیر کو

۲۰ دولتِ تقدیر کو تدبیر کی حاجت نہیں
معدنِ زر ہے یہاں اکسیر کی حاجت نہیں

۲۱ گویا زبانِ شعلہ سے ہرگز ہوئی نہ شمع
تدبیر سے محال ہے تقدیر کا جواب

۲۲ نسخہ عشق کے مریض کی تدبیر شرط ہے
لیکن شفا کو گردشِ تقدیر شرط ہے

۲۳ دخل کب تدبیر کو تقدیرِ انسانی میں ہے
پیش آتی ہے وہی جو کچھ کہ پیشانی میں ہے

۲۴ ابلیس حسد سے رہے تدبیر میں میری
تدبیر کو کیا دخل ہے تقدیر میں میری

۲۵ اُس سے ملنے کی نہ سوجھی کوئی تدبیر مجھے
آہ دکھلاوے گی کیا دیکھئے تقدیر مجھے

۲۶ دوستو ہے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے
سر کٹائیں گے کہ اپنو جنگ ہے تقدیر سے

۲۷ ہاتھ آتا ہے مقدر سے ہمائے دولت
جال کس کس نے بچھایا نہیں دانائی کا

۲۸ چارہ سازوں نے تو مصروف بدل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں

۲۹ کام بن بن کے بگڑ جاتا ہے اکثر اے تاج
کون کم بخت ہے جو قائلِ تقدیر نہیں

۳۰ کھل گیا ناکامیوں سے ہے مسبّب دوسرا
کوششیں سب اک طرف ہیں اور مقدر اک طرف

۳۱ نازاں نہ ہو فرد پر جو ہونا ہو سو ہی ہو
دانش نری نہ کچھ مری دانشوری چلے

۳۲ یہ سچ ہے لاکھ تدبیر و خرد ہو
مگر کب ہونے والی بات رد ہو

۳۳ لاکھ تدبیر کرے کوئی تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

۳۴ کاوشیں اپنی تھیں خلقی پہلوئے تدبیر میں
حرفِ حال بن کے آخر رہ گئیں تقدیر میں

۳۵ گردش جو ہو تقدیر میں کچھ سعی کام آتی نہیں
منزل کچھ آگے بڑھ گئی پہنچا جو میں منزل کے پاس

۳۶ تقدیر مخالف تھی تدبیر ہوئی قاصر
ممکن تھا جو کچھ ہم سے سب ہم نے وہ کر دیکھا

۳۷ میری تدبیروں کی مشکل اب تو یارب سہل کر
کیا یہ ساری عمر مُنہ تکتی رہیں تقدیر کا

۳۸ دیکھ لو تدبیر پہ سبقت ہے یاں تقدیر کو
وصل بھی اُس بت کا بے حکمِ خدا ہوتا نہیں

۳۹ کوششیں بے سود ہیں حیران ہیں کیوں حریص
وہ ملے گا جو ازل کے دن مقدر ہو گیا

کشودِ کار ہم نے پنجۂ تقدیر کو سونپا
خرد کے تیز ناخن۔ ناخنِ انگشتِ پا سمجھے — ذوق

تقدیر میں جو تھا وہ ہوا۔ رنج سے حاصل؟
عقلِ بشری رہتی ہے عاجز شُدنی میں

گھِسے سب ناخنِ تدبیر اور ٹوٹی سرِ سوزن
مگر تھا دل میں جو کانٹا نہ ہرگز وہ کبھو نکلا — ذوق

گلیمِ بختِ کسے راکہ بافتند سیاہ
بہ آبِ زمزم و کوثر سفید نتواں کرد — [illegible]

...یست در دیوانِ حکمت ضعفِ قسمت را علاج
طشتِ فکرِ بوعلی از بام افتادہ است

ہے عبث یہ تردّد و تشویش
پہنچے ہے وقت پر جو ہے مقسوم

...بدنشانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

...تی ہے یہ بھی اس کی طرح سے مخالفت
تدبیریں بھی ہیں مرے تقدیر کے خواص

...لِ تقدیر وہ تھا۔ قائلِ تدبیر یہ
وہ قضا سے اور یہ اپنی حماقت سے مرا

...شوں کی کامیابی تابعِ قسمت ملی
بے بسی کا راج پایا عالمِ تدبیر میں — اثر

...و بر و آیا جو تھا سودا کی قسمت کا لکھا
کر چکے اس کے قلم یا جامۂ تقدیر جنگ — سودا

...ک ایک قدم پر ہے جہاں خندۂ تقدیر
تدبیر گزرتی ہے اُسی راہ گذر سے — گوہر

...ارب سما گئی کیا تقدیر بھی اُسی میں
پامال چشمِ جاناں تدبیر ہو رہی ہے — مغیث

...و ہے تقدیر میں تحریر پیش آنی ہے وہ اِک دن
نہیں مٹنے کا اے غافل کبھی لکھا مقدّر کا — سحر

...لاکھ گھاتیں وصل کی کیں پر نہ کچھ حاصل ہوا
زور چل سکتا ہے کب تدبیر کا تقدیر سے — ״

...بات سیدھی مری ہو جاتی ہے الٹی جو امیر
ضد ہے شاید مری تقدیر کو تدبیر کے ساتھ — امیر

...و لکھا تھا مری تقدیر میں رزق اُس سے زیاد
گردش و کوشش و تقدیر سے حاصل نہ ہوا — فصاحت

وصل کی تدبیر بن بنکر بگڑ جاتی ہے روز
کھُل گیا ہم پر کہ سارے پیچ ہیں تقدیر کے — آباد

ظفر کو منزلِ مقصود پر تقدیر لے پہنچی
کدھر بھٹکی ہوئی سی عقلِ بے تدبیر پھرتی ہے — ظفر

...نے خرد نے ہوش نے تدبیر پہ شاکر ہیں ہم
دوستو اپنی فقط تقدیر پر شاکر ہیں ہم — ״

...ہو گئے شل دست و پا احباب کی تدبیر کے
اب مریضِ ناتواں ہے ہاتھ میں تقدیر کے — محوی

٦١ حصولِ جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں — ہماری سعی باطل دیکھ کر تدبیر غیبی کی ہے

٦٢ کام ہی کوئی نہیں بنتا مرا — لاگ ہے تقدیر کو تدبیر سے

٦٣ تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر — انسان کی طاقت کے سوا بھی سبب کوئی

٦٤ ہر طرح کے کام میں تائیدِ خالق چاہیئے — ہم مقدم سمجھے ہیں تدبیر کو تقدیر پر

٦٥ دربدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے — وہی ہوتا ہے جو قسمت کا لکھا ہوتا ہے

٦٦ تدبیر نہ کر فانیؔ تدبیر میں کیا ہے — کچھ یہ بھی خبر ہے تری تقدیر میں کیا ہے

٦٧ عقدۂ دل نہ کھلا ناخنِ تدبیر کے ساتھ — آخرش کام پڑا پنجۂ تقدیر کے ساتھ

٦٨ نوشتہ سے ہوا اک حرف بھی ہرگز نہ بیش و کم — جو پیشانی میں تھا لکھا ہوا وہ پیش آیا

٦٩ غیرِ تقدیر نہیں ہونے کا وصلِ دلدار — اے ظفرؔ تو ہے عبث درپئے تدبیر ہنوز

٧٠ کام سب تقدیر پر ہیں ہے مگر تدبیر شرط — کچھ سبب بھی چاہیے اس عالمِ اسباب میں

٧١ تدبیر کے ہاتھوں سے گویا تقدیر کا پردہ اٹھنا ہے — یا کچھ بھی نہیں یا سب کچھ ہے یا مٹی ہے یا سونا ہے

٧٢ لاکھ صورت سے کیجیے تدبیر — ہو گا۔ لکھا ہے جو مقدّر کا

٧٣ جب کام ہم نے ناخنِ تدبیر سے لیا — سختی کچھ اور عقدۂ مشکل میں آ گئی

٧٤ وصلِ دلبر نہ ہوا سینکڑوں تدبیریں کیں — سچ کہا ہے کہ ہر اک کام ہے تقدیر کے ہاتھ

سرنوشت

١ پڑھ سکتا سرنوشت کا مطلب نہیں کوئی — معلوم کچھ نہیں کہ یہ خط کس زبان میں ہے

٢ مطلب نہ سرنوشت کا سمجھا تو شکر کر — دیوانہ ہو جو حالِ قضا و قدر کھلے

٣ سرنوشت اپنی نہ پلٹی اور خط معکوس ہے — حرف جو الٹے ہوئے تحریر سیدھی ہو گئی

٤ مطلب سے اپنے کون ہے آگاہ جز خدا — جوں خطِ سرنوشت ہیں پیشانیوں میں ہم

٥ نیک و بدِ زمانہ نہیں اختیار میں — ہوتا وہی ضرور ہے جو سرنوشت ہو

تا وصل ہجر کی جا سر نوشت میں
کیا گر کاتب تقدیر ازل میں مجھ کو
سر نوشت اپنی یہ اُلٹی ہے ازل سے کہ ہوئے
حصول علم سے کیا ہو۔ جو ہے سو قسمت سے
رونے سے بھی مٹا نہ لکھا سر نوشت کا
کیا پوچھا حال یہ کچھ آج سے نہیں عشاق
کیوں منحرف نہ کیوں رہ و رسم ثواب سے
لکھتے ہو کیا لکھا ہے تیری سر نوشت میں
کاتب قدرت سے اپنی گفتگو ہے روز حشر
ایک حرف اُس کی عبارت کا پڑھا جاتا نہیں
مجال اتنی کہاں جو صانع قدرت سے کہتا میں
ہیں خط تقدیر سے تحریر سب پیش آنیاں
لکھا پیشانی کا پیش آتا ہے ہم شاکی نہیں
حشر میں نامۂ اعمال نہ دیں اصغر کو
دکھاؤں میں کسے تقدیر کا لکھا جانا
نہ مٹے گا وہ۔ سمجھ لے اُسے پتھر کی لکیر
تمنا ہے خدا نخواستہ آنکھیں دغا کریں
نیک و بد سے نہ کروں اپنے لکھے کا شکوہ
نیک یا بد کوئی دُنیا میں ہوا مجھ سے نہ کام
کبھی قسمت کے لکھے سے زیادہ لکھ نہیں سکتا
لوح قسمت کے مطابق نامۂ عصیاں ہے جب

اتنا نہ سہو کاتب تقدیر سے ہوا
سر نوشت اپنی وہ ہے بس میں نے مٹائی ہوتی — رند
کاسۂ سر کی طرح بخت بھی واژوں پیدا — ناسخ
میں سر نوشت پڑھوں آپ کتابت کے بدلے — ناسخ
ہم اشک سے بھی اپنے نوشتے کو دھو چکے — رند
ازل سے رکھتے ہیں اپنی یہ سر نوشت شکست
ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سر نوشت کو — غالب
گویا جبیں پہ سجدۂ بت کا نشاں نہیں — غالب
خط پیشانی ہمارے پاس دستاویز ہے — آتش
لکھ دیا کس خط میں ہے یہ خط پیشانی مجھے — ״
کہ میری لوح پیشانی پہ حضرت نے لکھا کیا کیا — جرأت
پیش آتی ہیں وہی باتیں جو ہیں پیش آنیاں — ہدایت
کاتب تقدیر کی تحریر پر شاکر ہیں ہم۔ — ظفر
وہ ہے دیوانہ کسی سمت کو چلتا نہ دینے — اصغر
مرا نوشتہ کسی سے نہیں پڑھا جاتا
جو لکھا کاتب تقدیر نے پیشانی پر — رند
اچھا نہیں نوشتہ تقدیر دیکھنا — یاس
جو کہ قسمت کی ہے تحریر بہت اچھی ہے — سودا
سادہ کاغذ ہے مگر نامہ مری تقدیر کا
وہ ناداں ہے جسے خوف کراماً کاتبیں آیا
پھر بھلا ہونے لگا کیوں مجھ کو کھٹکا حشر کا

۲۷ جو کہ لکھا خوب لکھا دسترس ہوتا اگر
چومتا میں ہاتھ اپنے کاتبِ تقدیر کا

۲۸ روز و شب کے حال کا لکھتا تھا پرچہ روز و شب
کاتبِ اعمال میری ڈیوڑھی کا ہرکارہ تھا

۲۹ کاتبِ اعمال سے محشر میں ہوگی گفتگو
اس لئے ہیں آپ اپنا حال لکھ کر لے چلا

۳۰ بچے جی کس طرح روزِ ازل کاتب نے قدرت کے
ہمارا خون قاتل کی دمِ شمشیر پر لکھا

۳۱ سنگِ اطفال سے پھوٹا ہی کیا سر اپنا
سرنوشت اپنی کا خط۔ خطِ شکستہ ہوگا

۳۲ ذرا جو کاتب کو رحم آتا تو بختِ بُنیاد ہی مٹاتا
درست لکھتا تو ٹوٹ جاتا قلم ہمارے خطِ جبیں کا

۳۳ جو چاہیں لکھ لیں کاتبِ اعمال چار دن
دیکھوں گا روزِ حشر میں کاغذ حساب کا

۳۴ لوحِ پیشانی تو دھلوا لے کراماً کاتبین
تُم نے لکھے پر ہے لکھی داستانِ زندگی

۳۵ کیا مُنہ سے نیک و بد میں نکالوں کہ رات دن
اخبار کوئی کرتے ہیں تحریر دوش پر

۳۶ دل میں آتا ہے کہ اک دن رو کے دھو ڈالوں انہیں
روز لکھتے ہیں کراماً کاتبیں دو چار بند

۳۷ پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

۳۸ جبینِ پیشانی ہی اپنی شرحِ ضبطِ درد تھی
اُس نے سب کچھ پڑھ لیا نامہ کا عنواں دیکھ کر

۳۹ الٰہی اس سے بہتر تو مری قسمت کا لکھا تھا
مری ماتھے پہ جڑ دی کس کی یہ لوحِ جبیں تُو نے

۴۰ پسند آیا یہ مضمون خطِ لوحِ جبیں مجھ کو
کہ اک دن پیش آئیگا جو لکھا ہے مقدّر کا

۴۱ اگر نوشتۂ قسمت پہ ہوتے ہم شاکر
کبھی نہ ڈھونڈتے پھرتے اِدھر اُدھر تعویذ

۴۲ کہہ دونگا سب گناہ مرے مجھ کو یاد ہیں
کیوں فرد کاتبانِ عمل نے سیاہ کی

۴۳ سرنوشت اپنی جو کج مجھ واژگوں طالع کی ہے
شائد اُلٹا قط لگا تھا خامۂ تقدیر میں

۴۴ جو ہونی ہے ہوگی نہیں امکان کہ نہ ہووے
پھر فکر سے کیا فائدہ غیر از خفقان ہیچ

۴۵ دھوئی کیوں اشک کے طوفان سے لوحِ محفوظ
سرنوشت اپنی ہی ناسخ نے مٹائی ہوتی

۴۶ سرنوشت ایسی لکھی کاتبِ تقدیر نے یوں
کھینچتا تھا خطِ باطل میری پیشانی پر

۴۷ جو کہ لکھا خوب لکھا کاتبِ تقدیر نے
اس نوشتے میں کہیں تحریر کی حاجت نہیں

[ا]س قدر لکھی مری تقدیر کی برگشتگی
گھس کے الٹا ہو گیا قط خامۂ تقدیر کا — امیر

[پ]یش آیا جو پیشانی میں لکھا تھا عزیزو
کیا پوچھتے ہو حال ہے کیوں زیر و زبر آج — سحر

[ش]کستہ ہے خطِ تقدیر ہم تو پڑھ نہیں سکتے
خدا جانے خدا نے لکھ دیا کیا کیا مقدر میں — شکور

[م]ٹ نہیں سکتا کسی پر ماجرائے سرنوشت
یہ لفافہ بند رکھا کاتبِ تقدیر نے — نوح ناروی

[س]اتھ میری رہ کے لکھتے ہو برائی تم مری
کچھ مروت بھی کراماً کاتبیں تم کو نہیں ہے — احقر

[ک]یوں نہ ہوں قانع میں قسمت پر کہ مٹ سکتا نہیں
لکھ چکا جو کاتبِ تقدیر اپنے ہاتھ سے — اسیر

[م]یں وہ ناکامِ ازل ہوں کاتبِ تقدیر نے
مجھ سے پوچھا کیا لکھوں میں نے کہا کچھ بھی نہیں — راقم

تصویرِ ناکامی

[آ]فتاب اس میں اگر آوے تو انجا ہووے
نور کا دخل نہیں میرے سیہ خانے میں — ناسخ

[ا]یسے ہی میرے بخت جو ماتے تھے نیند کے
خوابِ عدم سے کاہے کو مجھ کو جگا دیا — بیان

[ی]ہ تو قسمت میں کہاں تھا کہ کروں کسبِ کمال
بے کمالی میں بھی افسوس کہ کامل نہ ہوا — فصیح

[ج]ھانکتے تھے وہ ہمیں جس روزنِ دیوار سے
وائے قسمت ہو اُسی روزن میں گھر زنبور کا — ذوق

[م]یں وہ محرومِ محبت ہوں لڑکپن میں بھی
وا کسی نے نہ مرے واسطے آغوش کیا — رند

[ک]چھ پستیٔ نصیب سے اپنے عجب نہیں
بدلے جبیں کے ہو خطِ تقدیر پاؤں میں — برق

[ب]ناؤں گر کسی ٹہنی پہ آشیاں اپنا
قلم وہ شاخ مری ضد سے باغباں کر دے — رند

[ک]م نصیب ایسا ہوں گر ہو خرمی کو اذنِ عام
ہو نہ شادی مرگ ہونے کے سوا شادی مجھے

[و]ہ مقدر ہے جو مانگوں مینہ برسنے کی دعا
برسیں پتھر ابر سے بالائے سر برسات میں

[ہ]ر پھر کے دائرہ ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردشِ پرکار پاؤں میں — ناسخ

[ب]دلے دینار کے ملتے ہیں ہمیں درہمِ داغ
آسماں سے جو کبھی خواہشِ زر کرتے ہیں

[illegible] رلاتا نہیں کوئی
محبت کیا ہم ایسوں سے عداوت تک نہیں ہوتی

۱۳ میں وہ غم دوست ہوں جب کوئی تازہ غم ہوا پیدا — نہ نکلا ایک بھی میرے سوا امیدواروں میں

۱۴ بہارِ رفتہ میری پھر نہ آئی اے جگر واپس — چمن میں ہر خزاں کے بعد لیکن اک بہار آئی

۱۵ مر کر بھی نہ پہنچوں گا میں تا اوجِ سعادت — ہڈی مری گر جائیگی منقارِ ہُما سے

۱۶ نہیں لکھی جو سعادت مرے مقدر میں — بچا کے سائے کو سر پر سے ہُما جاتا

۱۷ میرے نخلِ تمنا کو جلایا تشنہ کامی نے — جدھر کو دیکھتا ہوں کوسوں آتے ہیں سراب آگے

۱۸ شومئی طالع سے میری خشک ہو جاتا تھا شیر — عہدِ طفلی میں اگر جاتا تھا میں مادر کے پاس

۱۹ میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی — لکھدیا منجملۂ اسبابِ ویرانی مجھے

۲۰ کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجئے — ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

۲۱ برگشتہ بخت ہم وہ۔ اس دور میں ہیں ساقی — لب تک کبھی ہمارے جام و سبو نہ آیا

۲۲ نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشکِ صحرا ہوں — لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا

۲۳ ایسی خلاف ہم سے ہوئی ہے ہوائے دہر — کافور کھائیے تو ہوں پیدا حرارتیں

۲۴ ہوں وہ محرومِ محبت کہ طفولیت میں — دستِ شفقت بھی پدر کا میرے سر پر نہ پھرا

۲۵ خیال و خواب میں شکلِ بہار اکدم نہیں دیکھی — پلے آغوشِ حسرت میں۔ ہوئے پیدا خزاں میں ہم

۲۶ مثالِ نَے ہے مرا جب تلک کہ دم میں دم — فغاں ہے میرے لئے اور میں فغاں کے لئے

۲۷ دہنِ گرگ سے جیتا بچوں صحرا میں — ذبح کرنے کی لئے مول لے قصاب مجھے

۲۸ دوسرا مجھ سا زمانے میں نہیں برگشتہ بخت — گور میں چوری کفن جاتا جو خلعت مانگتا

۲۹ میں وہ ہوں گمنام جب دفتر میں نام آیا مرا — رہ گیا بس منشیٔ قدرت جگہ واں چھوڑ کر

۳۰ اثرِ آسودگی کو وہ کہاں کس چیز میں ڈھونڈے — کہ جس قسمت زدہ کا خواب بھی خوابِ پریشاں ہے

۳۱ بگولے اس لئے منڈلا رہے ہیں میرے مدفن پہ — کہ یہ دھبہ بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر

۳۲ نہ ہوگا مجھ سا دنیا میں کوئی ناکام سو سو کوس — کہ مطلب بھاگتا ہے سُنکے میرا نام سو سو کوس

۳۳ جو نہ ہوں عقدے کبھی جوں غنچۂ تصویر وا — ولے قسمت وہ ہمارے عقدۂ مطلب ہو

بخت ہیں وُہ رُو کش کہ وُہ دے جو وعدۂ شب
مجھے موت آئی تو حسرت یہ بولی
رکھتا ہوں ایسے طالع بیدار میں۔ کہ رات
ہم گئے جسکی طرف جوں گُلِ بازی اُسنے
ہم وحشیوں کے بخت جو برگشتہ ہیں سو ہیں
سمجھا تھا جنکو پھول۔ وُہ نکلے شرارِ سنگ
وشی کا ایک دن دیکھا نہیں آ کے دُنیا میں
پھینک دو کاٹ کے جڑ نخلِ تمنّا کی امیر
آرزو اپنی نہ مطلب سے کبھی واقف ہوئی
قسمت کو تو دیکھو کہ پھرا نامہ بر اُسدم
قسمت گئی نہ لیکے کسی قدرداں تلک
ہے وُہ قسمت فقیر ہو جاؤں
کدھر بہکی پھرتی ہے اے بیکسی تو
ناسازگاری اپنے طالع کی کیا کہیں ہم
ہرچند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں نا قبول
یہ گردوں ابتدا سے اب تلک ممنون ہے میرا
بخت ایسے ہیں جنوں ہوتا بجائے عقل و ہوش
خرمنِ عالم میں جو دانہ مری قسمت کا ہے
ہاتھ آئے کس طرح دورِ جہاں میں جامِ عیش
بخت بد نے آبِ دریا کو کیا ریگِ رواں
وہ بے نشاں ہیں ہم کہ فرشتوں کو روزِ حشر

تو پہنچ کے تا بمغرب پھرے آفتاب اُلٹا
کہ دُنیا سے وارث اُٹھا بیکسی کا
ہمسایہ میرے نالوں کی دولت نہ سو سکا — میر درد
پاس آنے نہ دیا۔ دُور ہی پھینکا ہم کو
سیدھی کسی طرح نہ ہو جیسے ہرن کی شاخ
شیشے مرے نصیب سے پتّھر کے ہو گئے
رہا ہر ماہ پر مجھ کو یقیں ماہِ محرّم کا — ناسخ
پھول کمبخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے — امیر
اس دولہن نے مُنہ نہیں دیکھا کبھی نوشاہ کا — "
جسوقت مرے سر پہ تقاضا تھا قضا کا — آتش
وُہ مدّعا ہوں میں جو نہ پہنچا بیاں تلک — ظفر
میرے سر پر اگر ہما بیٹھے — "
تری جنبش کا یاں خم سر بدار میں ہوں — درد
آیا کبھو نہ یاں تک غیروں سے بار لڑ کر — میر تقی
منہ پھیر لے وُہ۔ جسکے مجھے روبرو کریں — درد
سکھائی گردش اس کو جسنے وہ میرا مقدّر تھا — فصاحت
ملتی عریانی اگر بھولے سے خلعت مانگتا — آباد
برق کی خاطر ہے کب ہے آسیا کے واسطے — ظفر
بخت بد سے یاں خمِ افلاس تک معکوس ہے — آباد
میری قسمت سے مبادا حوضِ کوثر خشک ہو — ناسخ
ڈھونڈے ملی نہ فرد ہمارے حساب کی — امیر

۵۵ دیکھ اے شامِ غریبی وہ مسافر میں ہوں
جس کا گھر بار نہ ہو جس کو وطن یاد نہ ہو

۵۶ اے سیہ بختی تیری تاثیر کا قائل ہوں میں
ہاتھ ڈالا جس دوشالے پر وہ کمبل ہو گیا

۵۷ جلائے ہیں نحوست نے ہمارے سینکڑوں گلشن
وہاں بجلی گری ہے آشیاں جس جا بنایا ہو

۵۸ مرنے کا اپنے غم نہیں۔ پر غم یہ ہے۔ کہ غم
بے کس ہوا غریب ہوا۔ بے وطن ہوا

۵۹ نہ نکلیں اشکِ حسرت نزع میں اس بیکسی پہ کیونکر
وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی مجھ پر رونیوالا تک

۶۰ ایک ساعت بھی زمانے میں ہوا ہم کو نہ اوج
آسماں پر کیا ہمارے اوج کا اختر نہیں

۶۱ مرگِ غربت مجھ کو بہتر ہے وطن کی موت سے
رونیوالا کون ہے مجھ خانماں برباد پر

۶۲ وائے قسمت کب عیادت کے لئے آیا ہے وہ
جبکہ بیمارِ محبت میں رہا کچھ بھی نہیں

۶۳ میں ننگ ہوں اتنا کہ قبیلہ میں سے کوئی
میراث کے لینے کو بھی وارث نہ کہایا

۶۴ جو قسمت بعد مدت راہ پر آئی۔ تو کیا آئی
ادھر وہ آئے ملنے کو۔ اُدھر میری قضا آئی

۶۵ نہ ہوگا دوسرا مجھ سا کوئی ہیٹا مقدر کا
نہ شفقت باپ کی دیکھی۔ نہ چین آغوشِ مادر کا

۶۶ ہوں وہ بلبل نخلِ ماتم پر نشیمن ہے مرا
زمزموں کے بدلے مجھ کو نوحہ خوانی چاہیئے

۶۷ گردشِ الفت سے ہے اُلٹا اثر تدبیر کا
وہ بھی اب ملتا نہیں جو ہے مری تقدیر کا

۶۸ قسمت نہ لیگئی ہمیں تا ساحلِ مراد
دریا میں ڈوبے۔ نکلے جو کامِ نہنگ سے

۶۹ گر طلب فوج و نشاں کرتا تو ملتے اشک و آہ
ہاتھ آتی سینہ کوبی۔ گر میں نوبت مانگتا

۷۰ بدنصیب ایسا ہوں میں دیکھی نہ روئے ناں کبھی
کوئی بنوائے اگر تنور میری خاک سے

۷۱ طالع برگشتہ۔ بختِ خفتہ مت پوچھو کہ ہم
غش پڑی تھی پھر گیا وہ جان کر سوتا ہمیں

۷۲ ہوں وہ ناکام مجھے وصلِ بتاں تو کیسا
سر کے ٹکرانے کو ملتا نہیں پتھر کوئی

۷۳ حسبِ خواہش سے مری ہے میری تقدیر خلاف
نیش ہاتھ آیا جو درکار ہوا نوش مجھے

۷۴ ہوں میں وہ بیکس ہوا کوئی نہ مجھ پر نوحہ گر
آدمی تو کیا چراغِ گور تک خاموش ہے

۷۵ ناکامیوں سے کام عمر بھر رہا ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں

کیا نیرنگ ہیں اس گلشنِ ایجاد کے
برگشتہ نصیب اپنے نہ پھرتے کبھی دیکھے
اے محرومی نہ پہنچے چشمۂ مقصود تک
رات بھر آنکھوں کو اس اُمید پر رکھتا ہوں بند
وہ بھی ہوگا کوئی اُمید بر آئی جس کی
کیا ہاتھ اُٹھاؤں بہرِ دُعا سُوئے آسماں
ہر شام مثلِ شام ہُوں میں تیرہ روزگار
پاؤں میں زنجیرِ الفت اور گلے میں طوقِ غم
بسِ مرگ میری مٹی رہی دید کو ترستی
غم خانۂ جہاں میں وقعت ہی کیا ہماری
اللہ رے بیمارِ غمِ ہجر کی قسمت
سبھی باغِ جہاں میں مثلِ گل خنداں ہیں پر بخشا
آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب
جیسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
حسن کھو کر آشنا ہم سے ہُوا وہ نونہال
خفتگیٔ بخت کی کیا کہیئے کہ جز خوابِ عدم

پر نہ نکلے تھے کہ آئے دام میں صیاد کے
ہر چند رہی گردشِ ایّام زمیں پر — سودا
سوکھے گھاٹوں تشنہ کاموں کا آتا رہا ہو گیا
خواب میں دیکھوں میں شاید طالعِ بیدار کو
اپنا مطلب تو نہ اِس پیرہن سے نکلا
بر آئے جو کبھی وُہ میری آرزو نہیں
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہُوں
کہ دلِ وحشی کو میری کیونکر ہوں آزادیاں
ولے اُس طرف سے اپنا تک نہ وُہ زینہار گذرا
اک ناشنیدہ اُف ہیں اِک آہِ بے اثر ہیں
اب آئے ہو جب سب گئے پاسیں تشنا کے
فلک نے شبنم آسا اک ہمیں کو کار رونے کا
کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد — غالب
وہ شخص دِن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو
پہنچے شب زیرِ شجر ہم - جب ثمر جاتا رہا
عُمر بھر دیدۂ بیدار نے سونے نہ دیا — ناسخ

میں وہ برگِ خزاں دیدہ ہُوں اِس گلزارِ ہستی میں
بگولے جس کے شائق جس پہ عاشق بادِ صرصر ہو

ہمسائے جاگتے رہے نالوں سے رات بھر
زیست ہے میری جہاں میں گوسفندوں کی طرح
طالع جو خوب تھے نہ ہوا جاہ کچھ نصیب

سوئے ہوئے نصیب کو کیونکر جگائیں ہم
آسماں نے ذبح کرنے کے لئے پالا مجھے — ناسخ
سر پہ مرے کروڑ برس تک ہما پھرا — میر تقی

96. مجھ کو گردش سے ملی اک دم نہ دُنیا میں نجات
جب گیا دورانِ سر پاؤں کو چکّر ہو گیا — جوہر

97. بعد میرے کون ہو گا دوسرا غم آشنا
غم کو میں روتا ہوں۔ روتا ہے مجھے غم دیکھ کر — سحر

98. لفظ جب آرام کا منہ سے کسی کے سُن لیا
ہائے کس حسرت سے پوچھا ہم نے کیا آرام کیا — ذوق

99. برگشتہ بخت وُہ ہوں کہ بیچوں جو دل کہیں
پھر جائے لیتے لیتے خریدار کی صلاح

100. تباہی کا وہ حصّہ جو ہُوا تقسیم دُنیا پر
اُسے بھی لکھ دیا ہوتا ہمارے ہی مقدر میں — درد

101. ہوں میں وُہ سنگ کہ دہقانِ فلک نے مجھ کو
گردشِ دہر کے گرد پھرا کر پھینکا — ظفر

102. نے مرا مونس ہی کوئی اور نہ کوئی غمگسار
غم مرا غمخوار ہے میں غم کے غمخواروں میں ہوں

103. ایسے طالع ہیں کروں گر ایک دانے پر نگاہ
گنجِ قاروں کی طرح دھنس جائے خرمن خاک میں — ناسخ

104. وہ زبوں بخت شجر ہوں میں کہ دہقاں میرا
پیچھے ہوتا ہے مجھے پہلے تبر لیتا ہے — آتش

105. میں بِک چکا تھا شومئے طالع کو کیا کہوں
بیعانہ دیتے دیتے خریدار رہ گیا

106. ایک محرُوم چلے میر ہمیں عالم سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ — میر تقی

107. آہ میں کیا کہوں کیا جنس ہُوں جوں ہیزمِ خشک
جو خریدار خریدے وُہ جلاتا ہے مجھے — جرأت

108. بسانِ آسیا گردش ہے بخت کو ہر دم
پہنچنے دیگا نہ دانہ بھی آسماں مُنہ میں — اثر

109. ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پر کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کے لئے — مومن

110. بہت سعی کریئے تو مر رہیے میر
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے — میر تقی

111. ہمخواب ہوتا خواب میں بھی دیکھتے نہیں
بخت اپنے ایسے تیری محبت میں سو گئے — ظفر

تصویرِ ضعف و ناتوانی

1. دکھلائی دی نہ لاش اُٹھاتے کسے عزیز
احسان کیا یہ مجھ پہ مرے جسمِ زار نے — سحر

2. بولے مجھ زار کی تُربت میں نکیرین امیر
لاش تو ہے نہیں خالی یہ کفن کس کا ہے

3. دکھایا ضعف نے زور اپنا جب مکان سے چلے
مثالِ نبض وہیں رہ گئے جہاں سے چلے

ناتواں ہوں اس قدر گر جاؤں جاں سے بھی گزر
ناتوانی نے بچا رکھی ہے اب تک جانِ زار
اللہ رے لاغری کہ میں بیٹھا ہوں سامنے
لاغر تھا اس قدر کہ نہ آیا نظر اسے
ناتوانی بن گئی تیمار دارِ قبضِ روح
چھپایا ناتوانی نے یہ میرے جسمِ لاغر کو
جو موت آئے تو پہچانے نہ مجھ کو
موت بھی سو بار آئی اور الٹی پھر گئی
لاغر ہوں اپنے کلبۂ احزاں میں اس قدر
سایہ نہ دھوپ میں ہے نہ ہے آئینہ میں عکس
ناتوانی نے کیا اس قدر اب زار و نحیف
ہمرنگ لاغری سے ہوں گل کی شمیم کا
ناتوانی کے سبب لب تک پہنچنا ہے محال
ہو فشارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود
ایسا ہوں ناتواں کہ درِ دل سے آپ کِلہ
بنا ہوں میں نفسِ واپسیں نقاہت سے
لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
ضعف سے ایسا خمیدہ ہوں چلوں گر دو قدم
ناتوانی نے بنایا ہے زبس زار و نحیف
لاغری سے حال اپنا کیا کہوں۔ کیا ہو گیا
اپنے سر کو ٹھوکریں لگتی ہیں اپنے پاؤں کی

اٹھائے مور لاشہ کو ہمارے دستِ قدر گاہ سے — ذوق
لاغری سے ہم اجل کو بھی نظر آئے نہیں
مقتل میں ہو رہی ہے گنہ گار کی تلاش
ناکام ڈھونڈھ کر مجھے پیکِ اجل گیا — کلام
کھا کے دھوکا موت نے بالیں پہ بستر رکھ دیا
کہ بستر پہ نہ پایا مجھ کو ڈھونڈھا کی قضا کیا کیا — جرات
ہوا ہوں ہجر میں لاغر یہاں تک — مہ
شکل پہچانی نہیں جاتی ترے بیمار کی — داغ
دیوار کی دراز بھی اب در سے کم نہیں
باقی نہیں ہے خاک میرے جسمِ زار میں
دب کے مر جاؤں اگر سایۂ دیوار پڑے — رند
طوفانِ یاد ہے مجھے جھونکا نسیم کا
کھینچ کر سینے سے کیا تکلیف دوں میں آہ کو — رند
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں
آتا ہے ایک عمر میں میری زباں تلک
نہ آ کے جانیکی طاقت نہ جا کے آنیکی
میرا ذمہ۔ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے — غالب
صورتِ دامن ہوا آلودہ گریباں خاک میں
میرے دب جانیکو ہے سایۂ دیوار بہت — رند
میں زمیں پر نقشِ پائے مور گویا ہو گیا — ظفر
قد ہمارا ناتوانی سے نہایت خم ہوا — ناسخ

۲۵ ناتوانی مری مت پوچھ کہوں کیا ہمدم
بات کہنے میں میرا دم ہی ہوا ہوتا ہے

۲۶ جان کو آنے دے لب تک نزع میں کب تک ہوں
دشمنی مجھ سے نہ کرائے ناتوانی اس قدر

۲۷ ساری رگیں ہوئی ہیں تنِ زار پر نمود
ناطاقتی نے جسم کو مسطر بنا دیا

۲۸ کر دیا ایسا خمیدہ ناتوانی نے مجھے
چُور اپنی ٹھوکروں سے کاسۂ سر ہو گیا

۲۹ لاغری سے یاں نہیں ہے جسم لیکن جان ہے
جس طرح سے جسم تصویروں کا ہے اور جان نہیں

۳۰ ناتوانی ہے پہنچ سکتا نہیں ہاتھ اے جنوں
دامنِ صحرا سے بھی اپنا گریباں دور ہے

۳۱ اس قدر ہوں ناتواں ہرگز پہنچ سکتا نہیں
دوڑتا ہوں میں جو پیچھے سایۂ دیوار کے

۳۲ لاغری سے زندگی مشکل ہوئی
ہے گراں تر جاں جسمِ زار سے

۳۳ جان کر کانٹا مسافر بچ کے رکھتے ہیں قدم
اس قدر میں وادیٔ غربت میں لاغر ہو گیا

۳۴ وہ لاغر ہوں نہ ہاتھ آئے اسے میرا نشاں برسوں
چراغ مہر لے کر جو ڈھونڈے آسماں برسوں

۳۵ اس قدر زار ہوں میں۔ باد کے ہر جھونکے میں
اڑ کے پڑ جاتا ہوں گھر سے معہ بستر باہر

۳۶ اب تو مرجانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

۳۷ ملتا نہیں کفن میں میرا جسمِ ناتواں
منکر نکیر ڈھونڈھ رہے ہیں مزار میں

۳۸ ناتوانی کے سبب یہ حال پہنچا ہے خلیل
شکل تصویر گلی اعضائے تن بیکار ہیں

۳۹ وہ چلے جاتے ہیں لیکن میں بلا سکتا نہیں
ضعف سے جنبش نہیں بہر اشارت ہاتھ میں

۴۰ پاؤں سر پر آ رہے جھک کر وفورِ ضعف سے
یار لائے کچھ نہالِ ناتوانی۔ چاہیئے

۴۱ عذابِ قبر سے مجھ کو چھڑایا ناتوانی نے
فرشتوں کو میرا لاشہ نظر آیا نہ مدفن میں

۴۲ ناتوانی نے حیاتِ جاودانی دی مجھے
کیا اجل پائے نشان عاشق کے جسمِ زار کا

۴۳ ہاں مدد طاقت۔ کہ ہے ضعف سے سینے میں دم
دیکھیئے لب تک خدا کیونکر مجھے پہنچائے ہے

۴۴ جسم ایسا گھل گیا مجھ سے مریضِ عشق کا
دیکھ کر کہتے ہیں سب تعویذ ہے۔ بازو نہیں

۴۵ یہ لاغری ہے کہ بستر پہ رات بھر مجھ کو
اجل نے ڈھونڈھا۔ تو پایا سراغ صبح کے وقت

…توانی سے ہے حالت غیر ہجرِ یار میں
…گئے تاب و تواں اب زورِ شورِ ناتوانی ہے
…گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
…ار آتا ہے پر اُٹھ سکتا نہیں بستر سے میں
…توانی سے یہ احوال ہوا ہے اب تو
…دے چھوڑوں میں صیّاد سے اپنے لیکن
…وانی بھی عجب شے ہے کہ گلشن میں نسیم
…واں ہیں کہ تنِ زار مرا دیکھ سکا
ناتواں ہوں کہ ہوں۔ اور نظر نہیں آتا
…غر کیا ہے فرقتِ جاناں نے اس قدر
…تنک ہوں میں ضعیف کہ کہتی ہیں میرے عضو
…ار ضعف ہی باعث ہے زندگانی کا
…لٹد رے ناتوانی جب شدّتِ قلق میں
…ہوگی طے راہِ عدم کیونکر کہ مجھ کو ضعف ہی
…ضُعف سے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
…ضُعف اسے کہتے ہیں سینہ سے لبوں تک آنے
…وہ آئے بھی جو بالیں پر تو ایسے وقت میں آئے
مریضِ ہجر نے اس درجہ کیا زار و نحیف
…بہت اے لاغری آئی ہمارے کام تو برسوں
…ضعف کیا تیرے مریضِ زار پر الحمد دوست
…آ گیا ضعف ہی کچھ کام کہ تربت میں اسیر

دم نکل جاتا ہے اپنا ساتھ ہر اک آہ کے
زباں تک آہ آتی ہے نہ نالہ لب تک آتا ہی
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسےٰ نہ ہوا
ناتُوانی نے رکھا محرُوم استقبال سے
کہ سنائی نہیں دیتی تیرے رنجُور کی بات
ضُعف سے میری نہیں طاقتِ فریاد نہیں
نِت لئے پھرتی ہے دوش اوپر برنگِ بُو مُجھے — سودا
خُوب دھوکے میں اُسے نارِ فنا نے رکھا
میرا بھی حال ہوا تیری ہی کمر کا سا
گویا ہماری جان فقط ہے۔ بدن نہیں
باریک و ناتُواں ہے اب اُس کی کمر کہ ہم
کہ اب تو قوّتِ پروازِ مُرغِ جاں میں نہیں — اختر
بالیں سے سَر اُٹھایا۔ دیوار تک نہ پہنچا — مومن
اُس کے مُنہ تک ہاتھ لیجانا سفر ہے دُور کا
رنگ ہو کر اُڑ گیا جو خُوں کہ دامن میں نہیں — نا
سَو جگہ راہ میں نالہ مرا بیٹھا اٹّھا
کہ فرطِ ضعف سے ہم کر نہیں سکتے اشارہ تک
ڈھونڈتی پھرتی ہے مجھ کو مرے صیّاد کی آنکھ
نہ پایا مجھ کو۔ کی ہر چند اجل نے جستجو برسوں — سحر
تھا فقط تعویذ ہی تعویذ بازو کچھ نہ تھا
ہوگئی ختم قیامت میرے اُٹھنے اُٹھتے

۶۷ رہتا نہیں کفن میں میرا جسم ناتواں — منکر نکیر ڈھونڈھ رہے ہیں مزار میں

۶۸ اتنا ہوئے لاغری سے جب نظر آیا نہیں — ہنس کے وہ کہنے لگے بستر کو جھاڑا چاہئے

۶۹ ناتوانی سے یہ نقشہ ہے ترے رنجور کا — سمجھے پائے پیل گر صدمہ ہو پائے مور کا

۷۰ ضعف سے رہتا ہے اب پاؤں پہ سر — آپ اپنی ٹھوکریں کھاتے ہیں ہم

۷۱ پسا جاتا ہوں بار ضعف سے اٹھا نہیں جاتا — وہ لاغر ہوں گراں مجھ پر لباس ناتوانی ہے

۷۲ فرقت ساقی میں ایسا ہو گیا ہوں ناتواں — قطرۂ مے میرے حق میں کم نہیں سیلاب سے

۷۳ جھک گیا ہوں ضعف سے راہ طلب میں اس قدر
چبھتے ہیں ہر ہر قدم پر خار مژگاں پاؤں میں

۷۴ ناتواں ایسا ہوں گویا میں کنوئیں میں گر پڑا — آگیا ہے جب کسی چیونٹی کا روزن زیر پا

۷۵ کر دیا ایسا خمیدہ ناتوانی نے مجھے — چور اپنا ٹھوکروں سے کاسۂ سر ہو گیا

۷۶ اللہ رے لاغری کہ ترے ناتواں کی لاش — اڑتی پھرے ہے بوئے عبیر کفن کے ساتھ

۷۷ اٹھے دست دعا کیا ضعف نے اتنا گھلایا ہے — جسے میں ہاتھ سمجھا تھا وہ خالی آستیں نکلی

۷۸ لاغر ہوں اس قدر مجھے پہچانتی نہیں — رہ رہ کے دیکھتی ہے قضا سر سے پاؤں تک

۷۹ یہاں تک لاغری ہے اس ترے بیمار کے تن کو
عجب کیا ہے جو سمجھے طوق گردن چشم سوزن کو

۸۰ اٹھا سکتے نہیں بے طاقتی کا بار بھی اب ہم — ہوئے ہیں ناتواں ایسے کہ جینا تک بھی بھاری ہے

آئینہ

۱ صاف خوب و زشت کہہ دیتا ہے منہ پر آئینہ — دل ہے دیدے کی صفائی آنکھ شرماتی نہیں

۲ آئینہ منہ پہ بھلا اور برا کہتا ہے — سچ یہ ہے صاف جو ہوتا ہے صفا کہتا ہے

۳ کوئی جیسا ہو اسے ویسا ہی آتا ہے نظر — نیک و بد کا کچھ نہیں ہے اختیار آئینہ کو

صفائی دیکھ ظفر آئینے کے دیدے کی — نہ خوب رُو سے اُس کو نہ زشت رُو سے لحاظ — ظفر

شکل خوب و زشت ہو اس میں ہویدا صاف صاف — حق نمائی کا مگر رکھتا ہے جوہر آئینہ

آئینہ میں کب نظر آتی ہے تم کو شکلِ غیر — کیا دلِ صافی میں دخل اغیار اور حُسّاد کا

سینہ صافی سے ہے آئینہ کو رُتبہ حاصل — جیسا ہووے کوئی ویسا نظر آتا ہوں میں — آتش

صاف باطن زر کے لالچ حق چھپاتے نہیں — آئینے کو زشت رُو سونے میں منہ دھوتے ہیں

بہ رنگِ آئینہ طینت ہماری صاف ہے لیکن — بُرائی منہ پہ کہہ دیتے ہیں اتنا عیب رکھتے ہیں

صورت پرست ہوں ہیں مانند آئینے کے — جو کچھ ہے میرے دل میں سو میرے رُوبرو ہے

جو ہے دل میں وہی مُنہ پر لاتے ہیں آئینہ وار — ہم نہیں ہیں وہ کہ دل میں اور مُنہ پر اور ہے

صورتِ آئینہ ہم رکھتے ہیں دل اپنا صاف — نہیں اک ذرّہ کسی سے بھی کدورت ہمکو

حالتِ آئینہ رکھتا ہے صفائے دل مرا — آشنا سے آشنا۔ بیگانہ سے بیگانہ ہے — آتش

بر روئے شش جہات در آئینہ باز ہے — اب امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا — غالب

آئینہ وار ہے دلِ صاف مرا سب سے خلیق — میں سمجھتا ہی نہیں بغض و عداوت کیا ہے — خلیق

کر دیا جوہرِ ذاتی کو اسی نقص نے عیب — عَیب پوشی کے ہُنر سے ہے بری آئینہ — ناسخ

نہ رکھے خوبی و زشتی سے غرض آئینہ وار — گھر میں مہمان جیسے اہلِ صفا نے رکھا — ذوق

دلِ صاف ہو تو چاہیئے معنی پرست ہو — آئینہ خاک صاف ہے۔ صورت پرست ہے — "

کدورت اپنے چہروں کی نظر آتی ہے لوگوں کو — تماشہ ہے کہ اُلٹے آئینے میں زنگ ٹھہرایا

آئینے کو دوست رکھتے ہیں جہاں کے خوب و زشت
دِل ہوُا جب صاف تب عالم سے جھگڑا پاک ہے — ناسخ

ملیں مشتاق آئینہ کے جو وہ صاف طینت ہیں
آہن ہو یا ہو سنگ ہے سب جلوہ گاہِ یار
ہے مظہرِ انوارِ صفا میری کدورت

صفا، تو عارضی ہے اور کدورت کس کی والی ہے
جوں آئینہ ہر ایک گذ میں صفا کو دیکھ
ہر چند کہ آہن ہوں پر آئینہ بنا ہوں

٢٤ پیدا جو آئینے میں بھی ہوتی صفائیٔ دِل
سینے میں اپنے رکھتا سکندر بجائے دل

٢٥ کیا ہے خود پسند آئینے نے سارے حسینوں کو
بڑا یہ عیب نکلا صنعت دستِ سکندر میں

٢٦ غرورِ حسن ہوا۔ ہر حسین ہُوا خود بیں
بنایا آئینہ کیوں۔ کیا کہوں سکندر کو

٢٧ حُسن سے آگاہ کر۔ مغرور خُوباں کو کیا
گاڑ ہی دینا تھا آئینہ کو اسکندر میت

٢٨ سمجھ تو مومنؔ اگر ناروا ہے خُود بینی
تو دیکھیں کاہے کو پرہیزگار آئینہ

٢٩ کدورت آئینے کی دُور ہو نہ بے صیقل
صفائیٔ قلب کی بے اتّقا نہیں ہوتی

٣٠ ناصاف آئینہ ہو تو بدتر ہے سنگ سے
روشن یہ حال ہم کو جِلا کار نے کیا

٣١ سینکڑوں سامنے آجائیں پہ یوں جانے کہ کون
کیا ہی رکھتا ہے دلا بے خبری آئینہ

٣٢ اے دردؔ مثلِ آئینہ ڈھونڈھ اُس کو آپ میں
بیرونِ در تو اپنی قدم گاہ ہی نہیں

٣٣ ہر چند آئینہ ہُوں۔ پر اتنا ہوں ناقبول
مُنہ پھیر لے وُہ۔ جس کے مجھے روبرو کریں

٣٤ بد سے نہ رکھوں کام نہ کچھ نیک سے مطلب
عالم کی مگر آئینہ ساں دید کروں میں

٣٥ صورتِ آئینہ ہر صورت سے ہے وہ آشنا
یار اگر یاروں میں ہے عیّار عیّاروں میں ہے

٣٦ اسی جوہر سے ہی ہر دلعزیز آئینہ دُنیا میں
اُسی کی شکل بنجاتا ہے یہ جس سے مقابل ہے

٣٧ پاس دل رکھتا ہے منظورِ نظر ہر آئینہ
نیک و بد سے پیش آتا ہے برابر آئینہ

٣٨ آئینہ کی طرح غافل کھول چھاتی کے کواڑ
دیکھ تو ہے کون یارے تیری کاشانے کے بیچ

٣٩ ہنر سے دُور ہے بد اصل کی خلقت کہ آئینہ
خمیرِ سنگ سے بنتا ہے تو جوہر نہیں ہوتا

٤٠ مثالِ آئینہ تو بھی اگر بیٹھا رہے گھر میں
جمالِ شاہدِ مقصود پیدا ہو تیرے بر میں

٤١ بسانِ آئینہ مشتاقِ دید ہیں تیرے
کچھ اَور کہتے نہیں تجھ سے باصفا اخلاص

٤٢ سنگدل سے صفا دل پیدا جو ہو کب ہے مُحال
اہلِ صنعت سنگ سے کرتے ہیں تیار آئینہ

٤٣ ہیں جو روشن طبع حُبّ مال و زر رکھتے نہیں
گھر میں کچھ رکھتا نہیں اسباب زنہار آئینہ

٤٤ کیوں مشقّت سے بناتا آئینہ فولاد کا
واقعی ہوتا دلِ روشن جو اسکندر کے پاس

خاک آئینہ سے ہے نام سکندر روشن
دل میں رکھتے ہیں کدورت جو کہ ہیں ظاہر میں صاف
فرزند اس زمانے میں کب ہو پدر سے صاف
فی الحقیقت روشن آئینہ کو کرتا ہے غبار
ہے صفا حاصل تو بینائی بھی ہوا دل ضرور
جلا ہوتی ہے خاکستر سے یاں آئینہ کو دیکھو
ہے وہ صورت پرست بھی دیکھو - - -
آئینہ سے یہ ہمیں روشن ہوا
دل روشن ہے روشنگر کی منزل
بے نور سخت جانوں کو اے جان جانیئے
نیک و بد محو ہیں خاطر سے صفا مشرب کے
آئینے کو اپنی خلوت میں نہ رہنے دیجئے
کدورت میرے قلب صاف میں پیدا نہیں ہوتی
عزیز خلق ہونا ہی تو کلفت دور کر دل کی
تو جو آئینہ صفت غیر سے ہو جائیگا صاف
حاصل صفائے قلب ہے آئینے کی طرح
صفائی دیکھ جوں آئینہ بے دیدوں کی دیدے کی
جب آ جائیں مجھ میں شکل کو آپ اپنی دیکھ لیں
دل میں ہی کیا کیا کدورت پر وہ منہ پر دیکھنا
مجھ کو آئینہ سے یہ روشن ہوا سب کے حضور
کہتا ہے آئینہ کہ ہے تجھ سا بھی ایک اور

روشنی دیکھتا - گر دل کی صفائی کرتا
زنگ میں آلودہ پایا بیشتر آئینہ کو — آتش
آئینہ کو ہے سنگ سے ہونا صفا عجب
خاکساری سے ہمارا دل مصفا ہو گیا — آتش
صاف ہو کر آئینہ محتاج ہے سیماب کا
تماشہ ہے کدورت میں صفا کا کارخانہ ہے — ظفر
فقط آئینہ عیب جو ہی نہیں
محو حیرت رہتے ہیں بینائے یار
یہ آئینہ سکندر کا مکاں ہے
آئینہ لے کے دیکھئے پتھر کی آب و تاب
کب پڑا عکس سے آئینے کے دھبہ منہ پر
دیکھنے کا صاف باطن ہے مگر غماز ہے
مثال آئینہ یکساں نظر ہے دوست دشمن پر — فصاحت
کہاں محفل کے لائق ہے جو آئینہ مکدر ہی — جرار
تیری جانب سے مرے دل میں غبار آویگا؟ — ظفر
کیوں منہ پہ صاف صاف نہ عیب و ہنر کہوں — امیر
جہاں سے اٹھ گیا بالکل حیا کا کارخانہ ہی — ظفر
حیرت سے آئینہ میں بنا ہوں حضور کا — آباد
آئینہ کی طرح ہو کر صاف دیدہ آئینگے — ظفر
بے قراری طالب دیدار کو ہے اور نہیں — مصحفی
باور نہیں تو لا میں تیرے روبرو کر دوں — قائم

۶۶ آئینہ ہیں کہ شاہد و مشہود ایک ہے
اس روئے پاک کو نظرِ پاک چاہیئے

۶۷ صفائے حیرتِ آئینہ ہے سامانِ زنگ آخر
تغیّر آبِ برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

۶۸ تمہیں ہے نام سے کیا کام مثلِ آئینہ
جو روبرو ہوا اُسے صورت آشنا سمجھو

۶۹ آشنا معنی سے صورت آشنا ہوتا نہیں
آئینہ دل کی طرح سے حق نما ہوتا نہیں

۷۰ ہوتا آئینہ مکدّر ہے نفس سے ہمدم
بات کی کس کی کریں صاف جو ہو بردشت

۷۱ بنایا آئینہ لیکن کیا دل کو نہ آئینہ
نہ اتنی بات سوجھی چشمِ بینائے سکندر کو

۷۲ برنگِ آئینہ ہم اور سینہ صاف ہوئے
جو اپنے دل پہ کسی شکل سے غبار آیا

۷۳ کچھ نہ ہم سے سادہ لوحوں سے ہوا جوں آئینہ
غیر کے بیدم مگر عیب و ہنر دیکھا کئے

نگین

۱ گو روسیہ نگیں ہے ولے ہے سفید بخت
روشن ہے مہر و مہ کی طرح نام روز و شب

۲ وسعت آباد جہاں میں ہی جنہیں خواہشِ نام
گھر میں بھی تنگ وہ مانندِ نگیں رہتے ہیں

۳ روسیاہی گو اُٹھائی عشق میں ہم نے بہت
لیک مانندِ نگیں نام اپنا روشن رہ گیا

۴ سفلہ رسوائی سے خوش سیاہی سے جوں نقشِ نگیں
منہ ہوا کالا کیا اسے نام تو روشن ہوا۔

۵ مثلِ نگیں جو ہم سے ہوا کام۔ رہ گیا
ہم روسیاہ جاتے رہے۔ نام رہ گیا

۶ روسیاہی سے فقط نام و نشاں کی خواہش
اے نگیں چاہیئے بے نام و نشاں ہو جانا

۷ ہے جہاں میں خواہشِ نام و نشاں بیفائدہ
سینہ کاوی ہے نگیں کی طرح یاں بیفائدہ

۸ نگینے کے سوا کوئی بھی ایسا کام کرتا ہے
کہ ہو نام اور کا روشن اور اپنی روسیاہی ہو

۹ ہونا نگیں کی طرح سے ہے نامور وہی
کر لیتا دل پہ نقش جو ہے نیک بات کو

۱۰ پائے ثبات بھی ہے نام آوری کو لازم
مشہور ہی نگیں جو بیٹھا ہی گھر میں گڑ کر

۱۱ حیران ہوں میں کہ مثلِ نگیں بہرِ نامِ غیر
اپنا تو روسیاہ کرے گا کہاں تلک

گوشہ گیری سی ہے معدومی نے مجھے مقصودِ دل
بسکہ جہاں نقشِ فنا رکا ہی نگیں ہے
تجھ فردتن کی ہر جوں نقشِ نگیں بات پسند
اس صفحہ میں مانند نگیں آن کے سودا
جوں نگیں ہیگی جگر کا دی بہت
سیہ کاری ہے مانندِ نگیں ہر چند کام اپنا
مانند نگیں آپسے کاوش میں پڑا ہے
کسی کو کیا کوئی گھر اپنے دل میں کرنے دے
خاتم کے جو نگیں ہیں۔ کس کام کے لئے
آزادگاں کے ننگ ہیں وہ جو سیاہ بخت
شرف بخشا گُہر کو صرف کرکے تو نے زیور میں
بسکہ بٹھایا اپنی محبت کا یار نے
نام کندہ اُس پری رُو کا نگینِ دل میں ہی
نگینِ بے بہا تھا دِل ضرورت تھی حفاظت کی
وردِ زباں ہو نام ترا جسکو اے حبیب
زرگر نگیں سے ہرگز پیوند زر نہ کرتا
اسیرِ لطف و کرم کی رہائی مشکل ہے
تو نگیں توڑ نہ دل کا کہ بڑی محنت سے
کس لعلِ آتشیں کا دِل اپنا ہی شگفتہ
ہاتھ میں رکھنے سے تیری قدرِ انگشتر کھلی
اثر ہے وہ مری وحشت کا پتھر جس سی مضطر ہو

ٹوٹ جاتا ہے نگیں کھدتے ہی میرے نام کا
دِل جس سے لگا۔ پھر اُسے دیکھا تو نہیں ہے
گو بظاہر نہ ہو سیدھی مری گفتار کی طرح
وُہ مرد تھے جو اُٹھ گئے رکھ نام جہاں پر — سودا
کیا نکلتا ہے کسی کا نام سہل
نکالا رُوسفید آخر میں اس صفحہ میں نام اپنا
مشتاق جو کوئی ہے یہاں نام و نشاں کا — امین
نگیں سے دیکھ لے برعکس نام ہوتا ہے
گھر میں کوئی جگہ دے مگر نام کے لئے
نقشِ نگیں کی طرح سے ہیں قید نام میں
نگیں کو نام نے تیرے بٹھایا خانۂ زر میں — آتش
کندہ ہے مثلِ نقشِ نگیں دِل پہ نام دوست — رند
جسکی چاہت میں سلیماں جُھک کے خاتم ہو گیا — ناسخ
ترا نقشِ تصوّر اس میں بیٹھا پاسباں ہو کر
حاصل اُسے نگیں سے سوا اعتبار ہو — جوشش
اسمِ مُبارک اس کا جو نامور نہ کرتا — „
نگیں کو نام سے تیری جُدائی مشکل ہے
اسم کو میں نے تری کندہ کیا ہی اِس میں
جس پر ہمارا نام کھُدا۔ وہ نگیں چلا — „
نام اقدس سے نگینِ تاج ہر خاتم ہُوا — „
نگیں پر نام گر لکھدوں نکلکر گھر سے باہر ہو — ذوق

٣٣ خاتمِ دستِ سلیماں قدر کیا رکھتی ہے یاں
لوحِ محفوظ اک نگینہ ہے ہمارے نام کا

٣٤ انگشتری ہو نہ نہیں دستِ یار میں
نا آشنا نگینہ کی صورت سے نام ہے

٣٥ مُہرکن دیکھ کے تجھے کہتے ہیں ای محبوب
وہ نگینے ہیں کہ پیدا جو ترا نام کریں

٣٦ ہے نقش ترا نام پر برو میرے دل پہ
ہے نام تو اچھا۔ یہ نگینہ نہیں اچھا

٣٧ اُٹھ گیا صفحۂ ہستی سے نگیں کی صُورت
نہ رہا میں تو مرا نام رہا میرے بعد

٣٨ نام و نشاں رہا نہ جہاں میں تو کیا ہُوا
مثلِ نگیں تو منہ کو نہ اپنے سیاہ کر

٣٩ نگیں کی طرز یہ کیا سخت مجھ کو بھاتی ہے
کہ ایک نام کی خاطر جگر کھُداتی ہے

٤٠ معکوس ہی نگیں کی طرح میری سرنوشت
یاد آنے سے مقید نام و نشاں ہوں میں

٤١ رہا ہے جن کو دلِ مصفّا۔ بُرے کو بھی دیکھتے ہیں اچھا
پڑیگا عکس آئینے میں سیدھا ہزار اُلٹا ہو خط نگیں کا

٤٢ فقط ہے تیرا خیال باطل کہ راستی میں ہو نام حاصل
درست اُٹھے کبھی نہ اے دل جو نقش اُلٹا ہوا نگیں کا

٤٣ نگیں کو دیکھ لیں چاہیں جو نام عالم میں
کہ سینہ کاوی میں یہاں نام کو دیکھتے ہیں

٤٤ اے ظفر کس طرح بیٹھے خوب نقشِ مدّعا
سینہ کاوی تا نہ ہو مثلِ نگیں اچھی طرح

٤٥ نگیں کی طرح سے ہر چند دل فگار ہوئیں
برا اپنے یار کے ہاتھوں سے نامدار ہوئیں

٤٦ سخن اب لعل لب پر اُس کے اس خوبی سے آتا ہے
کہ تیری قدر و قیمت سب یہ اے حرفِ نگیں ڈوبی

٤٧ جانتا ہے دل ہی داغِ عشق کا ای داغ لطف
یہ فروغ روسیاہی اس نگیں سے پوچھیے

٤٨ کروں اگر نقشِ نامِ جاناں نگینِ دل پر میں اے سلیماں
٤٩ تمام عالم ہو زیرِ فرماں وبادِں پہلو ترے نگیں کا

٥٠ ناتوانی سراٹھانے دیتی ہی سجدے سے کب
سنگِ در تیرا نگینِ حلقۂ خاتم ہوا

ہم سا کوئی گمنام زمانے میں نہ ہوگا
دانی کہ در نگینِ سلیماں نوشتہ بود

ے ہی نام کی ایجان بس ہے گنجایش
ب سے دیکھا ہے ترا نام نگیں کے اوپر

اعتبار اصلاً نہیں گر ہے جہاں زیرِ نگیں
زعم میں اپنے تو میں بھی ہوں مسلماں لیکن

ہد کو ہم نے دیکھ لیا جوں نگیں یہ عکس
شرف بخشا گہر کو صرف کر کے تو نے زیور میں

عشق نے نقش بٹھایا جو نگینِ دل پر
یادِ نخلِ قامتِ جاناں میں گر رکھوں قدم

ادا ہو شکر ترا کس طرح زبانوں سے
کیوں نہ ہم چشموں میں ہو نام کہ تصویر تری

گم ہو وہ نگیں جس پہ کھدی نام ہمارا — آتش
آرے نوشتہ بود کہ ایں نیز بگذرد

وسعتِ دل بھی ہے مانندِ نگیں تھوڑی سی — ناسخ
خون ہوتا ہے یہ دل ہم وہ نگیں کیوں نہ ہوئے

اٹھ گیا دنیا سے خاتم کو سلیماں چھوڑ کر
نام میرا منتقش ہے نگیں میرے پر

روشن ہوا ہے نام تو اس روسیاہ کا — درد
نگیں کو نام نے تیرے بٹھایا خانۂ زر میں

میں نے جانا کہ زمانے میں ہیں حکاک ہنود — آتش
تو نگیں کی طرح پتھر میں شجر پیدا کروں — گویا

سمائے نام ترا کیونکر ان نگینوں میں — گویا
حلقۂ چشم میں مانندِ نگیں بیٹھ گئی — امیر

پڑھے سلیماں کے جتنے رٹنے تمہاری الفت کے تھے کرشمے
یہ نقش جس دل میں جم کے بیٹھے بلند ہو نام اس نگیں کا — ،،

کھدا ہوا ہے مرے دل پہ نقشِ الفت کا
خدا و پنجتن کے عشق نے اس میں جگہ کی ہے

نہیں ہے خیال مجھے خاتمِ سلیماں کا
روسیاہی سوا نہیں حاصل

از جگر کاوی چہ حاصل چوں نگیں

کب اس نگینے پہ کندہ تمہارا نام نہیں — آباد
نگینِ دل پہ اپنی نقش ہے مہرِ سلیماں کا — آتش
برنگِ نام ہوں برکندہ دل نگینے سے — درد
نام سے مت کرائے نگیں اخلاص — سودا
در جہاں نام و نشاں ہیچ است ہیچ — ظفر

یہ سب کو نفرت ہے ناموں سے کہ نام لیتے نہیں ہیں سیدھے
حروف الٹے کھدے جو دیکھے کھلا کہ دل بھر گیا نگیں کا — مسیح

نمبر	مصرعِ اول	مصرعِ ثانی	شاعر
٧٠	کافی ہے سر پہ داغِ جنوں ۔ دلیں نامِ یار	بیزار ہوں فلک تیری تاج و نگیں سے میں	
٧١	نام اپنا لکھا دے تو لکھا دل پہ تو میری	اس نام کو بہتر نہیں اس سے تو نگیں اور	
٧٢	ہمارے دل پہ محبت کا نقش کندہ ہے	ہلا سکے نہ سلیماں بھی اس نگیں کو نگیں	
٧٣	بھولی نہیں ہے مجھ کو بتوں کی ادا ہنوز	دل کے نگیں پہ نقش ہے نام خدا ہنوز	
٧٤	وہ حسن کیا ہے حسن ۔ یہ جو خاطر نشیں نہ ہو	کس کام کا وہ نام جو نقش نگیں نہ ہو	امیر
٧٥	دی رقیبوں کو نشانی جو انگوٹھی اُس نے	چوٹ دل پر صفتِ نقشِ نگیں بیٹھ گئی	
٧٦	ودیعت خانۂ بیداد کاوش ہائے مژگاں ہوں	نگینِ نامِ شاہد ہے مرے ہر قطرہ خوں تن میں	
٧٧	خیال جائے ترا کیونکہ میرے سینے سے	جدا ہوا ہے کہیں نقش بھی نگینے سے	
٧٨	ممکن نہیں جو حرفِ قضا ہو جبیں سے دُور	جب نقش ہو چکا نہیں ہوتا نگیں سے دُور	
٧٩	نگینِ سلیماں کہ تابندہ بود	ہمیں اسمِ اعظم درو کندہ بود	
٨٠	چند پریاں بھی کروں مثلِ سلیماں تسخیر	یہ قلمرو بھی رہے زیرِ نگیں تھوڑی سی	آتش
٨١	ہیں رو سیہ و خستہ گر مثلِ نگیں کہ ہم	اے وائے کہ تس پہ بھی نہیں خانہ نشیں ہم	قائم
٨٢	دسترس انگشت تک اس سیم تن کے پائیگا	نقش اپنا خانۂ زریں نگیں بٹھلائے گا	آتش
٨٣	خراشِ غم نے کیسا میرے دل کا رنگ چمکایا	زیادہ ہو گیا قیمت میں کندہ یہ نگیں ہو کر	امیر
٨٤	جگہ پکڑی ہے کیوں سینے میں دل نے اس سے کیا حاصل	کسی انگشتری میں اس کو رہنا تھا نگیں ہو کر	
٨٥	کب جڑا جائیگا خاتم میں نگیں یہ اُن کے	قدر رکھتا ہے مرے دل کا نگیں تھوڑی سی	آزاد
٨٦	پھر انہ مثلِ نگیں زخم یہ مرے دل کا	کہ تا ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا	بیداد

جنت

مصرعِ اول	مصرعِ ثانی
کہتے ہیں جسکو جنت وُہ اک جھلک ہے تیری	سب واعظوں کی باقی رنگیں کہانیاں ہیں

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش کرنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے — غالب

حاکم عادل ہے دیگا ہم کو میراثِ پدر
جائینگے جنت میں آدم کی اگر اولاد ہیں — رند

ڈال دوزخ میں مجھے بھیج دے یا جنت میں
تیری مرضی سے نہیں داورِ محشر باہر — رند

نکالے جانے پر جنت سے گر ہے نسل آدم کی
گذر ممکن نہیں اے شیخ پھر جنت میں انساں کا

جنت بھی یہی ہے ہمیں دوزخ بھی یہی ہے
جھگڑوں سے جو ہو پاک تو کیا بات ہے گھر کی

اگر دوزخ نہ ہوتا۔ قدر کرتا کون جنت کی
ہے رتبہ آم کی خست سے ہی حاتم کی سخاوت کا

دل عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب
کام چور اس کام پر کس منہ سے اجرت کی طلب — ذوق

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا — مومن

ہوا ہے چار سجدوں پر یہ دعویٰ زاہدو تم کو
خدا نے کیا تمہارے ہاتھ جنت بیچ ڈالی ہے — داغ

لے چلی ہے سوئے جنت حور و غلماں کی ہوس
مر کے بھی احسن نہ چھوٹی حرص و آزِ زندگی — احسن

یہ مزدِ بندگی ہے گر دیا جنت مجھے یارب
سوا اسکے اگر کچھ اور دیتا تو تو احسان تھا — رند

کیا کریں اس کی کہئیے جنت در بستہ دے
ورنہ مفلس غم زدوں کے کچھ نہ تھے کردار خوب

جنت میں جائیں ہم کہ جہنم میں جائیں ہم
مل جائے تو کہیں نہ کہیں تجھ کو پائیں ہم

معنی یہ ہیں کہ باغ میں ہم میکشی کریں
جنت میں جو شراب خدا نے حلال کی

زاہد مزہ تو جب ہے عذاب و ثواب کا
دوزخ میں بادہ کش نہ ہوں جنت میں تو نہ ہو

نہ جنت کے قابل نہ دوزخ کے لائق
مجھے کیوں کیا خلق اے میرے خالق

اہل جنت سے کرو دلبری حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سنتا نہیں پاس آکے واعظ

میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہ ہوں جنت میں
تو عزازیل پھر انسان کا بدخواہ نہ ہو

جب آنا موت کا ممکن نہیں جنت میں اے واعظ
تو پھر کس کام کے حوروں کے غمزے باغِ رضواں میں

بھاگ جاؤنگا جہنم کو میں جنت چھوڑ کر
آتے ہوں گے ناز آدم زاد کے گر حور کو

٢٢ شُبہ مالک کا فرشتوں کو ہوا رضواں پر — میں نے جو نالوں سے جنّت کو جہنم کر دیا

٢٣ کی خُدا نے کافروں پر اے صنم جنّت حرام — ورنہ کس کی آنکھ پڑتی تیرے ہوتے حُور پر

٢٤ فرشتو لیچلے اُس کوچہ سے کیوں جنّت میں تم مجھ کو — بھلا کیا ساکنانِ چرخ کا دعویٰ زمیں پر ہو

٢٥ اُٹھائے ہیں جہاں رنج آپ ایسے خُوبرویوں سے
پڑیگی آنکھ جنّت میں نہ اپنی حُور و غلماں پر

٢٦ سُنے جو حضرتِ واعظ سے وصفِ جنّت کے — تو صاف پھر گئی آنکھوں اُس مکاں کی طرح

٢٧ جنّت کو جائینگے لیے دوزخ بغل میں ہم — تاسخ یُونہیں جو بعدِ فنا ہے بقائے داغ

٢٨ جائے ہے جی نجات کے غم میں — ایسی جنّت گئی جہنم میں

٢٩ جنّت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا — پیری ہے پہلے مرگ سے ہونا عذاب کا

٣٠ جنّت کہ رضائے مادراں ست — اندر تہِ پائے مادراں ست

٣١ اس میں مُردے جاتے ہیں اور اسمیں زندے یارب — کیا بھلا ہے بابِ جنّت تیرے در کے سامنے

٣٢ داغ جنّت کو سدھارا کب اسی کوچے میں ہے
دُور جائے پاؤں کیوں اپنے ٹھکانے کے لئے

٣٣ تُو نہ ہو اے یار تو جنّت جہنم ہے مجھے — تُجھ کو دکھلا کر نہ دکھلائے خدا مُنہ حُور کا

٣٤ ملا جنّت میں یارب ہم سے تُو اس رشکِ جنّت کو — نہیں تو اشکِ خونی سے یہ فردوس بریں ڈوبی

٣٥ خیال آتا ہے جنّت کا تو آنکھوں میں پھر جائیں — وہ شہد و شیر کی نہریں زمینِ مشک و عنبر میں

٣٦ لیجائیں تیرے کُشتے کو جنّت میں بھی اگر — پھر پھر کے تیرے گھر کی طرف دیکھتا چلے

٣٧ سامنے جنّت و دوزخ ہیں کہیں بھیج تو چک — مجھ کو عُریان میانِ صفِ محشر نہ پھرا

٣٨ اہلِ جنّت کی بدولت ہوتی ہے منعم کی قدر — مرتبہ یے مس ہی یکساں خاک اور اکسیر کا

٣٩ ہے ہر اک آفت سے امین مسکنِ اہلِ فنا — باغِ جنّت کو خدا ہرگز خزاں کرتا نہیں

٤٠ فرشتوں نے درِ جنّت جو کھولا گور میں تو کیا — کہ مجھ کو بعد مُردن بھی خیالِ رُوئے جاناں ہے

شوقِ جنت ہم چلے جاتے ہیں مسکن چھوڑ کر
ساتھ اپنے ہی تمام اپنا سفر ہو جائیگا

خاک جنت میں لگیگا بعد مُردن دل مرا
نا دِ غلماں او نہ اندازِ انساں اور ہی

پھول لالے کے نظر آتے ہیں انگارے مجھے
باغ تھا جنت سو فُرقت میں جہنم ہو گیا

ٹھہرے قابلِ جنت نہ لائقِ دوزخ
نہ ہم یہیں کے ہوئے نہ ہم وہیں کے ہوئے

جنت کی ہوس واعظ بیجا ہے کہ عاشق کو
کہاں بسیر میں جی لگتا - گر دل نہ لگا ہوتا

منتِ رضواں کرے کیا ناسخ ای بابِ علوم
بابِ جنت کو بزنگِ بابِ خیبر کھول دے — ناسخ

دونوں سے علاقہ نہ رہا چاہ کے تم کو
جنت کے نہ دوزخ کے ہوئے وائے قیامت

جنت کو کوئی بدلے اگر اُس کی گلی سے
مرجاؤں ولے تو بھی میں جنت سے نہ بدلوں

وصفِ جنت جب کئے واعظ نے ممبر پر شروع
صاف میں سمجھا کہ کرتا ہے بیانِ کوئے دوست

پاک بازوں کے سوا کوئی ہو کیونکر باریاب
یہ درِ جنت ہے دروازہ تیرے گھر کا نہیں

جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جورِ اجلِ تفرقہ پرداز تو دیکھو

ستا لیے چار دِن مجھ کو گیا جس روز جنت میں
کہاں پیری دُہی میں ہوں ہی میری جُوانی کر

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے — اقبال

جنت بھی جہنم ہے غریب الوطنی میں
یارب نہیں میرے لئے بنوا دے ارم اور — آزند

جنت و حُور کا طالب ہوں میں افسوس افسوس
کارِ طاعت ہے باغراض معلل میرا — راسخ

روزِ خلقت سے وہی ہے باہر آ سکتی نہیں
کہتے ہیں جنت جسے ہے قیدخانہ حُور کا — اسیر

دیتے ہیں جنت حیاتِ دہر کے بدلے
نشہ بہ اندازۂ خُمار نہیں ہے — غالب

خبر بھی ہے آدم سے جنت چھٹی کیوں
خلافِ جبلت تھا بیکار رہنا

مول جنت کا ہوا نقدِ عبادت زاہد
ہے کہیں مال - کہیں دام لئے جاتے ہیں — دیگر

واعظ بجا کہے ہے جو ویرانہ کو بہشت
جنت اُسی کا نام ہے آدم جہاں نہ ہو — "

٣٦	کام آئیگا نہ کچھ زورِ جوانی وقتِ نزع	انتقام آخر کو لیگی ناتوانی وقتِ نزع
٣٧	بہ نوبہارِ جوانی اطاعتِ حق کُن	کہ چوب چو خشک گردی خم نمیگردد
٣٨	در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری ست	وقتِ پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار
٣٩	بہ عصیاں مگذراں زنہار ایّامِ جوانی را	مکن صرفِ زمینِ شور ایامِ جوانی را
٤٠	دشمن نہ تھا شباب تو نادان دوست تھا	بدنام کر گیا مجھے - بدنام ہو گیا
٤١	تا حشر اب نہ ہوگی ملاقات آپ سے	رخصت ہُوا یہ کہہ کے زمانہ شباب کا
٤٢	یاد آ گئیں شباب کی رنگیں مزاجیاں	جب شام کو شفق کا ہوا آشکارہ رنگ
٤٣	آرزو ہی آرزو ہے حاصلِ عہدِ شباب	آرزو ہی آرزو میں فیصلہ ہو جائیگا
٤٤	افسانۂ شباب خدارا نہ پوچھئے	دیکھا ہے جسکو جاگتے میں یہ وہ خواب تھا
٤٥	شباب تھا کہ دامِ واپسیں کی آمد و شُد	یہ مضطرب اِدھر آیا - اُدھر روانہ ہوا
٤٦	نہ جانے برق کی چشمک تھی یا شرر کی لپک	ذرا جو آنکھ جھپک کر کھُلی شباب نہ تھا
٤٧	لطف کہتے ہیں جسے خواب ہے بیداری کا	اور جوانی ہے فقط عالمِ جذبات کی رات
٤٨	شباب آیا کہ باغِ حُسن میں طرفہ بہار آئی	بلا کی آگئیں رعنائیاں اِن میں جواں ہو کر
٤٩	دو روز میں شباب کا عالم گذر گیا	بدنام کرنے آیا تھا - بدنام کر گیا
٥٠	ہو گیا جب عشق ہم آغوشِ طوفانِ شباب	عقل بیٹھی رہ گئی بالیں پہ شرمائی ہوئی
٥١	آج اے غافل جوانی میں اکڑنا ہے عبث	کل یہ قدِ راست محتاجِ عصا ہو جائیگا
٥٢	نہ پوچھ عیشِ جوانی کا ہم سے پیری میں	ملی تھی خواب میں وہ سلطنت شباب تھا
٥٣	رہتی ہے کب بہارِ جوانی تمام عُمر	مانندِ بوئے گل اِدھر آئی اُدھر گئی
٥٤	محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے	ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی
٥٥	جوانی کا جب اُترا نشہ سر سے تب یہ ہوش آئے بڑی نادانیاں کیں ہم نے دانائی کے پردے میں	

جو تھی حیات کی عہد شباب میں رونق
حیات تو رہی پیری میں لیک وہ نہ رہی — ظفر

تم اس میں جو اندیشۂ فردا نہیں رکھتے
ے داغ یہ کس کام کی مستی و جوانی — داغ

سمجھے ہو جسکو سانس وہ جھونکے خزاں کے ہیں
افل بس اب بہارِ جوانی تمام ہے — آغا شاعر

ایسا نہ ہو کہ تم کو جوانی نشہ کرے
ستی شراب کی سی ہے یہ آمدِ شباب — میر تقی

ننگ پیری ہے جوانی میری
ردیا ضعف نے عاجز غالب — غالب

اے شباب اے گلشنِ جنت نشانِ زندگی
ندگی رخصت ہوئی جسوقت تو رخصت ہوا — اکبر

ہیں یہ ولولے اپنے دکھا کے
لی منہ موڑ کر کیوں اے جوانی — جرأت

یہ عیش پھر کہاں جو جوانی گذر گئی
یرک شباب ہی میں ہے کچھ لطفِ زندگی — زیرک

اب ایک ایک کا منہ دیکھ رہے ہیں غفلت سے
ذر گئے ہیں جوانی کے دن جو غفلت سے — شاد

جو رات آخر ہوئی نکلا ستارہ صبح پیری کا
وانی ہنس کے کاٹی اب پلک پر اشک تر چمکی ہے — راسخ

ہم پیر کیا ہوئے کہ جہاں پیر ہو گیا
الم تمام اپنی جوانی سے تھا جواں — امیر

اک جن چڑھا ہوا تھا کہ سر سے اتر گیا
چھا ہوا شباب کا عالم گذر گیا — صمد

تو ایام جوانی میں مزہ ہے
اگر کچھ زندگانی میں مزہ ہے — غنی

کوسوں کس منہ سے ناتوانی کو
یا خفا کر دیا جوانی کو — سوز

پیری

ڈھونڈتے پیری میں ہیں کیا کیا ہمارے ہاتھ پاؤں
ے مدد ہلتے نہیں بے چوب چل سکتے نہیں — صفدر

پھر خاک غیر مرگ تمنا کرے کوئی
دندان و گوش و چشم ہی جب ساتھ چھوڑ دیں

تاروں سے باندھئے کہ ہیں تقصیر وار دانت
پیری میں بے قصور چلے ساتھ چھوڑ کر — محسن

ڈھونڈتے ہیں اب تو لاٹھی کے سہارے ہاتھ پاؤں
پیری صد عیب یہ سچی مثل ہے اے سرور — امیر

زندگانی کی طرف سے تو جواب آ ہی گیا
ہے پیام مرگ پیری۔ اب تو کر فکرِ سفر — زاہد

ایک ایک دانت اپنا ہلنے لگا دہن میں
پیری کی ہے یہ آمد یا زلزلہ ہے کوئی — جلال

جیسے کہ صبح ہوتے کر دیں چراغ ٹھنڈا
پیری سے ہو رہا ہے یوں دل کا داغ ٹھنڈا — مصحفی

سانس لینا رہ گیا اب زندگانی ہو چکی
وقت پیری آ گیا اکبر جوانی ہو چکی — اکبر

٩ تمام حسرتیں پیری میں ہوگئیں رخصت ــ بس ایک رہ گئی مرنے کی آرزو باقی

١٠ کیسے رفیق۔ آمد پیری میں چل بسے ــ منہ میں زبان رہ گئی۔ دنداں نکل گئے

١١ ملک الموت نے پیری میں کرم فرمایا ــ کشت پختہ ہوئی آتش تو محصل دوڑا

١٢ پیری میں ہوس دولت دنیا کی عبث ہے ــ سب جانتے ہیں حال چراغ سحری کا

١٣ اس رعشۂ پیری سے تو موت آنی ہے بہتر ــ دن رات ہے اک زلزلہ تعمیر میں میری

١٤ کانپیں اگر تو رعشۂ پیری نہ جانیو ــ چاک کفن کیواسطے ہیں بیقرار ہاتھ

١٥ عہد پیری میں ہے میرا قدِ خم گشتہ کماں ــ یہ نہیں عمر رواں تیر اسے کہتے ہیں

١٦ ضعفِ پیری سے نہیں ہوتا ہے قد انسان کا خم ــ توڑتی آخر کمر کو حسرت آغوش ہے

١٧ بے سبب پیری میں غافل کم نظر آتا نہیں ــ توسنِ عمر رواں کا یہ غبار آنکھوں میں ہے

١٨ پیری وہ پہلواں ہے کہ جس سے لپٹ گئی ــ توڑ دیگی بند بند اسی کے جھنجوڑ کے

١٩ خم جب سے قدِ راست میں آیا سنبھل گئے ــ سیدھے ہوئے ہم ایسے کہ سب بل نکل گئے

٢٠ نمودِ رعشہ پیری ہوا اجل آئی ــ چراغ صبح تھے گویا کہ جھلملا کے اٹھے

٢١ جسطرح معدوم ہوتے ہیں ستارے صبحدم ــ عہدِ پیری میں مرا خالی خزینہ ہوگیا

٢٢ کوئی جو کام ہو پیری میں کس طرح ہو ذوق ــ نہ آپ ہیں پاؤں سنبھلتے نہ ہیں سنبھلتے ہاتھ

٢٣ آپ بقلنے گرچہ بہت روک تھام کی ــ پیری گئی نہ خضر علیہ السلام کی

٢٤ نہ پیری میں سنا اے محنت عشق ــ تیرے صدمے اٹھاتی تھی جوانی

٢٥ دن جوانی کے گئے موسم پیری آیا ــ آبرو خاک ہو اب وقت حقیری آیا

٢٦ موسمِ شیب میں بیفایدہ ہے لعب شباب ــ کب ثمر دیوے ہے جو نخل خزاں پر آیا

٢٧ ماجرائے نوجوانی عہد پیری میں نہ پوچھ ــ شرم آتی ہے اب اس قصے کو دہراتے ہوئے

٢٨ موت سے غفلت جوانی میں تو لذت دیگئی ــ ہاں مگر پیری میں اسنے مجھ کو رسوا کر دیا

کہاں اب صبح پیری میں وہ ہنگامے جوانی کے ۔ کوئی خواب پریشاں تھا جو ہم نے رات بھر دیکھا

سبزِ باغِ دہر میں برگِ خزاں ہوتا نہیں ۔ پیر ہو کر پھر بشر کوئی جواں ہوتا نہیں

کیوں نہ اے آتش جوانوں کی طرح باندھوں کمر ۔ پیر ہوں۔ درپیش طے کرنا ہے میداں مرگ کا ۔ آتش

اس طرح رہتا ہے پیری میں ہمارا دل اداس ۔ پڑ گئے پر جیسے معزولی میں ہو عامل اداس ۔ جرأت

زور اب کیا ڈھیگا خم ہو کے اس درجہ پیری میں ۔ ہم لپنے سر کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگاتے ہیں ۔ رشید

عجب کیا موسم پیری میں اے دل ٹھنڈی سانسوں کا ۔ ہوائے سرد اکثر چلتی ہے فصلِ زمستاں میں

جان سے پہلے چلا مال میرا پیری میں ۔ کر چلے درج دہن کو درِ دنداں خالی ۔ ناسخ

قدر نعمت بعد نعمت کے ہے کرتا آدمی ۔ عہدِ پیری میں جوانی کا مجھے افسوس ہے

پیری نے ملکِ تن کو اجاڑا وگرنہ یاں ۔ تھا بندوبست اور ہی عہدِ شباب میں ۔ درد

کیا تاراج یوں پیری نے حسنِ نوجوانی کو ۔ بوقتِ صبح آرائش کا ہووے جوں چمن بگڑا ۔ مصحفی

ضعیفی زور پر آئی ہوئے بیدست و پا اکبر ۔ کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہو کر ۔ اکبر

پیری میں حاتم اب نہ جوانی کو یاد کر ۔ سوکھے درخت بھی کہیں ہوتے ہیں پھر ہرے ۔ حاتم

کیفیتِ حیات ہے پیری میں مہماں ۔ لبریز جامِ روح ہے تن رعشہ دار ہاتھ ۔ آتش

اجل آئے کہیں پیری میں ہم اس درد سے چھوٹیں ۔ شکستہ حال اب دیکھا نہیں جاتا ہے دنداں کا ۔ امیر

پیری میں آئی موت ۔ جوانی گذر گئی ۔ جاگا تمام شب میں دمِ صبح ہو گیا ۔ آتش

نہ ہے وہ عہدِ جوانی نہ ہے وہ دن کہ نہ تھے ۔ یہ مو خضاب سے دنداں خلال سے واقف ۔ آتش

بطولِ عمر ہمیں دے رہا ہے ایذائیں ۔ کسے قبول ہے پیری شباب کے بدلے ۔ ״

پیری میں ہے یہ ضعف کہ پلکیں بھی جھڑ گئیں ۔ مرغِ نگاہ طائرِ بے بال و پر ہوا ۔ امیر

ضعفِ تن نے مجھ کو پیری میں خبر دی کوچ سے ۔ ہڈیاں چٹکیں تو میں سمجھا گجر کا وقت ہے ۔ امیر

خبر انجام سے دیتا ہے پیری میں قدِ پرخم ۔ اشارہ ہے کہ اب دن خاک میں ملنے کے آپہنچے

ضعفِ پیری بڑھ گیا۔ زورِ جوانی گھٹ گیا ۔ اب عصا ہوا ہے نخلِ تمنا کاٹ کر ۔ امیر

۵۰ نمودِ صبحِ پیری ہے گئی راتیں جوانی کی / خیالاتِ جہاں خوابِ پریشاں ہوتے جاتے ہیں

۵۱ پیری میں ضعف سے نہیں یہ رعشہ دار ہاتھ / ہیں دامنِ قضا کے لئے بے قرار ہاتھ

۵۲ جواب دیتی ہے طاقت بھی ہائے پیری میں / بہت کڑے ہیں یہ دن جانِ ناتواں کے لئے

۵۳ پیری میں چاہیئے نہ جوانی کی آرزو / بےعقل ہے جو دن کو کرے رات کی تلاش

۵۴ رُلاتی ہے مثالِ ابر پیری / دکھا کر داغِ طاؤسِ جوانی

۵۵ یہ گوش ہی ہیں کہ باتیں زباں کی سنتے ہیں / نکل گئے ہیں دہن میں سے ہو کے دنداں تنگ

۵۶ صبحِ پیری کا ہے غافل وقت تنگ / اُٹھ نمازِ فرض ہوتی ہے قضا

۵۷ مزا دل سے اُٹھا جاتا ہے لطفِ زندگانی کا / مجھے پیری میں یاد آتا ہے جب عالم جوانی کا

۵۸ پیری کو سمجھتا ہوں میں خاکسترِ ایام / جو عہدِ جوانی تھا وہ اک رقصِ شرر تھا

۵۹ عہدِ پیری میں کہاں اب وہ جوانی کے رفیق / صاف پہلوئے زباں کر گئے دنداں خالی

۶۰ شبِ جوانی کی گئی موسمِ پیری آیا - / ہیں کوئی دم میں نہاں نورِ قمر کی صورت

۶۱ آہ - پیری میں - جوانی سے سوا ہوں غافل / نیند کیسی مجھے ہنگامِ سحر آئی ہے

۶۲ طلوعِ صبحِ پیری ہے بجا نقارہ رحلت کا / اُٹھا اب تک نہ آنکھوں سے ہماری پردہ غفلت کا

۶۳ شکایت عالمِ پیری میں کیوں ہے قدِ پرخم کی / جھکا اوتنا ہی تو - جتنا اکڑتا تھا جواں ہو کر

۶۴ غافل تجھے کب شباب میں لطفِ شباب تھا / پیری میں آنکھ کھلتے ہی سمجھا کہ خواب تھا

۶۵ نہ دکھا زور - تجھے مان گئے اے پیری / جھک گئی اب تو کمر بھی خم گردن کیسا

۶۶ جوانی تک فقط لطفِ بہارِ زندگانی ہے / رہی پیری سو یہ گردِ لباسِ نوجوانی ہے

۶۷ مجھ سے رخصت ہو کے پیری میں مرا عہدِ شباب / بن کے حُسنِ شاعری شعروں کے تیور میں رہا

۶۸ یہ جھریاں ہیں جو پیری میں جسمِ لاغر پر / خزاں رسیدہ کو تیغِ قضا کے چرکے ہیں

۶۹ پیری میں آہ سرد بھروں میں تو ہے بجا / او نوجوانوں ہوتی ہے ٹھنڈی ہوائے صبح

۷۰ جو اُٹھتے بیٹھتے پیری میں بولی ہڈیاں اپنی / درا سے کاروانِ زندگی کی ہم صدا سمجھے

نمبر	مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
٧١	بجا ہے گر تغیر آ گیا اعضا میں پیری سے	سحر ہوتے ہی کیفیت بدل جاتی ہے محفل کی	امیر
٧٢	جوانی میں جو رہبر تھے ہمارے ولولے ہر دم	وہ پیری میں ہمیں اب دور سے رستہ بتاتے ہیں	خضر
٧٣	محال پیری میں ہے لطف نوجوانی کا	چراغ صبح میں نور چراغ شام نہیں	ناسخ
٧٤	پیری میں باقی ہیں کہاں ہوش و خرد تاب و تواں	لوٹا گیا یہ کارواں پہنچے جو ہم ساحل کے پاس	امیر
٧٥	پیری میں کسے زیست کی امید ہے ناسخ	ناداں کوئی جھونکا ہے نسیم سحری کا	ناسخ
٧٦	پیری میں دل سے پوچھ نہ حالت شباب کی	ذکر چمن خزاں میں نہ کر عندلیب سے	آزاد
٧٧	زیادہ ہوتا ہے پیری میں فربہ نفس امارہ	یہ بالوں کی سفیدی شیر ہے اس مار رہزن کو	ذوق
٧٨	جنت ہے زندگی میں زمانہ شباب کا	پیری ہے پہلے مرگ سے ہونا عذاب کا	"
٧٩	سو عیب سے ہی بڑھ کے یہ پیری میں ایک عیب	کمبخت یاد آتے ہیں قصے شباب کے	خلیل
٨٠	عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند	یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا	میر تقی
٨١	ضعف پیری میں زندگانی بھی	دوش پر اپنے بار سا ہے کچھ	"
٨٢	پیری میں لاکھ نعمت دنیا ملے تو کیا	دولت کا جب ہے لطف کہ عہد شباب ہے	حزیں
٨٣	روئیگا کہنہ سالی میں عہد شباب کو	جب ٹوٹ کر نہ نکلینگے دنداں نئے نئے	رند
٨٤	جوانی یاد کر کے آنکھ میں آنسو بھر آتے ہیں	طلوع صبح پیری ہے ستارے جھلملاتے ہیں	صفی
٨٥	نوجوانو میرے مرنے سے نہ ہو ہرگز ملول	صبح پیری تھی چراغ زندگی گل ہو گیا	ناسخ
٨٦	ایما بہت ضعیفی میں سر ہلنے کا یہ ہے	یعنی کہ اب بھروسہ نہیں ہے حیات کا	
٨٧	پکارتا ہے یہ پیری میں اپنا جامہ تن	ہزار ٹکڑے ہوں جس کے وہ کیا رفو ہوگا	شاد
٨٨	عصا از راستی دائم بگوش پیر میگوید	دگر در خواب خواہی دید ایام جوانی را	
٨٩	ہوا بدل گئی پیری میں نوجوانی کی	بہار دیکھ چکے باغ زندگانی کی	امیر

نمبر	مصرع	مصرع	شاعر
۹۰	آدمی پیر چو شد حرص جواں میگردد	خواب در وقت سحرگاہ گراں میگردد	
۹۱	پیری کا برا ہو کہ یہ ہے ضعفِ بصارت	کل سے جو اُسے دیکھوں تو آتا ہے نظر آج	
۹۲	روزیِ خود را برنج از دردِ دنداں میخورم	تا بخوں تر مے شود تا پارہ ناں میخورم	
۹۳	محتاجِ عینک گشت فکرِ خویش کُن	بے نفس دارند روزِ واپسیں آئینہ را	
۹۴	زیست پیری میں کہاں رونق جوانی کی گئی	کیا ہے روشن چراغ ایدل جو روغن خشک ہو	امیر
۹۵	پیری میں باقی ہیں کہاں ہوش و خرد تاب و تواں	لوٹا گیا یہ کارواں پہنچے جو ہم منزل کے پاس	امیر
۹۶	پیری میں یہ جھکی ہوئی پلکوں کا حال ہے	دیواریں جیسے خم ہوں مکانِ خراب میں	"
۹۷	پیری میں چب سکی جو نہ روٹی تو آئی یاد	دانتوں سے کھولنی گرہِ نیشکر مجھے	آتش

سیاہ و سفید بال

نمبر	مصرع	مصرع	شاعر
۱	مو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن	نیند آتی ہے یہ آرام دگر آخرِ شب	
۲	باقی ہے دل میں شیخ کے حسرت گناہ کی	کالا کریگا مُنہ جو داڑھی سیاہ کی	ذوق
۳	من موئے خویش را بہ ازاں میکنم سیاہ	تا باز نوجواں شوم و مے کنم گناہ	
۴	سیاہ کاری کے کرنیکے لئے عہدِ جوانی ہے	کہ پیری میں نہیں رہتے ہیں موئے تا بدن کالے	
۵	موئے سیاہ ہوگئے دو روز میں سفید	ثابت تھی پختگی ہمیں اس رنگِ خام کی	
۶	لائے تھے ہم تو عمر پٹہ سیاں لکھا۔ مگر	جب سیاہی پر سفیدی چڑھی۔ تب خبر پڑی	
۷	موت کو یاد کرے تارِ کفن آئیں نظر	اس لئے ہوتے ہیں مُو ہائے بدنِ پیر سفید	ناسخ
۸	موئے سفید ہمکو اجل کا پیام ہے	ثابت ہے صبحِ زیست کوئی دم میں شام ہے	امد
۹	نہیں خضاب سے مطلب ہمیں یہ مو سفید	سیاہ پوش ہوئے۔ ماتمِ جوانی میں	ذوق
۱۰	ہے دلیلِ مرگِ انساں واقعی موئے سفید	کوہکن کی موت تھی انجام جوئے شیر کا	ناسخ
۱۱	دل سیاہ ہے بال سب اپنے ہیں پیری میں سفید	گھر کے اندر ہے اندھیرا اور باہر چاندنی	"

نمبر	مصرع اول	مصرع دوم	شاعر
۱۳	مو ہوگئے سفید سیاہ کاریوں میں رند	کس کام کو تم آئے تھے اور کر کے کیا چلے	رند
۱۴	بالوں کی سپیدی جو خبر موت کی لائی	فق ہوگیا چہرہ مری پیرانہ سری کا	
۱۵	گئی جوانی تو یارب سیاہ رُو نہ رہا	سفید بال نہ آئے۔ خدا کا نُور آیا	
۱۶	جوانی ساری یونہی گنوائی۔ سفیدی پیری کی اب ہے آئی	گناہ کی مُنہ پہ ہے اب سیاہی خضاب لیکر میں کیا کروں گا	
۱۷	چوں سیاہی شد ز مُو، ہوشیار می باید بُدن	صُبح چوں روشن شود، بیدار می باید شدن	
۱۸	ہوس از سرت یک سر مُو نہ رفت	سیاہی ز مُو رفت و از رُو نہ رفت	
۱۹	سفید مُو ہو تو ترک قدح کشی کیجئے	عوض شراب کے رکھئے خضاب شیشے میں	
۲۰	بڑھاپے سے الٰہی ہو سفید اسکی سیاہ کاکل	جو ہو زنجیر لوہے کی وُہ ہو زنجیر چاندی کی	ناسخ
۲۱	دشمنِ زندگی ست مُوئے سفید	رُوئے دشمن سیاہ باید کرد	
۲۲	وسمہ کی احتیاج ذرا تھی نہ شیب میں	ہم مفلسوں کو گھر کا اندھیرا خضاب تھا	فصاحت
۲۳	لگا کر وسمہ بالوں کو سیہ ہم پیر کیا کرتے	غروب آفتاب صُبح کی تدبیر کیا کرتے	جرار
۲۴	یاد پچھلوں کی دلاتے ہیں مجھے مُو سفید	گرد راہ قافلے والوں کی خبر کہتی ہے	امیر
۲۵	نظر ریش سیہ میں جب کوئی موئے سفید آیا	بہت روئے اُسے ہم خندۂ دندان نما سمجھے	امیر
۲۶	مُوئے سفید لائے ہیں پیغام موت کا	یاں خاک بھی بنا ابھی زادِ سفر نہیں	مضطر
۲۷	یاد وہ ولولۂ عہدِ شباب آتے ہیں	جوش کیا کیا ہمیں ہنگامِ شباب آتے ہیں	امیر
۲۸	بالوں کی سفیدی کو کفن سمجھے نہ کس دن	کب آئینہ دیکھا کہ اجل یاد نہ آئی	رر
۲۹	سفیدی مُو کی ہو کافور ہر چند	کوئی مٹتا ہے داغِ نوجوانی	آتش
۳۰	پیر سے تم نہیں ہونیکے جواں کر کے خضاب	غافلو ریش نہ اس رنگِ دغا میں رنگو	ظفر
۳۱	ہیں مُوئے سفید میں جو کچھ موئے سیاہ	گنتی کی یہ راتیں ہیں عبادت کے لئے	دبیر
۳۲	موئے سفید نکلے بعد از شباب منہ پر	دیتی ہے زندگانی دیکھو جواب منہ پر	ذکا

۳۳	لائی بالوں کی سفیدی جبکہ پیغامِ اجل	ہو گیا مجھ کو یقیں یہ شیر زہر آمیز تھا — تسلیم
۳۴	پیری عیاں ہوئی نہ ہوا میل گناہ پر	موئے سفید ہنستے ہیں روسیاہ پر

ریاکاری

۱	دل میں ہے یادِ حورِ زیاں پر ہے یا غفور	ظاہر درست شیخ کا باطن خراب ہے
۲	یا صنم دل میں ہے لب پر یا صمد پھر ریا	کفر اس ایماں سے بہتر جیسے یہ دیندار ہیں — رند
۳	اے زاہدِ ریائی دیکھی نماز تیری	نیت اگر یہی ہے تو کیا ثواب ہوگا
۴	تسبیح تیرے ہاتھ میں حوریں بغل میں شیخ	اور اس پہ یہ گلہ کہ دعا میں اثر نہیں
۵	نہ ہوگا مزرعہ اعمالِ زاہد یا رو ہرگز	کہ سرسبزی سے ہے محروم سبحہ کا جو دانہ ہے
۶	پہنچا ہے کوئی اوجِ حقیقت کو کب اس سے	واعظ تیرے منبر کا یہ زینہ نہیں اچھا
۷	ریشِ سفیدِ شیخ میں ہے ظلمتِ فریب	اس مکر چاندنی پہ نہ کرنا گمانِ صبح — نقل
۸	کچھ ریا صنعت کی بھی ہے کشکول میں پونجی حفیظ	یاد دکھانے کو گلے میں خرقہ درویش ہے — حفیظ
۹	اک دن حضورِ قلب سے ہوتی نہیں ادا	زاہد تیری نماز کو میرا سلام ہے
۱۰	جا ان لباسیوں کے نہ ظاہر لباس پر	عاری عبائے ہوش و قبائے خرد سے ہیں
۱۱	کب حق پرست زاہدِ جنت پرست ہے	حوروں پہ مر رہا ہے شہوت پرست ہے — ذوق
۱۲	واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند	چوں بخلوت میروند آں کارِ دیگر میکنند — حافظ
۱۳	اے کبکِ خوش خرام کجا میروی بناز	غرہ مشو کہ گربہ عابد نماز کرد
۱۴	عمامہ والے سے ابدل تو بیچ کے نکلا کر	کہ ہے یہ زاہدِ مکار راہِ دیں کا سانپ — انشا
۱۵	پناہ اے پر فریبو قہر سے اللہ کے مانگو	سزا دیتا ہے حاکم آدمی کو قلب سازی کی — آتش

غوطے تو لگائے زمزم میں اور غرق ہیں خبثِ دنیا میں
پانی نے بدن کو پاک کیا اب جان کو طاہر کون کرے

تسبیح بدست زاہد چشمش بہ مالِ مردم
ایں کافر مسلماں دیدم نہ دیدہ بودم

کیا کیا دعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخ یوں
ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا

آب و گل میں جسطرح زاہد نہاں ہو جائے زر
منہ سے ہے انکار زر کا اور دل میں جائے زر

صرفِ ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب و صفا
کیا تعجب ہے جو باطن با صفا پاتا نہیں

واعظ کتاب وعظ لئے ہے تو کیا ہوا
بوتل شراب کی بھی تو پنہاں بغل میں ہے — اسیر

کیا زاہدوں کے ظاہر و باطن میں فرق ہے
دالانِ خانہ پست ہے اور آستاں بلند — ناسخ

کلیدِ درِ دوزخ است آں نماز
کہ در پیشِ مردم گزاری دراز

سنا کرتے تھے شہرہ ذوق جنکی پارسائی کا
وہ سب یارِ خراباتِ اپنی نکلے ہمنشیں نکلے — ذوق

روسیاہ زاہد ہے سجدہ ریائی ہے
اس کے ماتھے کا گھٹا داغ پارسائی ہے

پھری ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی اس نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

جامۂ احرام زاہد پر نہ جا
تھا حرم میں لیک نامحرم رہا — میر تقی

زاہد کیا کرے ہے وضو گو کہ روز و شب
چاہیے کہ دل سے دھوئے کدورت یہ ہو چکا — درد

نہ دھو آبِ وضو سے داغ پیشانی کو اے زاہد
ارے ناداں یہ دھبہ مٹیگا روسیاہی سے — داغ

ریاکاری نے زاہد کو رکھا محروم جنت سے
کبھی ماتم ہے حوروں کا کبھی رونا ہے غلماں کو — مہدی

۲۱ ہم شیخ کی سنتے تھے مریدوں سے بزرگی
دیکھا جو انہیں جا کے تو عمامے سوا ہیچ — سودا

۲۲ پارسا ظاہر میں ہے چھپ چھپ کے پیتا ہے شراب
پیتے پیتے مے شکمِ زاہد کا مٹکا ہو گیا — سحر

۲۳ ندامت سے عبث یہ زاہدانِ خشک روتے ہیں
چھپیگی روسیاہی خاک ان پانی کی چادر سے — امیر

۲۴ خدا راضی ہوا اکدن نہ تم سے شیخ جی صاحب
پڑھیں برسوں نمازیں اور کیا تم نے وضو برسوں — سحر

۲۵ واقف ہیں زاہدانِ ریائی سے خوب ہم
کلمہ بتوں کا پڑھتے ہیں قرآں بغل میں ہے — امیر

۲۶ ریا کو کور باطن طاعتِ خاصِ خدا سمجھے
سہارا مل گیا دیوار کا اندھے عصا سمجھے — امیر

٣٧ ارتکاب جرم لازم ہے تعدّی تو نہیں
بادہ خوار اچھے ہیں ان مُلّائے رشوت خوار سے — ناسخ

٣٨ رسوا کیا نماز ریائی نے زاہدو
ٹیکا کلنک کا ہے یہ داغ جبیں نہیں

٣٩ سجدے میں سر ہے اور ہے دل میں خیال حور
اللہ کو قبول ہو ایسی نماز کیا

٤٠ نیت تو ظاہرا ہے حرم کی بندھی ہوئی
پر دل میں دُھن ہے کوئے صنم کی بندھی ہوئی — اسیر

٤١ مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند — حافظ

٤٢ دل کو ریا سے پاک رکھ کام دکھاوے کا نہ کر
جی میں ہیں اگر خدا نہیں۔ مُنہ سے خُدا خدا نہ کر — خلیل

٤٣ لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وُہ
اس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا — حالی

٤٤ جب یہ دیندار ہیں دنیا کی نمازیں پڑھتے
کاش اُسوقت انہیں نام خُدا یاد رہے — ذوق

٤٥ کرتی ہے ضائع عبادت کو یہ بیکاری مری
سجدے میں حاصل نہیں جز داغ پیشانی مجھے — ناسخ

٤٦ فرق ہے ظاہر و باطن میں حق و باطل کا
لب پہ ہے ذکر خدا عشق بتوں کا دل میں — سید

٤٧ یہ بھی ریا ہے زہد ہے داغ جبیں پہ ہو عیاں
آگ رہے دبی ہوئی گوشۂ جا نماز میں — انور

٤٨ بھلا کیا اعتبار آئے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بیخود ہوگئے تم دیکھ کر تصویر شیشے کی — مومن

٤٩ لباس اہل تقوٰی پر نہیں کچھ منحصر واعظ
کہیں کیا ہم نے کس کس بھیس میں دیکھا ہے دنیا کو — شاد

٥٠ اہل دیں ہم جان کر بہر زیارت تھے گئے
حضرت احساں کو دیکھا ایک دنیا دار ہیں — احسان

٥١ خیال حور دل میں اور توبہ لب پہ اے زاہد
اجی اب دیکھ لی جیسی تمہاری پارسائی ہے — افسر

٥٢ ریا گر چھوڑ دے زاہد تو خود کعبہ ہے دل تیرا
دُھلی بھی ہے کہیں دل کی سیاہی آب زمزم سے — اکمل

زاہد و واعظ سے خطاب

١ اس قدر نازاں نہ ہو اے شیخ اپنی زہد پر
بندگی کرنے سے تو شائد خُدا ہو جائیگا — آتش

٢ زاہد حرام مے کو نہ کہنا وگرنہ میں
جنّت میں چھین لونگا پیالہ شراب کا — وزیر

٣ دکھاؤنگا تجھے زاہد اُس آفت جاں کو
خلل دماغ میں تیرا ہی پارسائی کا — سودا

غفور اُس کو سمجھتے ہیں تجھ کو کیا واعظ
تم سہی ہوشیار ہم غافل سہی ای زاہدو
ہے عیاں جلوہ خدا کا ان بتانِ ہند میں
شورِ ہُو حق ہی یہاں بڑھ کے وہاں سے زاہد
وہ اپنے زہد پر نازاں ہیں اسکی گرمی پر
ہاں تو کیونکر نہ کرے ترکِ بتاں اے واعظ
تری مسجد میں واعظ خاص ہیں اوقات رحمت کے
طعنہ زن زاہد بیدین عبث ہے ناسخ
ڈراتا کیوں ہے تسلیم واعظ مجھ کو دوزخ سے
ترک کردوں میں جو نظارہ بتوں کا واعظا
کوزۂ مے واعظا خالی اگر ہوگا یہاں
ہوسکے یادِ الٰہی نہ اگر اے زاہد
لگیگا سنگِ خجلت شیشۂ ناموس پر تیرے
پاک و صاف ایسی ہے جیسے پی فرشتہ بن گیا
پہنچا ہے کوئی اوجِ حقیقت کو کب اس سے

ثواب کرتے ہیں ہم یا گناہ کرتے ہیں
سمجھے بیداری جو تم ایسا نہ ہو وہ خواب ہو — ناسخ
سوجھے کیا زاہد تجھے آنکھوں کے آگے ناک ہے
اپنی مسجد سے لڑا لے مری میخانے کو — امیر
نہ بخشے مجھ سی واعظ کہدو یہ تکرار جانے دے — رند
ایسی حوریں تیری قسمت میں کہاں ای واعظ
ہمارے میکدہ میں رات دن رحمت برستی ہے
کون بندہ ہے خدا کا جو گنہگار نہیں — ناسخ
مرا حصہ نہیں ہے کیا خدا کے فضل و رحمت میں — تسلیم
کیا کئے پیدا خدا نے دیدۂ بینا عبث
تیری مسجد کے لئے ظرفِ وضو ہو جائیگا
شغل پھر اور بجز یادِ بتاں کیا کیجئے
عبث ہم بیگناہوں کو نہ کر بدنام ای زاہد
زاہدو یہ حور کے دامن میں ہے چھانی ہوئی
واعظ تیری ممبر کا یہ زینہ نہیں اچھا — ناسخ

زاہدا واحد ہے وُہ - وحدت میں اُسکے شک نہیں — احسان
رازِ وحدت کیا سناویں تجھ سے بے وحدت کو ہم

تو جو کرتا ہے ملامت دیکھ کر یہ میرا حال
نہ کر مذمتِ رنداں خموش اے واعظ
کسی کو کیا جو سیہ کار ہم ہیں اے زاہد
رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو

کیا کروں میں تو نے اُس کو ناصحا دیکھا نہیں
وُہ کس کے حال پہ ہے مہرباں نہیں معلوم — رند
ہم اپنا نامۂ عصیاں سیاہ کرتے ہیں
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

٢٤ اُس کی بخشش نہیں پابندِ عمل او واعظ
وہ کرے رحم تو اک بات پہ چھٹکارے ہیں

٢٥ چل میکدے میں شیخ بسر کر مہِ صیام
مسجد میں ننگ بیٹھا ہے کیوں اعتکاف سے

٢٦ عمامہ کو اُتار کے پڑھیو نماز شیخ
سجدے سے ورنہ سر کو اُٹھایا نہ جائے گا

٢٧ بچکر رہ میخانہ سے اے شیخ نکلنا
ہر رند ہے واں جبّہ و دستار کا عاشق

٢٨ اپنے کعبہ کی بزرگی شیخ جو چاہے سو کر
از روئے تاریخ تو بیش از صنم خانہ نہیں

٢٩ ہوس میں کعبہ کے کیوں شیخ بت خانہ سے گمراہ ہے
یہاں تو کوئی صورت بھی ہے واں اللہ ہی اللہ ہے

٣٠ شیخ اپنی پاکدامانی کو نہ کر رکھ مجھے
ساقئ دوراں نے مستِ بادۂ عرفاں کیا

٣١ واعظ میں غضب ہی کا سزاوار نہیں ہوں
حصّہ مرا گنجینۂ رحمت میں بھی کچھ ہے

٣٢ ہر گنہ سے توبہ کرلی جب جوانی ہو چکی
زاہدا جنّت میں جانا کوئی تم سے سیکھ جائے

٣٣ گھٹا چھائی یہ بوچھاڑیں ہمیں پر
ارے واعظ کہاں تک ہم پئے جائیں

٣٤ جائز نہ رکھ مذمّتِ رنداں بھی واعظا
مثلِ شرابِ غیبتِ مومن حرام ہے

٣٥ سبز مینا سُرخ مے بوتل سیاہ ڈاڑھی سفید
کیوں جنابِ شیخ یہ رندانہ محفل اور آپ

٣٦ گر ہو شرابِ خلوت و محبوبِ خوبرو
زاہد تجھے قسم ہے کہ تُو ہو تو کیا کرے

٣٧ حضرتِ واعظ نہ اب ذکرِ جہنم کیجیے
میں تو سنتا ہوں کہ رحمت اسکی عالمگیر ہے

٣٨ ہم نہ تھے آگاہ زاہد زشت خوئی سے تری
آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم

٣٩ رند مشرب کب کے پہنچے یار کے گھر زاہدا
تو پتہ ہی پوچھتا ہے ابتک اسکی راہ کا

٤٠ شیخ صاحب گر مئے انگور پینا ہے حرام
کس نے جائز کردیا کھانا تمہیں انگور کا

٤١ طعن رندوں پہ نہ کر شیخ خدا لگتی بول
اس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت

٤٢ ہم پی پلا کے ختم بھی کر دینگے زاہدو
بیٹھے رہو گے تم مئے کوثر لئے ہوئے

٤٣ زاہد کو حسن و عشق سے کد ہے ہوا کرے
اس بے شعور سے میں کہوں بھی تو کیا کہوں

زاہد لحاظ رکھ کہ نہ ہو گُل چراغِ زہد
جھونکا نہ آنے پائے ہوائے غرور کا — امیر

کس کی ملت میں گنوں آپکو بتلا اے شیخ
تو مجھے گبر کہے ۔ گبر مسلماں مجھکو — سودا

زاہد جگہ نہ واں ہو تو حاضر ہے گھر مرا
میخانہ شکل کعبہ نہیں تنگ ہے وسیع — سودا

بتوں پر زاہدو گر ہم فدا ہوتے ہیں ہونے دو
تمہیں پھر کیا گنہگار خدا ہونگے تو ہونے دو — ظفر

زاہد و خاک میں سب زہد تمہارا مِل جائے
چاند سی شکل اگر تم کو دکھا دے کوئی — داغ

لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں — 〃

سیکھ دُنیا ہی میں زاہد حُور سے ملنے کے ڈھنگ
ورنہ روئے گا کہ جنّت میں بھی رسوائی ہوئی ۔

نہیں نیت جناب شیخ جنکی حوض کوثر میں
وہ جلوہ دیکھتے ہیں دو جہاں کا ایک ساغر میں

میکشی سے زاہدوں کو اس لئے پرہیز ہے
تا نہ اِن بد طینتوں کے کھول دے جوہر شراب — ناسخ

زاہد تیرہ دروں خاک کرے قدرِ شراب
شپّرہ کو نہیں خورشید کی تنویر پسند — جرأت

ہے عزیز اپنی جو دستارِ فضیلت اے شیخ
وعظ کرنے کو نہ جانا کسی میخوار کے پاس — سحر

شیشہ بغل سے بر سرِ بازار گر پڑا
زاہد کا آج کُھل گیا تقوٰی جہان پر

سجدے کرنے سے مِٹا خطِ جبیں اے زاہد
ہم کہے دیتے ہیں قسمت میں تری حور نہیں — داغ

زاہد شرابِ ناب سے اس درجہ اجتناب
کم بخت پی تو دیکھ یہ کچھ بدمزہ نہیں

زاہد تجھے قسم ہے خدا کی اِدھر تو آ
کیا نُور سا جھلکتا ہے شیشے کے جام میں — اکبر

زاہد کھلا یہ ہم کو ترے اجتناب سے
بیشک تو نا امید ہے اُس کی جناب سے — اکبر

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں
کیا ایک چُلّو پانی سے ایمان بہ گیا — ذوق

واعظ نہ تم پیو نہ کسیکو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی — غالب

گر پیشوائے خلق ہے زاہد تو کیا ہوا
تسبیح کا امام نہیں ہے شمار میں — گویا

ہر گناہ سے توبہ کرلی جب جوانی ہو چکی
زاہدا جنّت میں جانا کوئی تم سے سیکھ جائے — داغ

۶۴ زاہد بڑی کریم ہے پیرِ مغاں کی ذات
واں سب عبادتیں ہیں وضو بے وضو پسند

۶۵ خشک ہوتی ہے زباں زاہد کی استغفار سے
منہ میں بھر آتا ہے پانی دامنِ تر دیکھکر

۶۶ نطق ہو گا بند او زاہد نہ میخواروں سے بحث
بے صدا ہو جائیگا گنبد تری دستار کا

۶۷ مغفرت کا نہ ٹھکانا تھا مگر او زاہد
اسکی رحمت سے ہے اُمید گنہگاروں کو

۶۸ دِکھانے کے لئے کچھ کام ہم کرتے نہیں زاہد
ریاکاری سے خالی ہم گنہگاروں کی باتیں ہیں

۶۹ جو پوچھے زاہدِ خشک اپنی دارو۔ میں کہوں مے پی
اگر پرہیز کی پوچھے۔ کہوں پرہیزگاری ہی

۷۰ زاہدِ گمراہ کے میں کس طرح ہمراہ ہوں
وُہ کہے اللہ ہُو۔ اور میں کہوں اللہ ہُوں

۷۱ یہاں حسینوں سے ہے اجتناب زاہد کو
ملی نہ حور وہاں بھی تو دل لگی ہوگی

۷۲ مزا چکھا نہیں دُنیا کا زاہد تو نے دُنیا میں
کبھی تو بادہ نوشی کی بھی اے مردِ خُدا ٹھہرے

۷۳ ثبوتِ حق کی گر یہی سبھوں پہ ہے لیکن
تری توفیقِ کرم پر ہے گفتگو واعظ

۷۴ پڑا رہنے دے مجھ کو کوچۂ جاناں میں اے زاہد
نہ میں جنت کے قابل ہوں نہ جنت میرے قابل ہے

۷۵ کعبے کا کون رکھے ارے زاہدا خیال
دیکھا جدھر صنم کو ادھر سر جھکا دیا

۷۶ رندانِ مَے پرست سیہ مست ہی سہی
اے شیخ گفتگو تو شریفانہ چاہیئے

۷۷ کیوں ردِّ قدح کرے ہے زاہد؟
مَے ہے۔ یہ مگس کی قَے۔ نہیں ہے

۷۸ واعظ عمامہ سر پہ ہے یا ہے گنہ کا بار
رکھ لے تمام خلق کی پگڑی اُتار کے

۷۹ سفر ہے زیست کے ایام یہ تو آپ کہتا ہے
خلافِ شرع پھر واعظ مرے روزے کہاں چھوٹے

۸۰ کرتے ہیں فرض جان کے ہم اسکی بندگی
زاہد تجھے پڑی ہے عذاب و ثواب کی

۸۱ شرابِ خلد کی خاطر دہن ہے رکھتا صاف
دُضو میں ورنہ یہ زاہد غرارہ کیا کرتا

۸۲ سچ ہے اس ایک پردے میں چھپتے ہیں لاکھ عیب
یعنی جنابِ شیخ کی داڑھی دراز ہے

۸۳ زاہد جو پڑھتے پڑھتے وظیفہ تو سو گیا
مسجد تھی بیوقوف کہ یہ خوابگاہ تھی

۸۴ بڑی ہی دھوم سے دعوت ہو پھر تو زاہد کی
پہ مَے جو چار گھڑی کو حلال ہو جائے

وہ عالی ظرف ہے یا ہم ہیں کھل جائے گا دم بھر میں
ہمیں زاہد پلا دیکھے۔ ہمارے ساتھ پی دیکھے — رسا

لے جا زاہدا حسنِ عمل اپنا تو محشر میں
ہمیں ساتھ اپنے امید شفاعت لیکے جاتی ہیں — توفیق

حضرت زاہد تمہیں جنت دکھا لائینگے ہم
پھول کھلنے دیجئے چشمے ابلنے دیجئے — حسن

نہیں تو نے دیکھا ہے اُس بُت کو زاہد
یہ ایمان ہرگز سلامت نہ رہتا — امیر

ترکِ دنیا کے علائق تو کرے سب زاہد
گر مناسب ہو تو اک ترکِ ریا اور سہی — عالی

اے شیخ یہ سب تری نیّت کے کرشمے ہیں
تو توبہ شکن ہو اور ٹوٹے مرا آئینہ — صدیقی

اے زاہدو اٹھاؤ جبیں کو زمین سے
جو سرنوشت ہے اُسے کہاں تک مٹاؤ گے — داؤد

قصۂ حضرتِ آدم بھی سنا ہے واعظ
خلد انعام عمل ہے کوئی جاگیر نہیں — خلیق

زاہدا اُمیدِ رحمتِ حق اور ہجو مے
پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو — امیر

عبث جاتا ہے کعبے کو خدا نزدیک ہے دل سے
تو کیا ناداں ہے زاہد فائدہ تحصیل حاصل ہے — سیاح

نام مزے سے حسن کے واقف نہیں کچھ زاہد
نام ہی سنتے ہو منہ دیکھا ہی کس دن حور کا — امیر

حسنِ عمل یہ اپنے نہ پھول اس قدر کہ شیخ
واں کے معاملے کی کسیکو خبر نہیں — دعا

وطن و ترکِ وطن

ذوق ہے ترکِ وطن میں صاف نقص آبرو
پکتا پھرتا ہے گہر ہو کر سمندر سے جدا — ذوق

رتبہ ملا اُسے جو وطن سے نکل گیا
وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا — "

اہل جوہر کو وطن میں رہنے دیتا گر فلک
لعل کیوں اس رنگ سے آتا بدخشاں چھوڑ کر — "

ہوتی غربت میں اگر قدر نہ خوش جوہر کی
تو کبھی کان سے باہر نہ نکلتا گوہر — "

آبرو گر تجھے منظور رہے کر ترکِ وطن
قدر ہوتی ہے صدف سے جو ہو گوہر باہر — رند

ہو وطن میں خاک میرے گوہرِ مضموں کی قدر
لعل قیمت کو پہنچتا ہے بدخشاں چھوڑ کر — ناسخ

آبرو چاہے تو اے دل ترک کر حبِ وطن
قدر کیا تھی جب صدف میں گوہر یکدانہ تھا — جرار

۸ گھر میں بیٹھے سے بر آتی ہے کوئی دل کی اُمید
جب تلک انساں نہ ہووے دربدر ملتی نہیں

۹ نیست صائب در وطن اہل خرد را آبرو
آبرو گوہر نہ دارد چونکہ باشد در صدف

۱۰ ہوتی ہے غربت میں ثروت پر بڑی ایذا کے بعد
رنج اُٹھائے کس قدر یوسف نے کنعاں چھوڑ کر

۱۱ بے وطن ہو کر زمانے میں ہوئے نالاں بشر
آشنا نالوں سے ہرگز نے نیستاں بن نہیں

۱۲ قیدِ وطن سے نکلے ہیں ہم آبرو کے ساتھ
جیسے کہ موتیوں کو عدن سے ہوئی خلاص

۱۳ نکل وطن سے ہے غربت میں زر کی کیفیت
کہ آب بخت ہے جبتک ہے تاک میں صہبا

۱۴ یوسف عزیزِ دلہا جا مصر میں ہوا تھا
ذلّت جو ہو وطن میں تو کوئی دن سفر کر

۱۵ وطن مجھ بیقرارِ عشق سے چھوٹا تو بس چھوٹا
نکل کر جا نہیں سکتا ہے پھر سیماب معدن کو

۱۶ تھی وطن میں شان کیا غالبؔ کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مُشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

۱۷ خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں
غربت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے

۱۸ مرگِ غربت مجھ کو بہتر ہے وطن کی موت سے
رونیوالا کون ہے مجھ خانماں برباد پر

۱۹ ایسی بیدردی سے ہاروں میں نہ باندھ اے گل فروش
تازہ تازہ ہیں وطن سے اپنے گل چھوٹے ہوئے

۲۰ جو کوئی نکلا وطن سے خُوں ہوا اس کا جگر
سبز ہے جبتک کہ ہے مرجاں کا مسکن آب میں

۲۱ آتشکدے میں دیکھ کہ شعلہ ہے بے قرار
آرام دلِ جلوں کو نہیں ہے وطن کے بیچ

۲۲ کرتے کس مُنہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ
تم کو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں

۲۳ یہ اشارہ کرتی ہے غربت میں شمشیرِ قضا
کہیے کہنا ہو جو کچھ اے بے وطن کیا چاہیے

۲۴ راحت سوائے ایذا اہلِ وطن نہ دیں گے
مر جاؤنگا تو مجھ کو دو گز کفن نہ دینگے

۲۵ جوہر انساں کا کھلتا ہے وطن سے باہر
لعل کی ہوتی ہے قدر آکے یمن سے باہر

۲۶ تنگ آیا ہوں بہت اہلِ وطن سے میں امیرؔ
کیوں نہ ہو دل کو وطن سے سفرِ دور پسند

۲۷ پوچھا نہ جائے گا جو وطن سے نکل گیا
بیکار ہے جو دانت دہن سے نکل گیا

ہے جو بے وطنی میں ذرا بھی آسائش / عقیق جا کے عدن میں گہر یمن میں رہے — داغ

آبرو کیا خاک اُس گل کی جو گلشن میں نہیں / ہے گریباں ننگِ پیراہن جو دامن میں نہیں — غالب

ایک دن ہچکی بھی غربت میں نہ آئی افسوس / مجھ کو بھولے ہوئے یارانِ وطن بیٹھے ہیں — رند

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور / رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم — غالب

کیا وطن میں تھا جو میرے لیے غربت میں نہیں / مردِ درویش ہوں یکساں ہے مجھے گھر باہر — رند

یہ یادِ وطن کی ہے وہ غربت کی نشانی / کچھ داغ کلیجے میں ہیں کچھ پاؤں میں چھالے — ممتاز

کنعاں سے جا کے مصر میں یوسف ہوا عزیز / عزت کسی کی ہوتی نہیں ہے وطن کے بیچ

شکلِ وطن نہ صورتِ اہلِ وطن ہے یاد / مدت ہوئی کہ وادیٔ غربت وطن ہوا — امیر

کیسی گھڑی تھی گھر سے جو نکلا تھا میں غریب / پھر دیکھنا نصیب نہ مجھ کو وطن ہوا — "

نہ ہو غربت میں گر قدرِ صفا پاکیزہ گوہر کی / تو کیوں دریا سے یکتا ہو کے پھر درِ ثمین نکلے — ذوق

نہ اُٹھ کر دربدر ہو کنجِ عزلت میں جو بیٹھا ہے / دہن سے چھوٹ کر بیقدر دیکھا ہم نے دنداں کو — آتش

غربت میں اگر آبِ بقا بھی ہو تو اُس سے / بہتر مرے نزدیک ہے خاکِ وطنِ خشک — ظفر

کبھی نہ بھول کے اہلِ وطن نے یاد کیا / نہ ہچکی آئی مجھے زینہار غربت میں

جو گھر میں بس رہے ہیں کیا جانیں قدر گھر کی / اہلِ سفر سے پوچھو کیا لطف ہے وطن میں

گھر میں جو آرام ہے وہ ہیں غربت میں کہاں / ایک ہوتی ہے سفر اور سقر کی صورت — شاداں

دی لعل نے آواز یہ پتھر سے نکل کر / ہوتا ہے سدا قدرِ ہنر گھر سے نکل کر

رازِ افشا نہ ہو جس وقت یہ آتا ہے خیال / آنکھوں تک آ کے پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں

خندۂ گل

گُل پریشان ہوا باغ میں ہنس کر آخر / دیکھ اے غنچہ یہاں خندہ زنی خوب نہیں — ذوق

کہہ دو غنچہ سے نہ پھولے مشتِ زر پر باغ میں / آخرش جانا ہے یاں سے ہاتھ بالکل جھاڑ کے

مآلِ خندۂ عشرت بھی وجہِ عبرت ہے / ابھی کلی بھی چمن میں ہے۔ ابھی چمن میں نہیں

٥ روتا ہے مثلِ شبنم وہ اے ظلال برسوں
دم بھر جو صورتِ گل ہنستا ہے اس چمن میں

٦ اس باغ میں تھوڑی سی بہار اور پھر اس پر
ہے یہ گلِ خنداں مجھے تشویشِ خزاں ہے

٧ برنگِ غنچہ خونیں دل ہنسے کیا اس گلستاں میں
بھر آیا منہ میں خوں گر اک تبسم زیرِ لب آیا

٨ ہنستے کیوں گل کی روش باغِ جہاں میں غافل
اے ظفر ہوتے اگر یاں کی ہوا سے واقف

٩ بے ثباتیِ چمن کچھ ایسی حسرت خیز ہے
جب کلی ہنستی ہے رو دیتی ہے شبنم دیکھ کر

١٠ بھلا گل تو تو ہنستا ہے ہماری بے ثباتی پر
بتا روتی ہے کس کی ہستیِ موہوم پر شبنم

١١ زبانِ حال سے کہتی ہے باغ میں شبنم
مآلِ غنچہ خنداں پہ اشکبار ہوں میں

١٢ بہارِ بے بقا پر ناز کیسا اور خوشی کیسی
بجا ہے حیرتِ نرگس کہ گل کی یہ ہنسی کیسی

١٣ چمن میں دہر کے خوش ہو کے جو ہنسنا تو ہیں
برنگِ گل اسے گردوں نے شادی مرگ کیا

١٤ سوچا جو رندِ دل میں مآلِ شگفتگی
رویا میں غنچہ باغ میں جس دم چٹک گیا

١٥ رنگِ عشرت کر گیا پرواز باغِ دہر سے
مجھ کو حیرانی ہے گل کیونکر ہیں خنداں باغ میں

١٦ شاد ہیں باغِ فنا میں کب گل
اپنی ہستی پہ ہنسا کرتے ہیں

١٧ ہر خوشی کا باغِ عالم میں نیا ہی ہے مآل
کھلکھلا کر جب ہنسیں کلیاں پریشاں ہو گئیں

١٨ ہنسا جو سامنے اس غیرتِ چمن کے گل
تو چٹکیوں میں اسے غنچے سب اڑا کے ہنسے

١٩ چمنِ حسن پہ کیا پھول رہا ہے اپنے
نہیں رہنے کی سدا اے بتِ بیباک بہار

٢٠ کیوں غنچہ پریشاں نہ ہو ہوتے ہی شگفتہ
اس باغ میں ہونا ہی دلِ شاد غضب ہے

٢١ پہروں ہی رویا ہوں دم بھر جو ہنسا ہوں گاہے
بزمِ عالم میں ہنسی مجھ کو سزاوار نہ تھی

٢٢ اے غنچہ آنکھ کھول کے ٹک تو چمن کو دیکھ
جمعیتِ دلی پہ تیرے پھول ہنس چلے

٢٣ باغباں اتنا بہارِ باغِ ہستی پر نہ پھول
دیکھ لینا دو ہی دن میں کیا سے کیا ہو جائیگا

٢٤ چٹکا عبث نہیں کوئی غنچہ چمن میں آہ
اے توسنِ بہار تجھے تازیانہ تھا

صبا نے پوچھا نرگس سے چٹک کر غنچہ بول اٹھا۔
کہ اِس گلشن میں کوئی دم کا ہنسنا مسکرانا ہے

زبانِ حال سے کہتا ہے اپنے ہر اک گل
شگفتہ آئے تھے اس باغ سے ملول چلے

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل
یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سُن کر تبسّم کیا — میر تقی

صدا جرس کی ہے غنچوں کے کھِلنے سے آتی
روانہ نکہتِ گل کا ہے کارواں ہوتا

خندۂ گل سے صدائے نالہ آتی ہے مجھے
خونِ بلبل سے مگر سینچی گئی ہیں کیاریاں

اپنی ہستی پر نہ ہنس اتنا کہ ہنسی ہے فنا
دیکھ ہنستے ہنستے ہی تو آپ گل چھپ جائیگا

وقتِ خوش دیکھا نہ اک دم سے زیادہ دہر میں
خندۂ صبحِ چمن پر مثلِ شبنم روئیے

ہنسنا برا سہیلیو چھوڑنا جگ سنسار
جو ہنسیا سو لُٹیا اونے گھر بار

مالی آیا باغ میں کلیاں کریں پُکار
کھلی کھلی سب چُن لئیں کل ہماری بار

زخمِ خنداں ہے بعینہ گلِ خنداں ہر ایک
بُوئے خوں آتی ہے اس باغ میں آبِ جُو سے

اے خندۂ گلشن یہ ہے انجامِ شبِ عیش
گل روتے ہیں منہ ڈھانپے دامانِ سحر سے

حالتِ غم کو نہ بھولا چاہیئے شادی میں بھی۔
خندۂ گل دیکھ کر یاد اشکِ شبنم کیجیئے — آتش

وجہ عبرت ہے زمانے میں خوشی غم انجام
سبق آموز ہے ہر پھول کا خنداں ہونا — گویا

ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثلِ قلقلِ مینا
کسی نے قہقہہ اے بیخبر مارا تو کیا مارا — ذوق

کلی چٹک کر پوچھتی کیوں مرجھایا پھول
پھول کہے مت پھول میں گیا پھولکر بھول — خواجہ دل محمد

دل گرفتہ ہی بہ رنگِ غنچہ رہنا خوب ہے
ہنس کے پایا گل نے کیا گلزارِ ہستی میں مزا — ظفر

دانہ خاک آلودہ گردد از انارِ خندہ ناک
دِل مکدر میکنی از ہرزہ خندیدن چرا — شاہ آفریں

حق بجانب تھا اگر صیاد کو ہوتی خوشی
پھول کیوں ہنسنے لگے خونِ عنادل دیکھ کر — باسط

۴۴ ملے ہے غنچۂ دل خاک میں یک لب تبسّم سے
کسو کا دل کہو اس باغ میں خورسند کیونکر ہو

۴۵ لکھا برگِ گل پر یہ خطِّ جلی ہے
خوشا وقت اس کا جواب تنگ کلی ہے

۴۶ گل سے یہی اشارۂ شبنم ہے باغ میں
رونے کا ہے مقام یہ ہنسنے کی جا نہیں

۴۷ پڑتی ہے نظر جب کسی مرجھائی کلی پر
رو دیتی ہے شبنم گلِ خنداں کی ہنسی پر

۴۸ ہر گلِ خنداں کی قسمت میں ہے جب افسردگی
کیا کریں گے گلشنِ عالم میں خنداں ہو کے ہم

آنکھیں

۱ جس آنکھ کے پردے میں جھلکتے رہیں آنسو
در اصل وہ سرچشمۂ انوارِ خدا ہے

۲ آنکھ اس آنکھ سے دیکھو نہ مقابل ہو امیرؔ
اسی کھڑکی سے اتر آتا ہے جادو دل میں

۳ آنکھیں نہ جینے دینگی تیری بیوفا مجھے
ان کھڑکیوں سے جھانک رہی ہے قضا مجھے

۴ آنکھوں کو تیری کیونکہ میں باندھوں کہ یہ غزال
جاتے ہیں میرے دل کی زراعت چری ہوئے

۵ تک دل سے آؤ آنکھوں میں ہے دید کی جگہ
بہتر نہیں مکان کوئی اس مکان سے

۶ ہجر میں آنکھوں سے جاری ہے برابر سیلِ اشک
بند دو کوزوں میں دریا کی روانی ہو گئی

۷ اس واسطے کہ ہیں یہ وحشی نکل نہ جائیں
آنکھوں کو تیری مژگاں ڈوروں سے کستیاں ہیں

۸ نہ جا رونے پہ میرے بیوفا نالے تو نالے ہیں
ہماری عرف میں آنکھوں کو بھی نا سُو کہتے ہیں

۹ آنکھیں نہیں ہیں چہرے پہ تیرے فقیر کے
دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لئے

۱۰ متاعِ حسن کی میزان ہیں آنکھیں چشمِ بازو کی
انہی پلڑوں میں سونا تلتا ہے رخسارِ جاناں کا

۱۱ نری آنکھیں نہیں یہ دونوں پلّے ہیں ترازو کے
ہمیشہ نیک و بد کو تول ناسخؔ اس ترازو میں

۱۲ جو ہے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھونگا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں

خزاں سے پہلے ہی کاش اپنی آنکھیں بند ہو جاتیں
برسائیں گی ہماری بھی آنکھیں لہو کا مینہ ہو
وہ دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں
دلوں میں کہنے سننے سے عداوت آ ہی جاتی ہے
آنکھیں ہی بلا لاتی ہیں انسان پر اکثر

بہار اولیں ہوتی۔ نگاہِ واپسیں ہوتی
بجلی گرائیے نہ نگاہِ عتاب سے
سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبہ
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آ ہی جاتی ہے
اندھے ہی یہاں اچھے ہیں بینا نہیں اچھا — ناسخ

دُنبالے سے سرمہ کی دھواں ہیں تری آنکھیں
کہہ بیٹھیں نہ کچھ، سیف زباں ہیں تری آنکھیں

دیتی شربت ہے کسے زہر بھری آنکھ تری
جو کیفیت بھری ہے تری آنکھوں میں کہاں سیں
ہونگی بند آنکھیں تو سمجھو گے کہ بیداری یہ ہے
خواب میں سارے مزے وصل کے ہم لوٹتے ہیں
نہ لگتی آنکھ تو دن رات سوئے ہی رہتے
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
پلک جھپکنے میں ہے منہدم بنائے جہاں

عین احسان ہے وہ زہر بھی گر دیتی ہے
کہ نرگس کی کٹوری ساقیا اک جام خالی ہے
دیکھتے ہو کھول کر آنکھیں جو تم یہ خواب ہے
بند آنکھیں ہیں مگر بند کوئی کام نہیں — ناسخ
کسی کی چاہ نہ کرتے۔ تو کیا نہ کرتے ہم
مجھ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی
کھڑی ہوئی ہے عمارت یہ آنکھ کے تل پہ

تری آنکھ اے بُتِ نازنیں مئے بیخودی سے بھری رہی
کوئی ہوشیار نہ چھوڑیے اسی تاک میں یہ پڑی رہی

اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی
اے درد جب کی آنکھ کھلی اس جہان میں
مار ڈالا جان سے جس سے لڑائی تو نے آنکھ
سرخ رہتی ہیں مری آنکھیں لہو رونے سے شیخ
نظر لطف و عنایت سے تو میں درگذرا

اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب دیکھا
شبنم کی طرح جان کو اپنی وہ رو گیا — درد
ساقیا ڈورے تری آنکھوں میں ہیں تلوار کے
مے اگر ثابت ہو مجھ پر واجب التعزیر ہوں
آنکھیں دکھلاتے ہیں۔ لو اور تماشہ دیکھو

۳۲ کی نہ چین آنکھوں نے بلبل کی نگاہ سے سیرِ باغ / ہم نے یہ جانا کہ نابینا گئیں گلزار سے — آتش

۳۳ دونو جہان کی نہ رہی پھر خبر اُسے / دو پیالے تیری آنکھوں نے جسکو پلا دیئے — درد

۳۴ دُور سے جو آج مدت بعد چار آنکھیں ہوئیں / آبدیدہ ہو کے باہم کچھ اشارے ہو گئے — داغ

۳۵ لاکھ پردوں میں اگر بیٹھے نہیں پردہ نشیں / جسکے کچھ آنکھوں میں پردہ شرم کا حائل نہ ہو — انشا

۳۶ ہیں تغافل میں بھی سرگرم ستم وہ آنکھیں / آپ تو سوتے ہیں فتنوں کو جگا رکھا ہے — داغ

۳۷ آباد کب سے آنکھیں ہماری ہیں منتظر / کیا نیند۔ آگئی کہیں رستہ میں خواب کو — آباد

۳۸ مجھ کو رسوا کرو رو رو کے نہ تم اے آنکھو / راز ہم چشموں میں مت۔ مانو خدا کو۔ کھولو — ظفر

۳۹ تصور بھی عجب ہے دُور ہیں۔ ہم ہوں کہیں لیکن / لگی رہتی ہے آنکھ اپنی۔ درِ جاناں کے روزن پر — ناسخ

۴۰ آنکھیں جو کھل رہی ہیں مرنے کے بعد میری / حسرت یہ تھی کہ اسکو میں اک نگاہ دیکھوں

۴۱ جب تلک آنکھیں کھلی ہیں۔ دُکھ پہ دُکھ دیکھینگے یاں
مند گئیں جب انکھڑیاں تب سوز سب آنند ہیں — سوز

۴۲ وہ گئے دن، جو ہمیشہ مجھ سے سیدھی آنکھ تھی / جب نہ تب میں اینٹھ پاتا ہوں نگاہِ یار کج

۴۳ یہ چاہتا ہے دل کہ قاصد بجائے مُہر / آنکھ اپنی ہو لفافۂ خط پر لگی ہوئی

۴۴ سودا کے جو بالیں پہ اٹھا شورِ قیامت / خدامِ ادب بولے۔ ابھی آنکھ لگی ہے — سودا

۴۵ سورج مکھی کے پھول کا عالم ہے آنکھ تو / یہ بھی تمہارے ساتھ پھری تم جدھر پھرے

۴۶ حسن کی طالب اگر وہ ہے تو ہونے دے دلا / تجھ کو کیا مطلب ہے اپنے فعل کی مختار آنکھ

۴۷ تمیز ہو تو کرے فرق دوست دشمن میں / خدا نے آنکھیں ہیں دی دیکھ بھال لینے کو — رند

۴۸ عبث تو گھر بناتا ہے مری آنکھوں میں اے پیارے
کسی نے آج تک دیکھا نہیں۔ پانی پہ گھر ٹھہرا

۴۹ آنکھ سے آنکھ لڑی پر مجھے ڈر ہے دل کا / کہیں یہ جائے نہ اس جنگ و جدل میں مارا — ذوق

۵۰ حلم اگر دل میں نہ ہووے کہیں بہتر تیغ / ڈھیلے اچھے ہیں حیا ہو نہ اگر آنکھوں میں — ناسخ

رہتی ہیں آنکھیں بند تصور میں یار کے
تارِ نگہ سے اپنے بندھا ہے خیال دوست

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالبؔ
یار لائے مرے بالیں پہ اُسے پر کس وقت — غالب

یُونہیں گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا اِن بستیوں کو تُم کہ ویراں ہو گئیں — غالب

یہی رونا ہے جو اِن خانہ خراب آنکھوں کا
بام سے در سے جدا ، در سے ہے دیوار جُدا

دیں ہوش بھلا مردم ہشیار کے پل میں
آنکھوں کو تمہارے یہ فسوں یاد غضب ہے

آنکھ کے ملتے ہی باہم چھا گئی حیرانیاں
آئینے کی شکل یاں عالم وہاں تصویر کا

عجب طُرفہ تماشہ عالمِ ایجاد رکھتا ہے
جو آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اُسے دل یاد رکھتا ہے

تھا خواب میں خیال کہ تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سُود تھا

آنکھوں کو شغل گریہ ہمیشہ رہا عزیزؔ
دریا کی ساری عمر روانی میں کٹ گئی — عزیز

سب کو دیکھا اِس نے اور اُس کو نہ دیکھا جُوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا — ذوق

مُوند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے
کچھ نظر آتا نہیں جب آنکھ کھولے ہے حباب — میر تقی

دل کو ہوئے ہیں معنی توحید منکشف
آنکھوں کو کچھ نظر نہیں آتا سوائے دوست — آتش

اشک بھر آئے تھے آنکھوں میں مگر گرنے نہ پائے
پردہ در ہوتے ہی پردہ دار آنکھیں ہو گئیں — ساغر

جو پُوچھا حسن پر دونوں میں پہلے کون مائل تھا
مرے دل نے کہا آنکھیں تھیں آنکھوں نے کہا دل تھا — فصاحت

دیکھتے دیکھتے تلوار آنکھیں ہو گئیں
دل کے دو ٹکڑے ہوئے جب چار آنکھیں ہو گئیں

آنکھوں میں ڈول اُس آئینہ رو کو جگہ ولے
ٹپکا کرے ہے بسکہ یہ گھر نم عبث ہی یاں

کس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا
آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم نکل گیا

آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا — مومن

آنکھ لڑتے ہی کوئی طاقت ہماری لے گیا
ناتوانی کا بہانہ ہے زورِ جسم زار پر — آباد

حیرت زدہ نہیں ہے فقط تو ہی آئینہ
یاں تک بھی جس کی آنکھ کھلی ہے سو دنگ ہے — درد

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں عجب خواب ناز ہے
فتنہ تو سو رہا ہے درِ فتنہ باز ہے — ناسخ

کدورت دل کی مٹ جاتی ہے اشکوں کے بہانے سے
مری آنکھوں سے سیکھو دفترِ رنج و محن دھونا

نہیں رہبر کی کچھ پروا ہم صدقے تصور کے
کہ آنکھیں بند کیں اور چھپ کے تیر کوچہ جاناں پہنچے

آنکھ لگتی ہے تو کہتے ہیں کہ نیند آتی ہے
آنکھ اپنی جو لگی چین نہیں خواب نہیں

ہونٹ جب کانپے تو آنکھیں ڈبڈبا آئیں مری
داستاں کا آخری ٹکڑا سنانے کے لیے

آنسو

۱ جو راہِ عشق میں دل پر مصیبت کوئی پڑتی ہے
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے

۲ اس پہ روتا ہوں کہ دل میں جو نہاں تھے اسرار
وہ بھی آنکھوں سے ٹپکنے لگے آنسو ہو کر

۳ الفت کا راز ان سے چھپایا تو تھا مگر
آنسو تھما نہ دیدۂ تر سے نکل گیا

۴ اے آنسوؤ نہ آوے کچھ دل کی بات منہ پر
لڑکے ہو تم کہیں مت افشائے راز کرنا

۵ دل کی دیتا ہے خبر آٹھ پہر وقت میں
کام ہرکارہ کا کرتا ہے مرا ہر آنسو

۶ مفصل زندگی پر مختصر سا تبصرہ سمجھو
دمِ آخر ڈھلکا ہے ایک آنسو دیدۂ تر میں

۷ افشائے رازِ الفت کرتے ہیں وا حسرت
آنکھوں سے میری ساحل آنسو نکل نکل کے

۸ آنسوؤں کا مری آنکھوں سے رواں ہو جانا
اور مرا رازِ نہاں سب پہ عیاں ہو جانا

۹ وہ راز اب آنسوؤں میں بن کے موجِ خوں نکلتے ہیں
مثالِ شمع تھے جو رونقِ ظلمت سرائے دل

۱۰ ضبطِ فغاں سے حضرتِ دل ہجرِ یار میں
کیا فائدہ جب آنکھ سے آنسو نکل گیا

۱۱ کسی پہ رازِ نہاں دل کا تیرہ اے آنکھو
جو تم نہ گریہ سے افشا کرو تو کیونکر ہو

۱۲ رازِ دل افشا نہ ہو ایدل کہے دیتا ہوں میں
پھوڑ ڈالوں آنکھ اگر آنسو نظر آیا مجھے

۱۳ منکشف اسپر نہ ہو جائیں کہیں مایوسیاں
دیکھ کر آنسو بہا اے چشمِ گریاں دیکھ کر

نمایاں ہو گئے ہیں آنسو غم نہاں کے
آنکھوں سے گر رہے ہیں ٹکڑے مری فغاں کے

کیا آنسوؤں نے پردۂ الفت کیا ہی فاش
آنکھوں سے آشکارہ ہے راز نہان دل — امیر

خوں فشانی سے مجھے ہوتی رہی تعلیم غم
ثبت ہر آنسو پہ دل کی داستاں دکھا گیا — ہادی

آنکھ سے آنسو جو ٹپکا۔ ترجمان دل بنا
اضطراب دل نہاں تھا۔ گریۂ شبگیر میں — اثر

ہمارے آنسوؤں میں یوں ہے راز عشق ظفر
کہ جس طرح سے ہو خوشبو گلاب کے اندر — ظفر

آنسو گرا جو آنکھ سے۔ تقدیر نے کہا
ملتے ہیں دیکھ خاک میں یوں آبرو پسند — داغ

آنکھ کمبخت سے اس بزم میں آنسو نہ رکا
ایک قطرے نے ڈبویا مجھے دریا ہو کر

ہوا اندکو زمام اس کا۔ کہ آنسو بہہ چلے منہ پر
ہمارے کام سارے۔ دیدۂ تر ہی ڈبوتا ہے — میر تقی

آتے نہیں گر کے سوئے چشم یہ آنسو
اس گھر سے مگر روٹھ کے نکلے ہیں یہ لڑکے — معین

مجھ کو رسوا کرو رو رو کے نہ تم اے آنکھو
راز ہمچشموں میں مت۔ مانو خدا کو۔ کھولو — ظفر

اشکوں نے نکل کر کیا اظہار محبت
لڑکے تھے چھپائے نہ گیا راز محبت

بھید دل کا گریہ سے اے چشم نم کھل جائیگا
وہ جو ہے پوشیدہ اپنا حال غم۔ کھل جائے گا — ظفر

دینے یہ اشک و آہ ہیں۔ تکلیف کیوں عبث
ہو جاتا راز دل جو نگاہوں میں فاش ہے — ذوق

فلک نے خوب خدمت لی ہمارے دیدۂ تر سے
کہ ہر آنسو نے منہ دھویا شب مہتاب ہجراں سے — داغ

میرجی راز عشق ہو گا فاش
چشم ہر لحظہ مت پرآب کرد — میر تقی

اے ضبط دیکھ عشق کی ان کو خبر نہ ہو
دل میں ہزار درد اٹھے آنکھ تر نہ ہو

نہیں۔ کیا حکم ہے ضبط محبت
کچھ آنسو آ گئے ہیں چشم تر تک

اختلاج و درد سر تھا ضبط گریہ کے سبب
بہہ گئے آنکھوں سے جب دو چار آنسو کچھ نہ تھا — فصاحت

کیا آنکھوں نے پردہ فاش میرا رازداں ہو کر
کہ آنسو بھی ٹپکتا ہے تو فریاد و فغاں ہو کر — عیاں

۳۳ دیدۂ گریاں میں غلطاں ہے ترا عکس جمال
۳۴ خیر گذری آنکھ سے ٹپکا نہ کوئی اشکِ خوں
۳۵ جو آنسو آویں تو پی جا - کہ تا رہے پردہ
۳۶ خلق تجھ سے بیخبر ہی دے خبر خالق کو تُو
۳۷ ہو نہ رازِ عشق افشا ، آبرو ریزی نہ ہو
۳۸ طرفہ سانحہ ہے غمِ درد و محبت جس سے
۳۹ آنسوؤں کا قافلہ چلنے لگا - نالے کے ساتھ
۴۰ متصل روتے ہی رہیئے تو بُجھے آتشِ دل
۴۱ بہاتا ہوں آنسو - جو آنکھوں سے پیہم
۴۲ اشکم بروں مے افگند رازِ درونِ پردہ را
۴۳ آنسوؤں کو مرے اک نالۂ خاموش سمجھ

میرا آنسو ہے کہ شیشہ ہے تری تصویر کا
آشکارا - رازِ پنہاں - ہوتے ہوتے رہ گیا
ملا ہے چشمِ تر - افشائے راز کرنے کو
تا ریرتی گر نہیں ہے آنسوؤں کا تار بند
پھوٹ بہنا تو اگر اے چشمِ گریاں چھوڑ دے (اثر)
ڈھلتے ہیں آٹھ پہر موتی سے آنسو دل میں
یہ جرس آواز پر اپنی لگا کر لے چلا
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں
دلا داغِ اُلفت کی یہ شستست و شو ہے (داغ)
آرے نشکا نتہا بود از خانہ بیروں رفتہ را
اِس میں تاثیر وہی ہے مگر آواز نہیں

۴۴ خموشی کا کہا سب حال اشکوں نے زباں ہو کر
۴۵ مری آنکھوں سے حسرت پھُوٹ نکلی داستاں ہو کر

۴۶ دَم رُکتے ہی سینے سے نکل پڑتے ہیں آنسو
۴۷ گر نظر آتا نہیں یک لمحہ وُہ نورِ نظر
۴۸ آفتابِ حشر ہے یارب کہ نکلا گرم گرم
۴۹ آنسوؤں سے بیقراری میں ذرا تسکین ہوئی
۵۰ ضبط کا یارا نہ تھا - حیرت نے رکھ لی آبرو
۵۱ اس کی نظر پڑی جو میرے حالِ زار پر
۵۲ گو بہت کچھ رنج یارانِ وطن سے تھا ہمیں
۵۳ کیا روکا اپنے گریئے کو ہم نے کہ لگ گئی

بارش کی علامت ہے جو ہوتی ہے ہوا بند (داغ)
کرتے ہیں اپنی نظر کو آنسوؤں کا تار ہم
کوئی آنسو دل جلوں کے دیدۂ غمناک سے (ذوق)
بڑھ گیا اور اضطرابِ دل جو رونا کم ہوا (امیر)
کب گرا کرتے ہیں آنسو دیدۂ تصویر سے (احد)
بے اختیار آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے (سرور)
آنکھ میں آنسو مگر وقتِ سفر آ ہی گیا
پھر وہ ہی آنسوؤں کی جھڑی - دو گھڑی کے بعد

نمبر	مصرعِ اول	مصرعِ ثانی	شاعر
٥٣	کیا جل رہی ہیں آنکھیں مری بے جمالِ دوست	ہے آنسوؤں کے قطروں میں حالت شرار کی	
٥٤	جوشِ رقت کے سبب محروم ہوں دیدار سے	سی دیا آنکھوں کو گویا۔ آنسوؤں کے تار سے	
٥٥	روتے ہی روتے ٹوٹ گیا رشتۂ حیات	پر آنسوؤں کا تار نہ ٹوٹا کسی طرح	ظفر
٥٦	چشم وہ کیا ہے کہ جسمیں ایک بھی آنسو نہیں	آبرو تب ہے صدف کی جبکہ ہو گوہر سمیت	شاہ نصیر
٥٧	دل کی بیچینی چھپے گی نہ مرے اشکوں سے	خوب جاسوس یہ ہر دم کی خبر رکھتے ہیں	سحر
٥٨	گواہِ ظاہری ہے چشمۂ دل کے اُبلنے کا	وگرنہ کیا سبب ہے آنکھ سے آنسو نکلنے کا	تسلیم
٥٩	ہم سے تو ضبطِ غم نہیں ہوتے کا چشمِ تر	لینا خبر کہ جل گئے سوزِ نہاں سے ہم	عیش
٦٠	نکل کر آنسوؤں نے رازِ اُلفت کر دیا ظاہر	سرِ محفل ڈبویا تو نے چشمِ خونفشاں ہو کر	طالب
٦١	ماجرائے دل نخواہم گفت کس	آبِ چشمم ترجمانی مے کند	سعدی
٦٢	یک شیوہ نشناسد چشمِ تو در خرابات	تعویذِ جانفزائی۔ وافسونِ غمزہ گاہی	حافظ

آسیا

نمبر	مصرعِ اول	مصرعِ ثانی	شاعر
١	آسیا کہتی ہے ہر صبح یہ آوازِ بلند	رزق سے بھرتا ہی رزاق دہن پتھر کا	میر
٢	ہر انسان کو صدا یہی دیتی ہے آسیا	میرے دہن میں رزق ہے تیرے نصیب کا	فصاحت
٣	آسیا کہتی ہے گو غیر کے قبضہ میں تھا	مُنہ تلک آ ہی گیا رزق۔ مقدر دیکھا	″
٤	غیر گردش کے پہنچتا نہیں رزق	شاہد اس کے ہیں آسیائے سنگ	داود
٥	ہلا بے مانگے گو رزق آسیا کو	مگر اس پر بھی گردش میں بسر کی	
٦	آسیا کی طرف غور سے گر دیکھ ظفر	کھاتے گردش سے زمانے کی ہیں پتھر چکر	ظفر
٧	آسیا سے اب کوئی سیکھے رفاقت کا طریق	ساتھ گردش میں بھی پتھر کا نہ چھوڑی پتھر	جرات
٨	گردش ہے اسکو ذائقہ ملتا ہے اور کو	کھولے ہوئے ہے حرص میں کیوں آسیا دہن	شرف
٩	جمعِ دل موقوف بر جمعیتِ اسباب نیست	باوجودِ آب و دانہ آسیا در گردش است	(ابن مکی)

۱۰ گردشِ تقدیر سے ہوں سخت حیراں اے فلک
رزقِ بے منت کے قابل آسیا تھی ہی نہ تھا

۱۱ رزق اپنا آسیا سا منحصر گردش میں ہے
ہے لکھا شاید مرا خطِ مقدر زیرِ پا

۱۲ نہیں ہے گردشِ چرخِ آسیا سا فیض سے خالی
جہاں کو رزق پہنچاتا ہے گو رہتا ہے چکر میں

۱۳ یہ نشاں ہے ناسخِ سرگشتہ کی ویرانی کا
آسیا کی طرح سنگِ آستاں گردش میں ہے

۱۴ گو ہے چکر آسیا کو رزق کی خاطر۔ مگر
دربدر تو یہ نہیں پھرتی ہے سائل کی طرح

۱۵ جستجو از بہرِ روزی باعثِ شرمندگی ست
زیں خجالت آسیا انگشت دارد در دہن

۱۶ اٹھائیں لطف نہ نعمت سے اپنے سرگرداں
دہانِ غیر میں ہے رزقِ آسیا جاتا

۱۷ مرے منہ کا ہے لقمہ حصۂ غیر
مجھے قسمت ملی ہے آسیا کی

۱۸ پابندِ آب و دانہ ہو سالک محال ہے
طے ہو نہ ایک گام جو لاکھ آسیا چلے

۱۹ گردنی خود پیش مے آید فلک را تہمت ست
ہر چہ اندازی میانِ آسیا آید بروں

۲۰ خونریزیاں جہان میں رہتی ہیں بہرِ رزق
کچھ آسیا کے سامنے قدرِ سناں نہیں

۲۱ گدا چوں یافت روزیِ خویش را داند مسلمانی
برائے مور سنگِ آسیا تختِ رواں باشد

۲۲ زبردست اضطراب و زیردست آسودگی دارد
کہ شاہد بر کلامِ من دو سنگِ آسیا باشند

۲۳ جل گیا اگتے ہی دانہ جو مری قسمت کا تھا
آسیا رہ گئی انگشت بدنداں ہو کر

۲۴ ڈر ہے دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس نہ جائیں
اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس

۲۵ میں ہوں چکر میں۔ لگی جب سے ہے دنیا کی ہوس
حال میرا ہے بعینہ آسیائے بادکا

۲۶ اب پھر رہی ہے کس لیے یہ آسیائے چرخ
میں سرمہ ساں تو گردشِ ایام ہو چکا

۲۷ پیسے گا استخوان مرے اضطرابِ دل
عالم اب آسیا کا ہے سنگِ مزار میں

۲۸ پستے ہیں ہر ہر قدم پر دانہ ہائے آبلہ
اے جنوں گردش ہماری آسیا سے کم نہیں

نہیں اکدم بھی مجھ کو گردشِ تقدیر سے فرصت
روشن ضمیر جلتے ہیں عالم میں۔ جوں نجوم
نہ گردیدن رسد چو آسیا دندانہ ام روزی
رُوئے زمیں پہ جورِ فلک سے نذر نہ ہو
بسانِ آسیا گردش ہے بخت کو ہر دم
زمیں سے بھی خدا نے چرخ کو پیدا کیا پہلے

الٰہی چاک ہوں۔ گرداب ہوں یا آسیا ہوں میں
چرخ آسیا سے اپنے یہ دانے نہ دل سکے
من از گردش چو مانم روزئی من در سفر باشد
بچتا نہیں وُہ دانہ جو ہو آسیا کے ہاتھ — عاجز
پہنچنے دیگا نہ دانہ بھی آسماں مُنہ میں — اشرف
نبی ہے دانہ گندم سے شائد آسیا پہلے — برتر

شمع و پروانہ

شمع گل ہوکر بجھی۔ پروانہ جل کر رہ گیا
شمع پروانے سے کہتی ہے یہ رو کر شبِ وصل
یہ رات شمع سے کہتا تھا درد پروانہ
شمع و پروانہ کی حالت سے یہ ظاہر ہوا
کہہ گئے پروانے جل کر۔ شمع تو ہنستی ہی گیا
شمع کے رونے پہ پروانے نے یوں جلکر کہا
یاد کر کل شب کو پروانے کا جلنا بزم میں
پروانوں کی ہیں لاشیں لگن میں پڑی ہوئی ہیں
شمع بھی کم نہیں کچھ عشق میں پروانے سے
اور میں راز و نیازِ عشق سے واقف نہیں
شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
شعلہ پہ ہر چند دلِ پروانہ کا بھی ہے نثار
شمع روتی تھی یہ احوالِ تباہی دیکھ کر

جس کے دل میں ہو جو جذبہ وہ نکل کر رہ گیا
آج کی رات بچیں گے تو سحر دیکھیں گے
کہ حالِ دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں — درد
زندگی کا لُطف کچھ جل جل کے مرجانے میں ہے
تو رہی ناپاک ہم نے پاک قصہ کر لیا
کیسی ٹھنڈی گرمیاں ہیں آگ بھڑکانے کے بعد — نفیس
شمع نے تا صبح بس رونے کا باندھا تار تھا — مسائل
رو رو کے کیوں نہ دل کا نکالے بُخار شمع — امیر
جان دیتا ہے اگر وہ تو یہ سر دیتی ہے — ذوق
یہ تو دیکھا ہے سرِ پروانہ تھا اور پائے شمع — رند
پوچھوں آ درد میں کس سے اب خبرِ پروانہ — درد
واسطے جلنے کے پر کیا ہی جگر رکھتی ہے شمع — میر
ایک اُس کی جان تھی اور سینکڑوں پروانے تھے

۱۴ کس گنہ کا ہے پس از مرگ یہ عذرِ جانسوز — پاؤں پر شمع کے پانے ہیں سرِ پروانہ

۱۵ حال یکساں ہی جہاں میں شمع کا پروانہ کا — وہ بھی جلنے کے لیے یہ بھی جلنے کے لیے

۱۶ عاشق مزاج ہونے کو کچھ سوز چاہیئے — کافی ہزاروں شمع پہ پروانہ ایک ہے

۱۷ کرتی ہے زیرِ برقعۂ فانوس تاک جھانک — پروانے سے ہی شمع مکرر لگی ہوئی

۱۸ سبک رُوحی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہے — کہ دوشِ شمع پر رکھتا نہیں بارِ کفن اپنا

۱۹ زبانِ شمع کہتی ہے کہ میں تم کو جلا دُوں گی — میں کب ٹلتا ہوں۔ پروانہ سرِ محفل یہ کہتا ہے

۲۰ جب شمع بزمِ نُور سے بیگانہ ہو گئی — پروانہ آ کے اُس پہ فدا بھی نہ ہو سکا

۲۱ ممکن نہیں کہ ہو نہ سزا جُرمِ عشق کی — پروانہ کے ہے واسطے موجُود دارِ شمع

۲۲ بزمِ ہستی میں کوئی دیکھے تو فطرت کا مذاق — شمع کے ہمراہ پروانہ بھی پیدا کر دیا

۲۳ جل جل کے کہہ رہے تھے یہ پروانے شمع سے — احسانِ زیست ہو۔ تو گوارا نہ کیجیے

۲۴ رو چکی پروانے کو۔ رونا تھا جتنا کل کی رات — ایک آنسو آج چشمِ شمعِ محفل میں نہیں

۲۵ آپ ہی جل رہے ہیں پروانے — شمع کی سرگذشت کون سُنے

۲۶ ہر رنگ میں جلا اسدؔ فتنۂ انتظار — پروانہ تجلیٔ شمعِ ظہُور تھا

۲۷ پروانہ کو جلا کے ہوئی شمع بھی تمام — جلنا بغیر یار کے ہے ننگ و عارِ شمع

۲۸ دیدی کہ خُونِ ناحقِ پروانہ شمع را — چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

۲۹ پروانوں کو جلانے کا انجام ہے بُرا — لیتی ہے اپنے سر پہ عبث یہ عذابِ شمع

۳۰ شمع تیرا آپ گریہ پھر یہ کس کام آئے گا — جب پڑی بے غسل یُونہیں لاشِ پروانہ رہے

۳۱ کاش تا شمع نہ ہوتا گذرِ پروانہ — تم نے کیا قہر کیا بال و پرِ پروانہ

۳۲ جلا پروانہ کوئی شمع پر گر کر تو سمجھا میں — کہ مر جانا مآلِ مذہبِ شاہد پرستی ہے

پروانے پڑے جلتے ہیں، روتی ہی کھڑی شمع — یارب نہ نصیبِ وصل ہو کوتاہ کسی کی

[...]لا میری جلائے۔ شمع محفل جل کے کہتی ہے
خود اپنی آگ میں جلتا ہوا پروانہ آتا ہے — صفدر

[...]پاس آئے تو جلے۔ دور ہو بیتاب رہے
سر دھنا کرتی ہے پروانوں کے افسوس میں شمع — آزاد

بجھی جو شمع تو پروانوں پہ ہوا روشن
کہ بعدِ مرگ کوئی آشنا نہیں رہتا — احسان

کارفرما ہے فقط حسن کا نیرنگِ کمال
چاہے وہ شمع بنے۔ چاہے وہ پروانہ بنے — اصغر

نہ کی کچھ شمع نے پروا۔ جلے ہر چند پروانے
ہر اک معشوق کو منظور عاشق کا جلانا ہے — آباد

پروانہ رات شمع سے کہتا تھا رازِ عشق
مجھ ناتواں نے کیا کیا اٹھایا ہے نازِ عشق — سودا

بن جلے شمع کے۔ پروانہ جل نہیں سکتا
کیا کرے عشق۔ اگر حسن ہی سبقت نہ کرے — ذوق

پروانے کی ہے موت پر اے شمع مجھ کو رشک
تیرا شہیدِ ناز تیرے روبرو تو ہے — وحشت

بجا ہے شمع کا محفل میں سر سو بار کٹ جائے
کہ پروانوں کا خوں اس نے لیا ہے اپنی گردن پر

پروانہ شمع رو پر کیونکر نہ ہووے قرباں
شعلے کے گرد پھرنا کب کام ہے مگس کا

رات بھر آتشِ حسرت سے جلا کرتی ہے
شمع پر صبر پڑا ہے کسی پروانے کا

ایک دم کے ساتھ تھا ہنگامۂ سوز و گداز
اب وہ پروانے کہاں جب شمع محفل اٹھ گئی — اکبر حیدرآبادی

اے شمع تجھ کو موت نہ آئی تمام رات
پروانہ ایک آن میں جل کر فنا ہوا — بسمل

[...]یک کے یوسف نے زلیخا کا کیا بازار گرم
شمع نے روشن کیا ہے جل کے پروانے کا نام — خیال

پروانہ کی طاقت ہے مگر اڑ نہیں سکتا
وہ شمع نے تاثیر کی پروانے کے پر میں — درد کاکوروی

کون ہے میرا بجز پروانہ مرغِ نامہ بر
شرح سے مکتوب کے میرے خبر رکھتی ہے شمع — سودا

اس شمع رو سے ہو گئی دل بستگی۔ تو پھر
پروانے کی طرح کوئی پروانہ چاہیئے — ساحر

کچھ نہ دیکھا پھر بجز یک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا — میر تقی

موت ہو جاتا ہے عاشق کو وصالِ معشوق
شمع کا قرب جلا دیتا ہے پروانے کو — جرار

پروانے اور شمع کی الفت میں فرق ہے
یہ صبح تک جلا کی۔ وہ دم بھر میں جل گیا — فصاحت

۵۴ — تمام رات جلاتی رہی ہے پروانے / یہ شمع خاک جلی ہوگی۔ انجمن کے لئے — فدا

۵۵ — اپنی سوزش کا کیا ہے شمع نے اچھا علاج / رکھ لئے ہیں دل میں پروانوں کے پر ٹوٹے ہوئے

۵۶ — شمع کی مانند کیا آتش زبانی پر گھمنڈ / صورتِ پروانہ کر سوزِ نہانی پر گھمنڈ

۵۷ — غنیمتے شمر اے شمع وصلِ پروانہ / کہ ایں معاملہ تا صبحدم نخواہد ماند

۵۸ — شمع پروانہ را بسوخت۔ وے / زود بریاں شود بہ روغنِ خویش

۵۹ — گریۂ شمع از برائے ماتمِ پروانہ نیست / صبح نزدیک است در فکرِ شبِ تارِ خود است

۶۰ — اعتنائے نیست گر مہمانِ معشوقانہ را / شمع میخواند برائے سوختن پروانہ را

۶۱ — غیرتے داری گر اے پروانہ فکرے کن کہ دوش / شمع در یک پیرہن تا صبح با فانوس بود

۶۲ — گستاخ بہت شمع سے پروانہ ہوا ہے / موت آئی ہے سر چڑھتا ہے دیوانہ ہوا ہے — آتش

۶۳ — بن آیا نہ شمع پر آیا۔ گرد پھرا۔ پھر جل بھی گیا / اپنا جی بھی حد سے زیادہ رات جلا پروانے پر — میرتقی

۶۴ — پہنچا نہ اُسکی داد کو مجلس میں کوئی رات / مارا بہت پتنگ نے سر شمع دان پہ

۶۵ — صُبح تک شمع سر کو دھنتی رہی / کیا پتنگے نے التماس کیا — میر

۶۶ — اے شمع کچھ خبر ہے تجھے اس پتنگ کی / جو یاں وہ پر جلا کے پڑا ہے وطن سے دُور

۶۷ — گرمی اہلِ بزم سے مت کر کہ میں ہوتا ہوں داغ / شمع کی خدمت میں ہے اپنی ہی پروانے کی غرض

۶۸ — پروانہ گرد شمع کے شب دو گھڑی رہا / پھر دیکھی اُس کی خاک پڑی دو گھڑی کے بعد

۶۹ — غور سے دیکھو تو زیرِ پردۂ سوز و گداز / شمع کہتے ہیں جسے وہ جوہرِ پروانہ ہے — احد

۷۰ — شب فروغِ بزم کا باعث ہُوا تھا حسنِ دوست / شمع کا جلوہ غُبارِ دیدۂ پروانہ تھا — میرتقی

تیرے ہوتے جو مجلس میں قضا پروانے کو لائی / دیا جی شمع پر اُس نے یہ چربی آنکھوں میں چھائی — سودا

	ہر کسی نے کی فریبِ دوستی میں دشمنی	میری شمعِ قبر پر موج ہوا پروانہ ہے	اسخ
	کیا فیضِ سوزِ عشق سے مرقد لگن ہوا	پروانوں کو نصیب پروں کا کفن ہوا	

دولت

نمبر	مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
۱	دولت بجز فساد کسی کو نہیں ملی	دیکھو کہ لفظِ گنج بھی مقلوبِ جنگ ہے	
۲	بادہ خوردن و ہوشیار نشستن سہل است	گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی	
۳	کیجیے غور تو دولت بھی ہیر پھیر ہے	کہ کریموں کو خدا سے یہ ہلا دیتی ہے	امیر
۴	دولت وہی ہے جس سے کہ ہو فیضِ خاص و عام	کس کام کے جو بحر میں گوہر ہیئت سے ہیں	
۵	ہنر سے نیاریوں کے حال یہ ظاہر ہوا ہمکو	مقدر میں جو دولت ہو تو زر ہو خاک سے پیدا	آتش
۶	دولت کی دولات ہیں تلسی نشچے کین	آوت اندھا کرت ہے جاوت کرت ادھین	
۷	نشہ دولت کا جس بد اطوار کو آن چڑھا	سر پہ شیطان کے اک اور شیطان چڑھا	ذوق
۸	دولت کی رکھ نہ بارِ سرِ گنج سے اُمید	موذی وہ دیگا کیا کہ جو دولت پرست ہے	ذوق
۹	مجھ سے کیا لیگا جو کاوش اُسے کرنی ہی کرے	چرخ نے دی نہیں کچھ دولتِ دنیا مجھکو	رند
۱۰	دولت کی اگر خواہش ہے تمہیں ہشیار رہو غفلت سے	ہر جاگنے والا پاتا ہے ہر سونے والا کھوتا ہے	
۱۱	طمع دولت کی نے تابِ تعب مت رکھ زمانے سے	ہوسنا نہ جھونکے آگ میں مس زر نہیں ہوتا	
۱۲	غیرِ حسرت لیگیا یاں سے کوئی کیا اپنے ساتھ	آسماں سے کس توقع پر میں دولت مانگتا	
۱۳	نہ ہوا ے منعمو مغرور مال و دولت و زر پہ	کہ دیکھو یاس کا عالم ہے کیا قبرِ سکندر پر	
۱۴	یہ دولتمند ہیں پابندِ انواعِ گرفتاری	چھٹیں ہرگز نہ قیدوں سے کہ لاکھوں دام رکھتے ہیں	اثر
۱۵	دولتِ دنیا کی کیا لذت ہے ایسے چور کو	ساری قوت صرف جب اسکی نگہبانی میں ہے	
۱۶	زوالِ جاہ و دولت میں بس اتنی بات اچھی ہے	کہ دنیا کو بخوبی آدمی پہچان لیتا ہے	
۱۷	دولت کی عاقبت طرفِ فقر ہے رجوع	تکیہ فقیر کا ہے لحد بادشاہ کی	

۱۸ ہے سزاوارِ اہلِ دولت سے فقیروں کا غرور — ہاتھ کو جو کھینچ لیگا۔ پاؤں کو پھیلائیگا — آتش

۱۹ بخیل اور مسرف ہیں محروم دونو — کہ دولت کو کرتے ہیں معدوم دونو

۲۰ مال و دولت پہ عبث نازاں ہو تم ای منعمو — یہ تو ڈھلتی چھاؤں ہو رہنا ہی اسنے کب سدا — دبیر

۲۱ یہ دولت ہی ہے حاصل جس سے ہو سکتی ہیں سب باتیں — اگر تم کو میسّر ہے تو کارِ نیک تم کر لو

۲۲ کرتے تھے جمع دولتِ دُنیا کو جو حریص — ساتھ اپنے لے گئے کہو مالِ جہاں کے کیا؟

۲۳ آخرکار تہِ خاک ہے مسکن سب کا — اہلِ دولت کو بلند آج مکاں کرنے دو — سہیم

۲۴ دولت بڑی وبال ہے انساں کیواسطے — نادار کا فقیر کا کوئی عدو نہیں — غریب

۲۵ پھول گلشن میں ہنسے کر کے زر اپنا برباد — کہ اُڑانے ہی میں دولت کے ہیں دولت کے مزے — ذوق

۲۶ نیش زن کو اپنی دولت سے نہیں ممکن فروغ — کب ہوئی روشن میانہ خانۂ زنبور شمع — آتش

۲۷ فقر کے کوچے میں قدرِ دولتِ دُنیا نہیں — ٹھوکریں کھاتے ہیں یاں پارس سے پتھر سینکڑوں — آتش

۲۸ لایا ہے کوئی ساتھ نہ لیجائے گا کوئی — دولت ہو اور عادتِ احساں نہ ہو تو کیا

۲۹ اسفلوں کو دولتِ دنیا سے اُلفت ہے کمال — دیکھو تا زیرِ زمیں ہمراہِ قاروں مال ہے — ناسخ

۳۰ وہ دولت کر طلب جس سے کہ دل ہو جائے مستغنی — اگر ہاتھ آ ئے گا گنجینۂ قاروں نہ ٹھہرے گا — ذوق

۳۱ خدا دے دولتِ قاروں۔ تو یہ کیجئے — نہ حاتم نے کیا ہو اس قدر خرچ

۳۲ ہے بجا کہیئے اگر دولتِ دُنیا کو پری — ہوشیاروں کو یہ دیوانہ بنا دیتی ہے — امیر

۳۳ لاکھ منعم جمع کر لے مال و زر۔ لیکن رفیع — فکر و زحمت کے سوا کچھ حاصلِ دولت نہیں — رفیع

۳۴ تند رفتاری سے ہوگا جلد دولت کا زوال — دیکھ دریا میں کہاں جو توڑ سے سیلاب میں

۳۵ ڈھونڈتے پھرِ شکم ہیں رات دن دولت کو ہم — یاں تو دوزخ کی پڑی ہے ترسیں گے واں جنت کو ہم — احسان

نہیں ممکن کہ سیاہ دل نہ ہو زرداروں کا — ایک دن میں ہو سیاہ کیسی ہو ٹکسال سفید

خُدا کے قہر سے ڈر بھول دولت پر نہ ای منعم — خزانہ تیرا کچھ افزوں نہیں ہے گنجِ قاروں سے — رند

منعمو تم صورت قارون اُٹھاؤ گے زیاں
زیر ہو گیا قارون کو راہِ عدم کی روشنی
زندگی میں صرف کرتا سیکڑوں شی ہو حصول
خدا نے زر کیا پیدا اڑا دینے کو دنیا میں
سر پہ لیجانا نہیں ہمکو اٹھا کر زیرِ خاک
اگر ایسی ہے اِن اہلِ دوَل کی پستیٔ ہمت
اہلِ جہاں کو دولتِ دنیا سے یوں ہے اُنس
تنگدستی اگر نہ ہو غالبؔ
تنگدستی فی الحقیقت مایۂ دیوانگیست
زردار گرچہ ناداں گویند عاقل است
اے زر تو خدا نہٗ ولیکن بخدا
راحت پسند منعم راحت رساں نہیں ہے
نعمتِ دنیا سے کبھی حظ نہ اُٹھائینگے بخیل
ہزاروں منعموں کو ہوش میں لاؤ نہیں سُنتے
منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
تُند رفتاری سے ہوگا جلد دولت کا زوال
بے زری ہا باعثِ آشوب حساہمت است
اہلِ دولت سے کوئی نزع میں اتنا پوچھے
دولتِ ایمان سے یا رب رہے گویا غنی
کیونکر نہ اہلِ مایہ کے دشمن ہزار ہوں
جسکے ہاتھ آیا خزانہ قصد رکھنا ہے یہی

سمجھے ہو بیٹھو دسَودا سنے خدا کی راہ کا
بے دیئے ہوتی نہیں دام و درم کی روشنی
مثلِ قاروں خاک میں جا کر نہ یار زر اُٹھا — ناسخ
زمیں میں جسکو نہاں کرتے ہیں وہ گنج قاروں ہے
جمع کرکے مال کیا پھر مثلِ قاروں کھینچئے — شہ
یقیں ہے رفتہ رفتہ لینگے سر پہ گنج قاروں کو
جس طرح مور و مار کو شیر و شکر عزیز — میر
تندرستی ہزار نعمت ہے
بیدا از بے حاصلی در باغ مجنوں گشتہ است
بے زر اگرچہ دانا نیست بہ خر کنند
ستارِ عیوب و قاضی الحاجاتی
اَوروں کا رہنما ہو۔ پہلے چراغ جل کر — احسن
مال کھا سکتے ہیں۔ تقدیر نے منہ مارے ہیں
یہ سچ ہے ایک توڑے میں ہے مستی ایک بوتل کی
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت
دیکھ دریا میں کہاں جو تو رہی سیلاب میں
کیسۂ خالی دہانِ اژدہا باشد مرا — شاہ...
ساتھ کیا گیا لیا اسوقت میں چھوڑا کیا کیا — صبا
لے گئے کب حشمت و زر منعماں بالائے سر — گویا
پتھر لگاتے ہیں شجرِ میوہ دار میں — سحر
مثلِ فوارہ جہاں میں سر اٹھایا چاہیئے — ناسخ

٥٩ گردش میں فلک سے بھی سوا رہتے ہیں مفلس — آرام سے وہ ہیں جو ہیں صاحبِ زر آج

٦٠ کہہ رہا ہے باغ میں ہر گل زبانِ حال سے — مبتلائے خارِ غم رہتا ہے جو زردار ہے (ناسخ)

٦١ ہر گل زبانِ برگ سے کہتا ہے باغ میں — انسان کیا نبات کو ہے زر کی احتیاج (ناسخ)

٦٢ زندگی میں صرف کرتا سیکڑوں ہی ہو حصول — مثلِ قاروں خاک میں جا کر نہ بارِ زر اٹھا (ناسخ)

٦٣ سیم و زر کے دیکھنے سے خوش نہ کیوں انسان ہو — توتیائے چشم ہوتا ہے دھواں ٹکسال کا

٦٤ ساتھ زر کے پستیٔ ہمت بھی ہوتی ہے زیاد — ورنہ مائل سوئے اسفل کس لئے قاروں ہوا

٦٥ مجھے یقین ہے کہ اخلاص بھی ہے زر کا نام — کرے گدا سے نہ نواب اور خان اخلاص

٦٦ فراہم زر کا کرنا باعثِ اندوہِ دل ہووے — نہیں کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جز پشیمانی

٦٧ زر کے پیچھے طالبِ زر ہو رہے ہیں کیا ہلاک — فائدہ کیا نقدِ جاں دیکر جو کوئی پائے زر (ناسخ)

٦٨ بیخود ہے یار دولتِ حسن شباب سے — سچ ہے زیادہ نشۂ زر ہے شراب سے (آتش)

٦٩ بے پری پر تو یہ منعم ہیں ہوا میں اڑتے — کیا غضب ہوتا جو ہوتے کسی زردار کے پر

٧٠ جو سخی ہیں مالِ دنیا سے ہیں خالی ان کے ہاتھ — اہلِ دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں (انیس)

٧١ نقدِ جاں کیسۂ قالب سے جو نکلے نکلے — دیکھ ممسک کہیں تھیلی سے نہ ہو زر باہر (ناسخ)

کوڑی

١ کوڑی کے سب جہان میں نقش و نگین ہیں — کوڑی نہیں تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں (نظیر)

٢ بعدِ فنا کھلیگی تجھے قدرِ زندگی — کوڑی کے مول بکنے کے یہ استخواں نہیں

٣ غرہ بہت ہے سوز کو اپنے کلام کا — سچ پوچھئے تو وہ ہے بس کوڑی کے کام کا (سوز)

٤ یہ تھی قیمتِ رزق ٹوٹے جو دانت — غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

٥ چار دن ہے گرم بازارِ شباب ای نونہال — کوڑیوں کے مول یہ سیبِ ذقن ہو جائیگا (آتش)

٦ چاہیئے زر ان بتانِ سیم تن کے واسطے — ہم قلندر۔ یاں نہیں کوڑی کفن کیواسطے (ذوق)

٧ عاشق نہ بدلے۔ انجمِ گردوں سے اپنے اشک — کیوں کوڑیوں کے بدلے دُرِ شاہوار دے

تیری آنکھوں سے کریں قصد جو ہم چشمی کا	تو بکیں کوڑی کے دو۔ دو یہ ہوں بادام خراب	ظفر
بت کدوں میں ہے ہمارے نالۂ دل کا جو اوج	اے صنم کوڑی کا ناقوس برہمن ہو گیا	امانت
افتادہ کوئے یار میں ہیں جائے جائے دل	کوڑی کے دو دو کیوں نہ بکیں پارہ ہائے دل	نگہت
ہے جیب سے دست یار میں ساغر شراب کا	کوڑی کا ہو گیا ہے کٹورہ گلاب کا	آتش
کیا کیا نیاز طینت اے ناز پیشہ تجھ بن	مرتے ہیں خاک رہ سے کوڑی رگڑ رگڑ کر	میر تقی
یہ ہمیں ہیں نقد جاں دیں اپنے یوسف کے لئے	کوڑی کوڑی گل بکیں لینے نہ آئی عندلیب	گویا
اے زر پرست فقر کا تجھ کو مزہ تو ہو۔	کوڑی کی چینیاں ہیں سفالوں کے سامنے	امیر
لختہائے دل کی یہ کثرت ہے تیرے دور میں	کوڑیوں کے مول ہر لعل بدخشاں ہو گیا	″
کھد وہ یہ اہل ہوس سے لے رکھیں کام آئیگی	کوڑیوں کے مول بکتی ہے ہماری آرزو	داغ

جو خونریزی کی عادت رکھتے ہیں بے فیض ہوتے ہیں
کہاں ملتی ہے سائل کو کبھی کوڑی کٹاری سے — ناسخ

بات دو کوڑی کی کر دی یار نے اغیار کی	مال کھا کر کہہ دیا اُن سے کہ تم کیا مال ہو	غریب
جوش گل سے ہے یہ ارزاں نرخ بازار اے امیر	کوڑی کوڑی بک رہے ہیں ماہ کنعان بہار	امیر
محبت کوڑیوں کے ہو اگر مول	بنی آدم نہ لے یہ درد سر مول	
دل کی خوشی کی خاطر چکھے ڈال مال دھن کو	گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو	

مزدور

اغنیا کو ہے یہاں حسرت فقیروں کو ہی عیش	باغ کے مزدور ہی اچھے رہے شدّاد سے	
بانٹ لے کوئی کسی کا درد یہ ممکن نہیں	بار غم دنیا میں اٹھواتے نہیں مزدور سے	ناسخ
عشق کی سیر ریاضت نے مجھے دکھلائی	دخل مزدور ہے سلطان کے محل میں ہوتا	آتش
رنج اٹھاوے گو رقیب مبتذل محروم ہے	نعمتوں میں خوان کے حصّہ نہیں مزدور کا	آتش

دستِ قدرت سے بنایا ہے خدا نے قصرِ تن
دخل معمار اس میں ہو نے دخل ہے مزدور کا

کچھ نہ حاصل ہو گو کیسی ہی مشقت کیجئے
عشق بازی کام ہے بیگار کے مزدور کا

تیشہ زنی کا نہ پایا مزد کچھ شیریں سے
کوہکن بھی کم نہیں بیگار کے مزدور سے

عشق نے ڈالی تھی جب قصرِ محبت کی بنا
رکھ دیا تھا کوہکن بھی نام اک مزدور کا

آمدِ خط پر تو بوسہ کا نہ کر انکار یار
شام کو ملتا ہے روزینہ ہر اک مزدور کا

بارِ عصیاں سے خمیدہ ہو گیا قدِ راست
بوجھ اٹھانے سے کمر جھک جاتی ہے مزدور کی

جسمِ خاکی کا ملک باقی ہے ساکن ہے خدا
اپنے رہنے کو یہ گھر بنوایا ہے مزدور سے

دیوار بارِ منتِ مزدور سے ہے خم
اے خانماں خراب نہ احساں اٹھائیے

نزع کے وقت آدمی کے ہل سکیں کیا ہاتھ پاؤں
شام کو باقی نہیں رہتی سکت مزدور میں

گھر بنایا ہے یہ کس کا قصرِ تن ہے بے ثبات
جھونکتی ہے خاکِ عبرت دیدۂ مزدور میں

اپنی طاعت کی جزا چاہے جو خالق سے بشر
پہلے محنت سے اجورہ دے کفِ مزدور میں

بھیجتا ہوں پہلے میں گورِ غریباں کی طرف
گھر میں آتے ہیں کبھی مزدور اگر ترمیم کو

بارگاہِ حق سے ہر طاعت کی ملتی ہے جزا
ہے بڑی سرکار حق رہتا نہیں مزدور کا

بارِ دنیا جس کے سر پر ہے اسے راحت کہاں
چور رہتا ہے مشقت سے بدن مزدور کا

گور بھی بے گورکن تعمیر ہو سکتی نہیں
کون سے گھر میں گذر ہوتا نہیں مزدور کا

قصرِ تن بگڑا کسی کا - گورکن کی بن پڑی
گھر کسی کا گر پڑا - گھر بن گیا مزدور کا

بارِ غم سے سایۂ گیسو میں ہے دل کو فراغ
شام کر دیتی ہے چھٹکارا ہر اک مزدور کا

ہم مشقت کرتے ہیں گر فضل تو بھی بر محل
تھوڑی سی روزی میں بڑھ جاتا ہے دل مزدور کا

رحم دل وہ ہوں بناؤں گھر نہ دنیا میں کبھی
بوجھ اٹھانا ناگوارا ہے مجھے مزدور کا

مجھ سے اول خانۂ زنداں میں مجنوں تھا تو کیا
ہر محل میں پہلے ہوتا ہے گذر مزدور کا

اے پری بارِ غمِ فرقت نہ اٹھوا اس قدر
ہوں میں عاشق تو نہ مجھ سے کام لے مزدور کا

خون لاکھوں بیگناہوں کے تری سر پر ہوئے — اے بت سفاک تو کچھ کم نہیں مزدور سے — ناسخ

کس قدر کھینچی مشقت کوہکن نے عشق میں
کچھ نہ دے شیریں۔ بڑھا دے دل تو اس مزدور کا

اُس پری کو پر نہ بخشے حق نے نازک جانکر — بوجھ کندھے پر اٹھانا کام ہے مزدور کا — گویا

جنت کے لئے شیخ جو کرتا ہے عبادت — کی غور جو ظاہر میں تو مزدور کی سوجھی — نظیر

خاک کا پشتارہ دوش رُوح سے اُتری کہیں — یا الٰہی ہے وبال اب بوجھ اس مزدور پر

قصر اے منعم بناتا ہے تو اوروں کے لئے — جانتے ہیں ہم برابر تجھ کو اور مزدور کو — ناسخ

ہوئے قاتل ہیں پہنچکر سر ہوا مجھ کو وبال — بوجھ اترنے کی جگہ دم چڑھ گیا مزدور کا — ″

شمع ساں سو بار سر کٹ کر ہرا پیدا ہوا — بوجھ اُترے پر نہ چھٹکارا ہوا مزدور کا — گویا

ہے سبب زاہد نہیں خالق سے جنت مانگنا — زُہد کے بدلے میں ہے مزدور اجرت مانگتا — آغا

ہے عبادت نہ خدا بخشیگا سبحان اللہ — ایسی فردوس سے ہم گذرے کہ مزدور نہیں — برق

ہُنر اور بے ہُنری

ہو گیا ہے اس قدر بیقدر عالم میں ہُنر — کیا عجب گر عیب سمجھیں جوہر شمشیر کو — ناسخ

ناقدر شناسی سے خلائق کے جہاں میں — جسکو ہُنر آیا اُسے انکار ہُنر ہے

ترک کر سودا ہُنر کو اب ہُنر رکھنا ہی عیب — ہو گئے خلقت کی نظروں میں ہنر عیوب پائے — سودا

ہنرمندوں کی دُنیا میں نہ ہوگا بے ہُنر مجھ سا — ملے پھر کوئی دُنیا میں تو کس امید پر مجھ سے

ہے اب جہاں میں بد گہری کس ہُنر سے کم — عیب اس زمانہ میں جو کہو سو ہُنر میں ہے

صناع ہیں سب خوار۔ ازانجملہ ہوں میں بھی — ہے عیب بڑا اس میں جسے کوئی ہنر آئے — میر تقی

ناکارہ و نادان کوئی مجھ سا نہ ہوگا — آیا نہ بجز بے ہنری کوئی ہُنر اور — داغ

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد — کھُلا۔ کہ فائدہ عرض ہُنر میں خاک نہیں — غالب

۹ اظہارِ ہُنر داں نہ کروں ہو نہ جہاں قدر — دلِ اہلِ ہُنر کا ہے سو غمخوارِ ہُنر ہے

۱۰ دیکھیے جس بے ہنر کو آج مالامال ہے — تھا غلط مشہور۔ دولت بے ہنر ملتی نہیں

۱۱ حسد۔ سزائے کمالِ سخن ہے۔ کیا کیجئے — ستم۔ بہائے متاعِ ہنر ہے۔ کیا کہئے

۱۲ وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ — کسبِ ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

۱۳ دیکھی نہ ہُنر مند کی ہیں قدر جہاں ہیں — اے وائے بر آں دل جو طلبگارِ ہُنر ہے

۱۴ عیب جو یانِ سخن ڈھونڈتے ہیں عیب اسدؔ — جو ہنر مند ہیں وُہ دادِ ہنر دیتے ہیں

۱۵ اگر ڈھونڈھو تو اکبرؔ میں بھی پاؤ گے ہُنر کوئی — اگر چاہو۔ نکالو عیب تم اچھّے سے اچھّے ہیں

۱۶ آوارگی سے میری ہے قائم جہانِ عشق — وہ عیب مجھ میں ہے کہ جو داخلِ ہُنر میں ہے

۱۷ عالم میں رواج اب یہ ہُوا بے ہنری کا — ہم عیب کی مانند چھپاتے ہیں ہُنر آج

۱۸ جو ہے جوہر اُسے جانتے ہیں بُرا بدگوہر — عیب کو سمجھے ہیں اس وقت ہنر بے ہنر

۱۹ اک نہ اک دن یار ہوگا مہرباں کام آئے گا — سو ہنر سے بہتر اک عیبِ محبّت ہم میں ہے

۲۰ بدگفتنِ من شد ہُنرِ حاسدِ منکر — صد شکر کہ عیبم ہنرِ بے ہنراں است

۲۱ کیا کریں صاحبِ فن یار و بتاؤ مجھ کو — قدرداں اُٹھ گئے۔ سب اہلِ ہُنر بیٹھ گئے

۲۲ عُمر کی ہم نے بسر بے ہُنری میں یُونہی — وائے قسمت نہ ہُنر کوئی بھی آیا ہم کو

۲۳ دیکھتے ہیں جو ہُنر عیب کو کب دیکھتے ہیں — عیب کے دیکھنے والے تو ہنر دیکھ چکے

۲۴ اچھے ہو بدزبان ہو یا بدمزاج ہو — جو عیب ہے ہنر ہے طرحدار کے لئے

۲۵ رکھتے ہیں یہ کمال کہ رکھتے نہیں کمال — آتا ہے وہ ہُنر کہ کچھ آتا ہنر نہیں

۲۶ شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں — عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

۲۷ ناصح جو کام ترکِ وفا سے لیا تو کیا — جو بات عیب کی ہو وہ ہرگز ہنر نہ ہو

۲۸ اوروں کی عیب جوئی اپنا ہنر نہیں ہے — اپنی ہی عیب جوئی ہے یہ ہنر ہمارا

رکھتے ہیں جو ہنر انہیں آفت سی کیا خطر — ساحل ہے بحر۔ تیرنے والوں کیواسطے

بیر اہلِ حسد ہیں کب ہُنر ہیں
ہنر شناس کو دکھلائیے ہنر کہ خوئیے زر

عیوب اکثر سخن میں ڈھونڈتے ہیں — ابر
اگر کھلے ہے تو صرّاف کی نظر چڑھ کر — ذوق

عیب بے عیب ہے حبیب حد سے گذر جاتا ہے
اب بجز بے ہنری مجھ میں ہنر کچھ بھی نہیں

کروں عرضِ ہنر کیا جب نہ ہو یا قدرداں کوئی
وے ہے تقدیر پہ سوا انکو ہنر مندوں سے
دیکھتا عیب و ہنر اور کا ہے سب کوئی
آہ آہ از دستِ صرّافانِ گوہر ناشناس
پُر ہنر از بے ہُنراں لقمہ خواست

کمال اپنا یونہی مخفی رہا گنجِ نہاں ہو کر — ذبیح
جنکو جز بے ہنری آتا ہُنر خاک نہیں — ظفر
اپنا معلوم ظفر عیب و ہنر کس کو ہے — ظفر
ہر زماں خر مہرہ را با دُر برابر میکنند
تیشہ وزیر است و تبر پادشاہ است

گذارہ کس کے گھر میں ہو کسی انسان قابل کا
ذکا اب قدردانوں کی ہوئیں برباد سرکاریں — ذکا

وہ عیب نہیں عیب جو ہو ساتھ ہنر کے
بھی چھوٹتے نہیں ہیں سیم و زر وہ جو کہ ہیں کامل
آئینہ ساں ہے صاحبِ جوہر کو رنگِ غم
لازم ہے آدمی کے لئے اِک نہ اِک ہُنر
دنیا میں ہے غرور و تکبّر ہنر کے ساتھ
ناکامی ہی باعث ہے مری ناموری کا

اس عیب کو بھی بلکہ ہنر پھر نہیں لگتا — وقار
رہے پھر کیوں نہ عالم میں کفِ اہلِ ہنر خالی — سحر
اِس دَور میں کہ عیب و ہنر دونو ایک ہیں — پروانہ
کیا عیب ہے رہے جو کوئی کام ہاتھ میں — صبا
ہے کونسا ہنر جو کریں بے ہنر و داغ — رشک
پیدا وہ ہُنر میں نے کیا بے ہنری کا — علی

قدر دانی کی کیفیت معلوم
دنیا میں ہنر بہرِ ہنر مند ستم ہے
اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کا
تُورا اخذِ ہنر کرنے میں دِل کا ہیں گنوایا

عیب کیا ہے اگر ہنر نہ ہوا — وحشت
سچ پوچھو تو پسواتی ہے رنگت ہی حنا کو — صبر
سمجھا ہُوں دلپذیر متاعِ ہنر کو میں — غالب
جُوں آئینہ جوہر نے مجھے عیب لگایا — سودا

دیا علم و ہنر حسرت کشتی کو — فلک نے مجھ سے یہ کیسی دغا کی (مومن)

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے — اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے (ذوق)

گر بخت ہے بلند تو کیا چاہیئے ہنر — تیغ ہلال کو نہیں جوہر کی احتیاج (ناسخ)

اپنا ہنر دکھائینگے ہم تجھ کو شیشہ گر — ٹوٹا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا (سودا)

جوہر نہ ہووے جس میں جوہر شناس کیے — جو صاحب ہنر ہو وہ ہی ہنر کو پرکھے (″)

بڑھے اوتنی ہی جتنی خرچ کیجیے — کوئی دولت نہیں بہتر ہنر سے (بیتاب)

آجکل زور پہ ہے گردش قسمت اپنی — عیب ہو جاتا ہی خواہان جو ہنر کرتے ہیں (خواجہ)

کام کچھ کسبِ ہنر آتا نہیں ادیار ہیں — زنگ سی جوہر عیاں ہوتے نہیں شمشیر کے (برق)

خواہش نام ہے دنیا میں۔ تو کر کسب ہنر — نام ہوتا ہے زمانے میں ہنر سے پیدا (سحر)

ارباب فہم آگے وہ صاحب ہنر ہے — کینہ کسی کے دل سے جسکو نکال آیا (سودا)

منصور

١ کھینچے جو دار پہ منصور۔ راہ ہی تھی غلط — خدا نے تجھے تو چھپنا بھی انکو لازم تھا

٢ کیا اچھا جنہوں نے دار پر منصور کو کھینچا — بہت مشکل تھا جینا راز حق کا رازداں ہو کر

٣ واقعہ منصور کا سنکر کھلا ہم پر یہ راز — حق کہے سے آدمی ہوتا ہی قابل دار کے

حق تو سب کچھ تھا ہی۔ ناحق جان دی کس واسطے — حوصلہ سے بات کرتا کاشکے منصور تک

معرکہ میں عشق کے ہر بوالہوس کا کام کیا — دیکھ حالت کیا ہوئی منصور سے سردار کی

گر جو نہ ہو لفظ انا نے جان لی منصور کی — ورنہ حق کہنے میں کب یہ شور و شر در کار تھا

سولی دی منصور کو کیونکر فنائے محض ہیں
کچھ نہ کچھ داغ خودی اسکے دلِ روشن میں تھا

دیکھ لے اے مضطر اسے بیخودی۔ انجام کار — رازِ دل پہنچا زبان دار تک منصور کا

دعوئ باطل سے ہوجاتے ہیں اکثر نامور — شہرہ کیا بانگ انا الحق نے کیا منصور کا — ناسخ

منصور کو ہوا لب گویا پیام موت — اب کیا کسی کے عشق کا دعوی کرے کوئی

خدا بنتا تھا منصور اسلئے مشکل یہ پیش آئی — نہ کھینچتا دار پر ثابت اگر کرتا خدا ہونا

دی گئی منصور کو سولی ادب کے ترک پر — تھا انا الحق حق۔ مگر اک حرف گستاخانہ تھا

غیر حق آئی نہیں ہرگز زباں پر کوئی بات — ہے یہی اس دار فانی میں نشاں منصور کا — ناسخ

زندۂ جاوید ہے منصور جاں پر کھیلنا — حق تو یہ ہے دار عمر خضر کا پروانہ ہے — سیماب

دل ہی دل میں ہو لئے مست مئے منصور ہم — شرع میں رکھنے کا خطرہ تھا نہ خوف دار تھا

عین ایماں ہے انا الحق کا ترانہ۔ لیکن — ہے یہی کفر اگر دیدہ منصور نہ ہو — جگر

منصور نے جو سر کو کٹایا تو کیا ہوا — ہر سر کہیں ہوا ہے سزاوار عشق کا

غافل نہ سمجھے اننا کہتا ہے کون انا الحق — گویا زباں ہے کس کی منصور کے دہن میں

جان دی اسپر ترے قد سہی کے عشق میں — حق تو یہ ہے دار سے کیا کام تھا منصور کو

منصور سر کٹا کے سبکدوش ہوگیا — تھا سخت اسکے دل پہ انا الحق کا راز بوجھ

آپ کو مت دیکھ۔ چوں منصور واحد یار ہے — چشم وحدت بیں کو ہے یاں جلوۂ دیدار یار

گردن شارع پہ خون ناحق منصور ہے — حق کہونگا گو مجھے ٹھہرائیں قابل دار کے — رند

منصور کی حقیقت تم نے سنی ہی ہوگی — حق جو کہے ہے اسکو یاں دار کھینچتے ہیں

بن گئی ڈھول کی آواز۔ انا الحق کی صدا — دار منصور کو ہیں نٹ کا تماشہ دیکھا — رند

یہ منصور کا خون ناحق کہ حق تھا — قیامت میں کس کس سے خوں دار ہوگا

منصور بھی جو ہوں تو انا الحق کہیں نہ ہم — اپنے طریق میں نہیں یہ ماومن درست — آتش

خود غلط ناحق نہ ہو تقلید آتش سے ہلاک — چور کب منصور بن سکتا ہی کھنچکر دار پر

سمجھ یہ دار و رسن تار سوزن اے منصور — کہ چاک پردہ حقیقت کا ہیں رفو کرتے

حق تو یوں ہے یہ انانیت عجیب غماز ہے — قصہ پونچایا زبان دار پر منصور کا — ذوق

۳۲ چڑھا منصور سولی پر پکارا عشقبازوں نے ۔ یہ اُسکے بام کا زینہ ہے آئے جسکا جی چاہے

۳۳ اَنَا الحق جو منصور نے کہدیا ۔ ادھر ہی کا تو یہ اشارا رہا

۳۴ سُن۔ منہ سے پر نہ بول کہ منصور کی طرح ۔ تقریر ہو تجھے بھی نہ افشائے راز میں

۳۵ ہوگیا پردہ برانداز اَنَا الحق کہنا ۔ بزم توحید میں گنجائش منصور نہیں ۔ زکی

۳۶ کرتے ہیں سرسبز چوب خشک کو جانبازِ عشق ۔ کس قدر منصور سے شہرہ ہوا ہے دار کا

۳۷ طُور کیا منصور کیا واقف ہوں میں اس راز سے ۔ ہر جگہ گویا ہے تو۔ بدلی ہوئی آواز سے

۳۸ جان دیدے پر بھی عاشق بات سے ٹلتے نہیں ۔ کیا ہوا گر دار پر سر رکھدیا منصور کا ۔ برق

۳۹ چڑھا جو دار پہ منصور یہ اشارہ تھا ۔ قدم زمین پہ نہ رکھے جو خود سری ہو جائے

۴۰ سطرِ منصور کے لہو سے ہوئی یہ تحریر ۔ یعنی سردار نہیں وہ جو سر دار نہ ہو

۴۱ چڑھا گر دار پر منصور تو اس کا عجب کیا ہے ۔ گلے میں اُسکے یہ بھی اک طرح کا سہرا گم تھا اُنکا

۴۲ کاسۂ منصور خالی بود پُر آوازہ شد ۔ ورنہ در میخانۂ وحدت کسے ہشیار نیست

۴۳ کشند نقش انا الحق بہ زمیں خوں ۔ چو منصور ار کشی بر دارم امشب

۴۴ ہیں جو غافل اُن کو سولی پر بھی آجاتی ہے نیند ۔ پنبۂ توشک پہ ہیں منصور سے ہشیار ہم ۔ ناسخ

۴۵ ہر ایک شے کا ہے محرم نہ جانے تھا منصور ۔ کہ نخلِ دار میں حلق بریدۂ یار آوے

۴۶ اُلفت وہ ہے جو عاشق کو مجبور کر دیتی ہے کافر ۔ سولی پہ چڑھا دیتی ہے منصور بنا کر

۴۷ دعویِ منصور گو تھا نادرست از روئے شرع ۔ جذبۂ عشقِ حقیقی کا مگر اک جوش تھا ۔ شیر

۴۸ دار پر کھنچ کر فنا فی الحق ہوا منصور جب ۔ ادّعا جو تھا انا الحق کا وہ سچا ہو گیا

۴۹ جان دیدوں چڑھ کے سولی پر انا الحق کیلئے ۔ قول کا صادق ہوں اپنے وقت کا منصور ہوں ۔ رونق

۵۰ پھر اس دل کی وحشت سے کئی منصور ہو جاویں ۔ کریں دعوٰی انا الحق کا کہ سو سو دار ہو پیدا

۵۱ تو نے اے منصور بے سمجھے انا الحق کیوں کہا ۔ جان بھی تیری گئی۔ دعوٰی بھی باطل ہو گیا

۵۲ حق کہا منصور نے تو بھی چڑھا یا دار پر ۔ اسلئے رہتے ہیں ہر دم واقفِ اسرار چپ

آدمی کا منہ ہے جو دعویٰ خدائی کا کرے
بولتے ہیں آپ حضرت نام ہے منصور کا — امیر

قتل سے میرے ہوئی توقیرِ تیغِ یار کی
بڑھ گیا منصور کے کھنچنے سے رتبہ دار کا — نور

دارِ مژگاں پر اسے کیوں کھینچتے ہو حق کہو
کیا مرے دل پر گناہ ثابت ہوا منصور کا — گویا

حوصلہ عالی اگر ہو ہر جگہ معراج ہے
دار بھی ہے شاخِ سدرۃ دیدۂ منصور میں — امیر

کیوں کہی بات جو کہنے کے سزاوار نہ تھی
خود بخود دار پہ رہنا تجھے منصور پسند — 〃

عجز کرتے ہیں عدوئے جاں سے بھی خاصانِ حق
جھک گیا سر آکے پائے دار پر منصور کا — 〃

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلیدِ تنک ظرفئ منصور نہیں — غالب

دعوئ منصور گو تھا نادرست از روئے شرع
جذبۂ عشقِ حقیقی کا مگر اک جوش تھا — شیدا

حدِ ادب سے بڑھ کے جو کھول دے نکتہ راز کا
دار پہ حشر دیکھئے ایسے زباں دراز کا — شفائی

سودا تو آپ آپ کو سمجھا رہ خموش
منصور کو ہوئی ہے سرِ دار کی ہوس — سودا

جو اپنے آپ کو منصور نے فنا سمجھا
چڑھا وہ دار پہ جب معنئ بقا سمجھا — محسن

نہ کر منصور تو سرِ نہاں فاش
ہے کس نے دار سے سر کو اٹھایا — ظفر

شیوۂ منصور تھا اہلِ نظر کو بھی گراں
پھر بھی اک حسرت سے سب دار و رسن دیکھا کئے — افسر

شوق میں بے ادب ہوا منصور
جوش میں دیگ کا گرا سرپوش — مجروح

کرے ہے دار بھی کامل کو سر تاج
ہوا منصور سے یہ نکتہ حل آج — معروف

جلیل استاد کا مصرعہ نہ بھولا ہے نہ بھولوں گا
انا الحق بول اٹھا منصور ناحق بدگماں ہو کر — جلیل

نہیں پوشیدہ ریحاں بات جو منصور پر گذری
نکالے حرف منہ سے کوئی کیونکر راز داں ہو کر — ریحاں

بات منصور کی فضولی ہے
ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے — پیام

منصور تو کسی کو نہ لایا خیال میں
حق ہے کہ عالی ایسا ہو سر دار کا دماغ — ظفر

اشک کے قطرے کو کیوں معراج مژگاں پر نہ ہو
حق ہے اصلی مرتبہ ہے دار پر منصور کا — 〃

گردنِ باطل منصور اُٹھے دار پہ کب
حق ہے یہ بات بڑے بول کا ہے سر نیچا

کج فہموں سے خلق کے دیکھا کہ کیا ہوا
منصور کو حریف نہ ہونا تھا راز کا

یہ بھی کیا پیروئی حق ہے کہ خاموش ہیں سب
ہاں انا الحق بھی ہو، منصور بھی ہو، دار بھی ہو

جو بات نہ کہنے کی تھی منصور نے کہدی
یوں خانہ برانداز ہوا جوش محبت

اشکِ خونیں بن کے ٹھہر جا سرِ مژگاں ابدل
دار موجود ہے صد حیف جو منصور نہ ہو

خضر

حیاتِ جاوداں کافی نہیں تکمیل الفت کو
خضر سے مشکلیں پوچھو دل آوارہ منزل کی

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے

بس دور ہی سے زندگی خضر کو سلام
زہر آب غم ہے آب بقا میں ملا ہوا

خضر سے پوچھے کوئی عمر ابد کی تکلیف
زندگی نام ہے جس چیز کا قائل ہوں وہی

زندگانی تا قیامت ہو مبارک خضر کو
یہاں کسے او موت عمر جاودانی چاہیئے

جو لذت آشنائے مرگ ہوتا خضر، تو ہرگز
نہ پیتا آب حیواں۔ ڈوب مرتا آب حیواں میں

بہار عمر ملاقات دوستداراں است
چہ حظ برد خضر از عمر جاوداں تنہا

شربت مرگ سے محروم نہ رہتا کبھی خضر
لیک ناکام اُسے آب بقا نے رکھا

مزے جو موت کے عاشق کبھی بیاں کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

ہو مبارک خضر کو سرچشمۂ آب حیات
ہے یہاں کیسے اسکندر ایسی دولت کی طلب

تجھے کیا بتائے ہمنشیں یہاں موت میں جو مزہ ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو بھی وہ نشاط عمر دراز میں

آ جائے ایسے جینے سے اپنا تو جی ہی تنگ
جیتا رہیگا کب تلک اے خضر مر کہیں

عمر دراز کیونکر منت کش خضر ہے یہاں
ایک آدھ دن میں ہم تو جینے سے سیر آئے

۱۴ بیٹھا تھا خضر آ کے میرے پاس ایک دن / گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہو گیا — درد

۱۵ کھا کھا کے رشک تیرے شہیدانِ عشق سے / غم کھا نہ جائے خضر کو عمرِ دراز کا

۱۶ عشق میں خونِ جگر کھانے کی گر لذّت نہ تھی / خضر نے حیراں ہوں کہ آبِ زندگانی کیوں پیا؟

۱۷ اکیلا ہو کے رہ دُنیا میں گر چاہے بہت جینا / ہوئی ہے فیضِ تنہائی سے عمرِ خضر طولانی — سودا

۱۸ ملئے اگر بتوں سے ہے لُطفِ زندگی کا / اے خضر آبِ حیواں تونے پیا تو پھر کیا

۱۹ خضر کی طرح کروں میں طلبِ آبِ بقا / بادۂ موت سے ہوں مثلِ سکندر بیہوش — ناسخ

۲۰ دو روزہ زندگی ہمکو گراں ہے اے خضر تمکو / مبارک ہو اسیرِ دامِ عمرِ جاوداں ہونا — وسیم

۲۱ زندگانی کے مزے خضر بھلا کیا جانیں / زیست کا لطف اُنہیں ہے جنہیں مرنا ہوگا — ادیب

۲۲ حضرتِ خضر نے رہ کے جو تنہا کیا لطف / زندگی وُہ ہے جو ہو جائے بسر یاروں میں — افضل

۲۳ خاکِ فنا کی تا کہ پرستش تو کر سکے / جوں خضر مست کہا پیو آبِ بقا پرست — سودا

۲۴ آبِ بقا نے گرچہ بہت روک تھام کی / پیری چلی نہ خضر علیہ السّلام کی — داغ

۲۵ ہم اتنی زیست میں تنگ آ گئے ہیں حضرتِ خضر / کہاں سے لاتے جگر عمرِ جاوداں کے لئے — رسوا

۲۶ آبِ حیواں پیوں بجائے شراب / ایسی اے خضر مجھ کو پیاس نہیں — ناسخ

۲۷ جب فنا ہی منزلِ مقصود ٹھہری ای خضر / پھر وجود لذّتِ آبِ بقا کیا چیز ہے — انگر

۲۸ پیا آبِ بقا اے خضر اب تاثیر بھی دیکھو / قیامت تک رہو پابندِ عمرِ جاوداں ہو کر

۲۹ خضر سے بڑھکر ہے حرصِ عمر میں تیرا شہید / مفت کی جاں دے کے عمرِ جاوداں لینے لگا

۳۰ مانندِ خضر کس کو ہے منظور زندگی / اب تر کرینگے اپنے نہ آبِ بقا سے ہم — جرار

۳۱ ہمیشہ دشت پیمائی و تنہائی میں گذریگی / بہت پچھتاؤ گے ای خضر پی کر آبِ حیواں کو — بر

۳۲ مزہ تو یہ ہے کہ آزاد ہو کے سیر کرے / خضر کو رشتۂ عمرِ ابد کمند ہوا — داغ

۳۳ لذّت ہے آبِ تیغ میں آبِ حیات کی / زندہ بسانِ خضر ہوں گو مر چکا ہوں میں — ایر

۳۴ کہئے اے خضر تم نے خوب نقدِ عمر کے گھرے / خیال آیا نہ اے حضرت مگر آخر خساری کا

۳۵ ہم ستم رسیدوں کو زندگی مصیبت ہے — خضر پر دھرے احسان عمرِ جاوداں اپنا — داغ

۳۶ حضرتِ خضر جب شہید نہ ہوں — لطفِ عمرِ دراز کیا جانیں

۳۷ بے مزہ ہی گذرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر — حضرت ہی کل کہینگے کہ ہم کیا کیا کئے — غالب

۳۸ کہانیاں ہیں حکایاتِ خضر و آبِ بقا — بقا کا ذکر ہے کیا اس جہانِ فانی میں — ذوق

۳۹ ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہو گئے بیزار — عجب ہے خضر نے کیونکر گذاری زندگانی کی — درد

۴۰ وہ مرگِ عشق کی لذت سے آشنا ہی نہیں — دعائے خضر پہ آمین یار بار نہ کر

۴۱ یہ سب سے منہ چراتا کوئی اچھی زندگانی ہے — خضر تم نے تو غارت کر کے عمرِ جاوداں رکھدی — دلگیر

۴۲ ہمتو مرجائیں نہ ہو جلسۂ احباب اگر — خضر تم کو ہی مبارک رہے جینا ایسا — مزید

۴۳ ہو نشاطِ زندگی تو زندگی کا لطف ہے — ورنہ ہے جوں خضر عمرِ جاوداں بیفائدہ — ظفر

۴۴ جز غمِ مرگِ دوستاں اے خضر — کیا دھرا عمرِ جاودانی میں — مجروح

۴۵ ای خضر اتنے دن ترے کیونکر بسر ہوئے — ہم سے تو رات کٹ نہ سکی انتظار میں — سالک

۴۶ مانگی نہ ہوگی خضر نے یوں عمرِ جاوداں — کیا اپنی موت مانگتے ہیں التجا سے ہم — داغ

۴۷ لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا — کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا — میر

۴۸ اے خضر زندوں کو کچھ مشکل نہیں — آبِ حیواں گر نہیں شیرہ تو ہے انگور کا — امیر

۴۹ خضر کیا جانیں مرگ کی لذت — اس مزے سے وہ آشنا ہی نہیں

۵۰ تجرد باعثِ سر سبزیِ کونین ہوتا ہے — خضر کے دل سے پوچھے کوئی لطفِ فیضِ تنہائی — اسد

۵۱ جنابِ خضر سے کہدو عبث جینے پہ مرتے ہیں — نہو کھٹکا اجل کا تو مزہ کیا زندگانی کا — دلگیر

۵۲ خضر نے اک دم پیا تھا لے کے آبِ زندگی — مانگتے ہیں اب تلک اس سے حسابِ زندگی — امین

۵۳ خضر پیتا کبھی نہ آبِ بقا — ہوتی گر لذتِ فنا معلوم — ریحان

صنعتی اشعار

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر — مولانا روم

مال رکھنے کو نہیں کہہ دو غنی سے بانٹ دے
لفظ میں تقسیم کے داخل کیا ہے سیم کو

تھی آرزو تو یہ کہ ملے آرزوے دل
یہ آرزو نہ تھی کہ فقط آرزو ملے — میر حسن

پھنسے حساب میں روزِ حساب اہلِ حساب
حساب جنکو نہ آیا وہ بیحساب رہے — ابر

یوں تو ہے استاد شیطاں پر کہوں کیا تجھ سی دل
تُو تو شاگردی میں بھی اُستاد ہے اُستاد کا

آج گُل کاری کا جامہ دیکھ کر اس شوخ کا
ہر چمن میں گُل یہ گُل کھانیکو گُل تیار تھا

آجائے ابھی جان میں جان- آؤ اگر تم
تن ہجر میں بیجان ہے ای جان ہمارا

اُس جانِ آرزو نے کیا - خونِ آرزو
اب آرزو ہے دل میں کوئی آرزو نہو

دکھلانا احوال اُن کو یہ اُن کی اُلفت کا امتحان ہے
کہ ہوگی اُلفت تو دیکھ لیں گے نہ ہوگی اُلفت نہ دیکھ لینگے

دم کو سمجھ غنیمت واقف ہو دم کے دم کا
یہ کون ہے دمیدہ دم مارتا ہے دم کا — اکرام

اتنا ملئے خاک میں جو خاک میں ڈھونڈے کوئی
خاکساری خاک کی۔ گر خاکساری رہگئی — ظفر

بہ پاسِ خاطرِ رندانِ بادہ خوار برس
برس برس کے دن ۔ ای ابرِ نوبہار برس

مزے کیا تیری اُلفت میں تھی ای جانِ جہاں شیریں
جو اپنی جانِ شیریں کو نہ سمجھا کوہکن شیریں

ہم نے جانا تھا کہ آنکھ لگی
نہ لگی آنکھ - جب سے آنکھ لگی

بیہوش ہوں میں دیکھ کے اس ہوش رُبا کو
جب سے کہ نہ تھا اُس نے ابھی ہوش سنبھالا — ظفر

مجنونِ دشت گرد تھا مانندِ گردِ باد
جب خاک اُڑائی ہم نے تو وہ گرد ہو گیا — ذوق

آدمی کہتے ہیں جسکو ایک پتلا گل کا ہے
پھر کہاں گل اسکو جب گل ہو ذرا بگڑی ہوئی — (رشین)

ہیں آئینہ میں صورتِ تصویرِ آئینہ
آئینہ رُو کے سامنے حیرانیوں ہیں ہم — ذوق

۱۹ ہاں تو دم میں دم نہیں اور وہ لئے تیغ دودم
کہتے ہیں دیکھو نہیں دم کا چرانا اچھا

۲۰ ہائے رے حسرت دیدار مری ہائے کو بھی
لکھتے ہیں ہائے دو چشمی سے کتابت والے

۲۱ جب تک کہ سر ہی ساتھ یہ سر کے جو ہو سو ہو
اب ہم تو سر پہ بار محبت اٹھا چکے

۲۲ جبتک جیئے مصیبت غم کی نہ سر سے سر کی
سر سے گذر کے آخر ہم نے مہم یہ سر کی
میر حسن

۲۳ خاک ہے او سخت جاں اک دن ترا تن خاک میں
خاک ہو جاتا ہے آخر دب کے آہن خاک میں

۲۴ اڑ الیجائیگا شوق چمن تکیے کے تکیے کو
عبث صیاد تکیے ہیں مرے پر بند کرنے میں

۲۵ بے سبب اسباب او غافل فراہم کیا کروں
چھوڑ جاؤنگا میں سارے عالم اسباب کو

۲۶ میرے آغوش کو کرتا ہے وہ خالی ہر سال
کبھی جاتا نہیں خالی کا مہینہ خالی

۲۷ ہم سفر ہوتا نہیں محبوب۔ بس کھولوں کمر
یہ سفر کیا اب تو دنیا سے سفر کا وقت ہے

۲۸ ملی خسرو کو شیریں۔ تو نے کھویا جان شیریں کو
قوی ہے مشت زر۔ فرہاد تیرے زور بازو سے

۲۹ ناتواں ایسا ہوں برسوں میں نہ ساعت ہو تمام
شیشہ ساعت جو ہو معمور میری خاک سے

۳۰ بھولا نہ کبھی یہ تمہیں اس یاد کو شاباش
شاباش۔ ہمارے دل ناشاد کو شاباش
ظفر

۳۱ محو ایسا ہو رہا ہے جو شکار گور میں
سچ کہہ ای بہرام کچھ تجھ کو خیال گور ہے
ناسخ

۳۲ صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی۔ کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم
مومن

۳۳ فرقت شیریں میں آخر جان شیریں نذر کی
مرگیا فرہاد اپنے سر میں تیشہ مار کے

۳۴ تجھ سے کیا نسبت بھلا شیریں کو اے شیریں ادا
تو دلوں میں ہے منقش۔ نقش شیریں سل میں ہے

۳۵ لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو
بندے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو
سودا

۳۶ وہ ہے بیماری الفت سی دل زار کو رنج
جس سے خود رنج کو آزار ہے آزار کو رنج
ذوق

۳۷ یہی ہے آرزو دل کی نہ میری پاس سے سر کو
اگر سر کو تو یوں سر کو قلم کر دو مرے سر کو

۳۸ کل سے بیکل ہُوں کسی کل نہ کل آئی مجھ کو — کل کا وعدہ تھا کہ تھا وعدہ فردا تیرا (صفا)

۳۹ بر آئے کچھ نہ زی اُمیدائے شیریں جو دنیا میں — تو تجھ کو شیر سے لازم ہے قبر کوہکن دھونا (جرات)

۴۰ کسی گُل کے لئے تم آپ گُل ہو گُل نہ کھاؤ جی — ابھی ننھا کلیجہ ہے نہ داغ اس کو لگاؤ جی

۴۱ ہم نے جانا تھا کہ قاصد جلد لائیگا خبر — کیا خبر تھی جا کے واں وہ بیخبر ہو جائیگا (ذوق)

۴۲ تو میرے حال سے غافل ہی پڑا غفلت کیش — ترے اندازِ تغافل نہیں غفلت والے (ذوق)

۴۳ ہم اور غیر اِک جا دونو ہم نہ ہوں گے — ہم ہونگے وُہ نہ ہونگے وہ ہونگے ہم نہ ہونگے (″)

۴۴ دردِ دل سے لوٹتا ہوں میرا کِس کو درد ہے — ہوں وُہ لفظِ درد جس پہلو سے الٹو درد ہے (″)

۴۵ نہ پہنچا تو نہ پہنچا طالبِ دیدار تک اپنے — ترے تکتے ہی تکتے راہ وقتِ واپسیں پہنچا (ظفر)

۴۶ کہتے ہیں لوگ جھوٹ نہیں پاؤں جھوٹ کے — چھوٹے تو بیٹھتے بھی نہیں پاؤں ٹوٹ کے (ذوق)

۴۷ آتی جاتی ہے جا بجا بدلی — ساقیا جلد آ ہوا بدلی (ناسخ)

۴۸ انکو بے پر عرشِ اعظم پر اُڑاتے ہیں مرید — کیا غضب لائیں خدا جانے جو ہوں پر نکلے پیر (ذوق)

۴۹ ہے مدّعائے عشق ہی دُنیائے مدّعا — یہ مدّعا نہ ہو تو کوئی مدّعا نہ ہو

۵۰ سو بار جوں قلم ہو۔ زباں شمع کی قلم — اک حرف ہو۔ نہ مثلِ زبانِ قلم نصیب (وزیر)

۵۱ آئینہ سے ہے دوچار اے آئینہ رُو آئینہ — میں ہوں حیرت سے صفائیِ جسم سے تو آئینہ

۵۱ دم نہ لے اے اثرِ آہ کہ معلوم ہوا — جن پہ دم دیتے ہیں ہم۔ وُہ ہمیں دم دیتے ہیں (مومن)

۵۲ ہوا بے پردہ بھی ہم سے تو اُس نے یوں کیا پردہ — بنایا درمیاں اک پردۂ دیوار دامن سے

۵۴ دونوں کو بے ثباتی میں تشبیہ تام ہے — تجنیس ہے حیات کی لفظِ حباب میں

۵۵ تیشہ لا فرہادیاں سر بھی بدن پہ بار ہے — جانِ شیریں میری۔ اک شیریں ادا پر وار ہے

۵۶ زر کے پیچھے طالبِ زر ہو رہے ہیں کیا ہلاک — فائدہ کیا نقدِ جاں دیکر جو کوئی پائے زر

ہیں کجی میں ہر نفس کج طبع بھی۔ کتے کی دُم
راست ان کو کیجئے سو بار۔ ہوں سو بار کج (ناسخ)

۵۸ وصل کی شب پھٹ گیا جیب دم گریبانِ سحر ۔ پیرہن میں یاں گریباں ہی گریباں ہو گئے

۵۹ یہ ناداں کہتے ہیں گردش میں لایا ہے ہمیں گردوں ۔۔۔
کہ گردش اُس نے دی ہے جس نے گردش دی ہے گردوں کو

۶۰ گر ہے گوشِ فہم عالم ورنہ کہتی ہے بہار ۔ جو گُل آیا اس چمن میں ایکدن گُل ہوئے گا

۶۱ روکا بصد ہنر اُسے ملنے سے غیر کو ۔ لیکن ہنر پہ اُس کے نہ میرا ہنر چلا

۶۲ توڑی جو اُس نے تجھ سے تو جوڑی رقیب سے ۔ انشا تو اپنے یار کے یہ توڑ جوڑ دیکھ

۶۳ یک پارہ جیب کا بھی بچا میں نہیں سیا ۔ وحشت میں جو سیا وہ کہیں کا کہیں سیا

۶۴ ناآشنا کے اپنے جیسے ہم آشنا ہیں ۔ اس طور اس طرح کے کریسے کم آشنا ہیں

۶۵ کیوں نظربازوں کی نظروں سے لڑاتے ہو نظر ۔ کچھ نظر اس پر بھی ہے صاحب نظر ہو جائیگی

۶۶ ذرا سی دیر بھی ہو جائے گی تو کیا ہوگا ۔ گھڑی گھڑی نہ اٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

۶۷ اِن حسینوں سے کوئی خون کا دعویٰ نہ کرے ۔ خوں بہا دیتے نہیں۔ خُون بہا دیتے ہیں

۶۸ ہوں میری خاک کو جو تمہارے قدم نصیب ۔ کھایا کریں نصیب کی میری قسم نصیب

۶۹ کیا زندگی کہ تجھ سے ہوں مربوط ابد تک ۔ اے جانِ جاں یہ رابطۂ جان و تن نہیں

۷۰ جو تجھے رند خراباتی وہ سب چکرائے دم بھر میں ۔ عجب یہ دورِ ساغر ہے کہ خود ساغر ہی چکر میں

۷۱ لشکر کی صفیں ہونگی جنازے کی نمازیں ۔ اک روز نہیں نام و نشاں۔ نام و نشاں کا

۷۲ جس طرف تونے کیا ایک اشارہ نہ جیا ۔ نہ جیا آہ۔ تری چشم کا مارا نہ جیا

۷۳ ختم ہے شیریں دہانی تجھ پہ ای شیریں دہن ۔ نیشکر سے بھی فزوں شیرینی تری مسکراک ہے

۷۴ لگا دی آگ کس آتش کے پرکالے نے گلشن میں ۔ کہ ہر گُل شاخ میں گویا ہمارے ہاتھ کا گُل ہے

۷۵ دل سے جو ملتے ہیں باہم۔ دو بھی ہوں تو ایک ہیں ۔ مل کے حرفِ دال جیسے لام سے دل ہو گیا

۷۶ کس رنگ میں دیکھا نہ ترے رنگ کا جلوہ ۔ سب رنگ میں ہے تو پہ ترا سب سے بری رنگ

۷۷ عالم عالم جمع تھے خوبیاں جہاں صفا ہو ۔ گرچہ عالم اور ہے اب واں پہ وہ عالم کہاں

نمبر	مصرع اول	مصرع ثانی	شاعر
۷۹	میں تو سو جان سے مرتا ہوں مری جان ہو تم	تم مری جان بچاؤ اگر امکان میں ہو	
۸۰	رنگ وہ ہوں جو زمانے کے ہی باہر رنگ سے	وہ زمانہ ہوں جو رنگ اپنا بدلتا ہی نہیں	
۸۱	سرسبز ہو نہ سبز پری تیرے سامنے	پوشاک سبز پہن کے بیٹھے پری پری	
۸۲	پیری آئی آ گئے ہیں ہم کنارے گور کے	اے ذوق ہمکناری سے کنارہ کیجئے	
۸۳	تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ	جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہو نگاہِ آئینہ ساز میں	اقبال
۸۴	پیدا بجائے ہر بُنِ مُو ہو اگر زُباں	گیسو کا وصف تو بھی ادا مُو بمُو نہ ہو	
۸۵	مجھ کو زمانہ بھولا۔ مجھ کو زمانہ بھولے	بھولا ہوں جس پہ یارب وہ بیوفا نہ بھولے	
۸۶	وہ آئیں یا نہ آئیں میں نہیں رنجیدہ دل اُن سے	مگر یہ رنج ہے کیوں رنج ہم سے بے سبب آیا	ذوق
۸۷	خصلت کو چھوڑ کر اب پتھر سے دل لگی ہے	اِس دل لگی سے حاصل جز ٹھوکروں کے کیا ہے	
۸۸	ذوق اس صورت نگری میں ہیں ہزاروں صورتیں	کوئی صورت اپنی صورت نگر کی بے صورت نہیں	
۸۹	رہے نہ حشر پہ یارب مواخذہ میرا	یہیں حساب ہو روزِ حساب کے بدلے	
۹۰	پھر کر اِدھر اُدھر نہ ہمارا گیا قلق	لفظِ قلق کی طرح سے وہ ہی رہا قلق	
۹۱	جو بات تم کو خود نہ ہو معلوم پوچھ لو	موہوم ہر طرح سے ہے موہُوم دیکھ لو	
۹۲	دردِ دل سے لوٹتا ہوں میرا کس کو درد ہے	ہُوں وہ لفظِ درد جس پہلو سے اُلٹو درد ہے	
۹۳	کٹ گئی بے مدعا ساری کی ساری زندگی	زندگی سی زندگی ہے یہ ہماری زندگی	
۹۴	کل سے بیکل ہوں بھلا خاک مجھے کل آئے	کل سے وعدہ تھا نہ آج آئے نہ وہ کل آئے	افضل
۹۵	چمن سے بُعد ہمیں جیسے سین و قاف قفس	قفس میں بند ہیں ہم مثلِ فائے قفس	
۹۶	تو میرے حال سے غافل ہے پر اے غفلت کیش	ترے انداز تغافل نہیں غفلت والے	ذوق
۹۷	توڑی جو اس نے مجھ سے تو جوڑی رقیب سے	انشا تو اپنے یار کے یہ توڑ جوڑ دیکھ	
۹۸	خدا دے دُور بینی اور اس چشمِ تصور کو	کہ لاکھوں کام اس سے دُور کے بے دور ہیں نکلے	ذوق

۹۹ کیا آئے تم جو آئے گھڑی دو گھڑی کے بعد — سینہ میں ہوگی سانس اٹک دو گھڑی کے بعد

۱۰۰ ہوئی حرفوں میں گو یک نقطہ زحمت سے سوا رحمت — عدد میں ہو مگر رحمت زیادہ ہوگئی زحمت سے

۱۰۱ ہو گیا جس دن سے اسکو اپنے دل پر اختیار — اختیار اپنا گیا بے اختیاری رہ گئی

۱۰۲ یوں پھرے آشفتہ حال اہل کمال افسوس ہے — اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

۱۰۳ مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی — زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

۱۰۴ کیا شاد کو خفیف کرے ہے زبانِ خلق — شاباش جس کو کہتے ہیں وہ شاد باش ہے

۱۰۵ قامتِ موزوں کی مدحت میں کمی میں نے جو کی
لے کے برچھی - سروِ بستاں - مجھ پہ سیدھا ہو گیا

۱۰۶ تری آرزو ہو اگر آرزو ہو — یہی آرزو ہے اگر آرزو ہے

۱۰۷ آنکھ لگتی ہے - تو کہتے ہیں کہ نیند آتی ہے — آنکھ اپنی جو لگی چین نہیں خواب نہیں

۱۰۸ خوبرویوں کو ضرر پہنچا سکے کیا انقلاب — حور ہو جائے جو لکھے کوئی الٹا نام حور

۱۰۹ جو اُو پہلو نشیں تو کر گیا پہلو تہی ہم سے — جدا پہلو سے دم بھر دردِ پہلو ہو نہیں سکتا

شعر و شاعری

۱ کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ — شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

۲ خدا نے وہ سلطنت عطا کی کہ شش جہت میں ہے جس کا شہرہ
وسیع ملکِ سخن ہے اپنا حدیں کہاں سے کہاں ملی ہیں

۳ قدر اپنی تیری مدح سے ہے جانِ جاں بلند — آواز جیسے ہوتی ہے وقتِ اذاں بلند

۴ امیر اک تختۂ ہموار ہے یہ شعر کا کوچہ - — طبائع کے تفاوت سے بلندی اور پستی ہے

۵ کم نہیں ملکِ سخن - ملکِ جہاں سے ناسخ — گو نہیں حکم رواں طبع رواں رکھتے ہیں

۶ ہو پس از مرگ ہر اک شے ورثا میں تقسیم — دولتِ شعر بس پر حصۂ اولاد نہیں

مدحتِ گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند
تمہاری مرحبا سے شعر کی ہو جائیگی عزت

یہ شاعر ہیں الٰہی یا مصوّر پیشہ ہیں کوئی
مُعرّا ہوں ہُنر سے میں سراپا عیب ہوں اکبر

آنجا نہ چشم مہر منوّر تواں رسید۔
غمِ دہر سے بچاتا ہے بشر کو مست رہنا

بہارِ بے خزاں ایسی نہیں کوئی چمن رکھتا
کبھی ہوگی نہ یہاں گنجِ معانی کی کمی

بہارِ گلشنِ فردوس ہے ہر شعرِ رنگیں میں
دریائے معرفت میں غوّاص بن کے اترے

جہانگیری سے مشکل ہے مگر کارِ جہاں بینی
حُسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسد

میں کہتا ہوں مگر کہنے والا اور ہے کوئی
جز جوہری کیا جانے کوئی قدرِ جواہر

مخاطب اس کو ہی کرتے ہیں اربابِ سخن سودا
دو چیز مے شکند قدرِ شعرا

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

خُوب کہنا اَور ہے اَور خوب ہونا اَور ہے
نہ نکلے واہ دل سے۔ تو زباں سے واہ کہہ دینا

نئے نقشے نرالی صُورتیں ایجاد کرتے ہیں
عنایت ہے احبّا کی اگر اچھا سمجھتے ہیں

اکبر

شاعر بہ چشمِ فکر وتنِ ناتواں رسید
مجھے شاعری نہ آتی تو میں بادہ خوار ہوتا

خدا جو فکرِ رنگیں دے تو یہ گلزار بہتر ہے
ورنہ ہو صرف سے قاروں کا خزینہ خالی

زبانِ مردِ شاعر بھی کلیدِ قفلِ جنت ہے
تب ہاتھ آئے اپنے یہ آبدار موتی

جگر خُوں ہو۔ تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

اسد

میری تحریر گویا اَور کی تحریر ہوتی ہے
سمجھے ہی سخن رس ہی سخن میری زباں کا

کہ جس میں کچھ بھی عقل و ہوش کا آثار ہو پیدا

سودا

تحسینِ ناشناس و سکُوتِ سخن شناس
غالب سریرِ خامہ نوائے سروش ہے

غالب

ہر اک مصرعہ میں یاں مضمون ہے آتش دوستداری کا
ہمارے شعر کا انصاف ہے انصاف دشمن پر

آتش

شعر کہتا ہوں میں اے آتش خدا کی حمد میں
انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالبِ زر ہم

میرے ہر اک بیت پر عالم ہی بیت اللہ کا
تحسینِ سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

مومن

۲۷ یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا — آتش

۲۸ ہنر ہے گرچہ فنِ شاعری آفاق میں سودا
اگر ناداں کو پہنچے تو اس میں عیب ہو پیدا — سودا

۲۹ ناسخ سخن کی قدر زمانے سے اُٹھ گئی
مقدور ہو تو قفل لگادیں دہن کو ہم — ناسخ

۳۰ کوئی کچھ کہتا ہے دُنیا میں کوئی کہتا ہے کچھ
معنئ اشعارِ مہمل خواب کی تعبیر ہے

۳۱ مذاق سب کا جُدا ہے سخن تو ایک ہے رند
وہی سمجھتے ہیں جن کو شعور ہوتا ہے — رند

۳۲ رنج میں تخفیف کرتی ہے مری طبع رواں
ہیں جو دانشمند جاری رکھتے ہیں ناسور کو

۳۳ گلچیں سمجھ کے چُنیو کہ گلشن میں میر کے
لختِ جگر پڑے ہیں نہیں برگہائے گل — میر

۳۴ تعریف دوستوں کی نہیں معتبر امیر
اچھا ہے وہ کلام کرے جو عدو پسند — امیر

۳۵ رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت — ذوق

۳۶ نہ دیکھی سرزمیں ایسی نہ ہووے آسماں جس جا
مگر طبقہ زمینِ شعر کا بے آسماں نکلا — رند

۳۷ کریں کیا شعر گوئی فکرِ دُنیا میں ہم اے شاکر
یہ جھگڑے اہلِ فرصت کے ہیں بیکار ہنے والوں میں — شاکر

۳۸ یہ شعر وہ فن ہے کہ امیر اس کو جو برتو
حاصل ہی ہوتا ہے کہ حاصل نہیں ہوتا — امیر

۳۹ لکھ ذوق اس کی مدح کہ جسکی ثنا سے ہے
سرسبز تیرے گلشن باغ سخن کی شاخ

۴۰ نام کا نام تخلص کا تخلص اے امیر
کیا بڑا حُسنِ خدا داد میرے نام میں ہے — امیر

۴۱ عرش کی لادیگی تجھ کو لحظہ کی خبر
طبع عالی کو فدا آمادۂ پرواز کر — فدا

۴۲ نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں میرے اشعار میں معنی نہ سہی — غالب

۴۳ امیر اتنا جو ہوں میں پست ہمت وجہ ہے اسکی
بلندی بخت کے حصے کی بھی اشعار میں آئی

۴۴ امیر اک مصرعۂ تر تب کہیں صورت دکھاتا ہے
بدن میں خشک جب ہوتا ہے شاعر کا لہو رسوا — رسوا

۴۵ ہوگا کوئی ایسا بھی جو غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

۴۶ اپنے مضموں تو پسند آتے ہیں عالم کو امیر
ہے وہ شاعر جو کرے معنئ بیگانہ پسند

۴۷ گوہر معنی کہاں سے آئے جیب افکار نے
میری فکرِ نارسا تک کو پریشاں کردیا — بخاری

سفحہ ہر اک مرے دیواں کا ہے آتش رشکِ چشم
یاں سفیدی پر سیاہی سے ہے عالم نور کا — آتش

شاعر کو مست کرتی ہے تعریفِ شعر امیر
سو بوتلوں کا نشہ ہے اس واہ واہ میں — امیر

سمجھتا قدر ہی ناقص کب اس غزل کی ذوقؔ
یہ روشن آپ نے کیوں پیشِ کور کی قندیل — ذوق

یہ بھی ہیں پارۂ دل۔ وہ ہیں اگر لختِ جگر
ہم سمجھتے نہیں شعر۔ اپنے بھی اولاد سے کم — رند

عیب شاعر کو لگا دیتا ہے آتش نقصِ شعر
داغ جب پھل میں لگا۔ عینِ شجر میں داغ ہے — آتش

کیا سخن سنجی سے حاصل جب سخنداں ہی نہیں
زانوئے فکرت سے اے ناسخ تو اپنا سر اُٹھا — ناسخ

بعد شاعر کے ہو مشہور کلامِ شاعر
شہرہ البتہ کہ ہو مُردہ کی گویائی کا — آتش

شاعر کے بعد کرتے ہیں اُسکے سخن کی قدر
خلقِ جہاں کو دیکھا تو مُردہ پسند ہے

خزف ٹھہرے سے بھی گوہرِ مضموں کی کم ہے قدر
وہ وقت ہے کہ کلکِ گہربار توڑیے — ناسخ

میں اپنے آپ ہیں اور شاعروں میں فرق پاتا ہوں
سخن اُن سے سنورتا ہے۔ سخن سے میں سنورتا ہوں

سیہ بختی سخن سنجوں کو لازم ہے سمجھ دیکھو
نہیں چلتا ہے جب ہو دے سیاہی سے قلم خالی — بیم

کھلا دیواں مرا تو شورِ تحسین بزم میں اُٹھا
مگر سب ہو گئے خاموش جب مطلع کا بل آیا — اکبر

کیونکر نہ سخن سے ہوں گرفتارِ تفکّر
یاں قیدِ قفس مرغِ خوش الحاں کے لئے ہے

ہمیشہ شعر کہنا کام تھا والا نژادوں کا
سفیہوں نے دیا ہے دخل جب سے بس فن نکمّا — انشا

آتش کی فکر کھودتی ہے اے زمینِ شعر
گنجِ نہاں کہ جتنے ہیں تجھ میں اُگل تمام — آتش

رہتی ہے فکر تازہ مضامین کی منتظر
اِس گھر میں آ نکلتے ہیں مہماں نئے نئے

تمام مضمون مرے پُرانے۔ کلام میرا خطا سراپا
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں۔ تو یہ عیب ہے میرے عیب جُو کا — اقبال

مرا دیواں ہے اے آتش خزانہ
ہر اک بیت اُس میں ہے گنجِ نہانی — آتش

زباں وُہ گنگ ہو جس سے نہ آفریں نکلے
وہ گوش کر ہو جو آتش سخن پسند نہ ہو — آتش

٦٧ زباں یوں میری۔ وزدانِ سخن نے بند کردی ہے — کہ رستے بند ہو جاتے ہیں جیسے خوفِ رہزن سے

٦٨ فکرِ رنگیں نے تمہیں مفلس کیا تو کیا عجب — یہ عروسِ آتش گدا کر دیتی ہے نوشاہ کو

٦٩ رہا کرتا ہے نظمِ شعر کا سودا مرے سر میں — عروسِ فکر ان روزوں لدی رہتی ہے زیور میں

٧٠ بقدرِ ذوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل — کچھ اور چاہئے وسعت مری بیاں کیلئے

٧١ فکرِ سنجیدہ نے دکھلائے ہیں کیا کیا آب و رنگ — اس ترازو میں تلے ہیں لعل و گوہر سینکڑوں

٧٢ ہمارا شعر ہر اک عالمِ تصویر رکھتا ہے — مرقع جانکر ذی فہم دیواں مول لیتے ہیں

٧٣ مضامیں ہزارے تو پیدا بہت ہو جائینگے ناطق — مجھے یہ فکر ہے پہلے کہ پیدا قدرداں کر لوں

٧٤ مضمون باندھ لاتی ہے فکر اپنی عرش سے — ڈھونڈا ہے جب تو ہمکو ملا ہے تنکا ردور

٧٥ اے رند اپنے عہد میں قدرِ سخن نہیں — ہر عصر میں وگرنہ تھے اہلِ زبان عزیز

٧٦ مضمونِ آبدار کیئے یک قلم رقم — منہ بھر دیا ہے موتیوں سے منہ دوات کا

٧٧ وہ کار تھے مضمونِ بلند اس کو جو کل رات — زانوے ثریا پہ مری فکر کا سر تھا

٧٨ انیس اس قدر شوریدہ بختی کا شکوہ — یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے

٧٩ میرا ہر لفظِ سادہ اک صدف ہے دُرِ معنی کا — سمجھ پیدا کرے۔ تو کوئی سمجھے گفتگو میری

٨٠ کاٹے کھاتی ہے مجھے فکرِ سخن اے ناسخ — دو زباں سے قلم اپنے کو میں ناگن سمجھا

٨١ شاعر کو فکرِ شعر میں راحت کہاں امیر — آرام چاہتا ہے تو مشقِ سخن کو چھوڑ

٨٢ جب میں جوان تھا تو میری شاعری تھی پیر — اب شاعری جواں ہے تو میں پیر ہو گیا

٨٣ تیرا سخن ہے ظفر وہ کہ سامنے تیرے — ہوئے خموش سخنور نہ کچھ جواب آیا

٨٤ فکر کی وقت سی یاں طبعِ رواں واقف نہیں — توسنِ چالاک کو کیا حاجتِ مہمیز ہے

٨٥ کمی ہوتی نہیں نقدِ سخن کی یاں کبھی ناسخ — ازل سے اپنے قابو میں معانی کا خزانہ ہے

٨٦ اے کلاکِ فکر ایسی غزل اس زمین میں لکھ — چھانٹا نہ جائے شعر کوئی انتخاب میں

شعر کی فکر بن آتی ہے۔ اسی سی جس کو — ذرہ کی طرح کبھو فکر نہ ہو روزی کی

۸۸ میرا ہر شعر ہے کوثر میری زندہ تصویر — دیکھنے والے نے ہر لفظ میں دیکھا ہے مجھے — کوثر

۸۹ شعر گفتن گرچہ دُر سُفتن بود — شعر فہمیدن بہ از گفتن بُود

۹۰ شعر گوئی ہے زمانے میں خداداد خلیق — یہ وُہ دولت ہے کسی شخص کی جاگیر نہیں — خلیق

۹۱ شاید کہ بعدِ مرگ کریں خاص و عام یاد — مشہور نہیں سراج کا شیریں سخن ہنوز — سراج

۹۲ سیہ روزی میں میری قدر کو احباب کیا جانیں — اندھیری رات میں کس کو کوئی پہچانتا ہوگا — عزلت

۹۳ امیر آتی ہے مجھ کو شرم اس محفل میں کچھ پڑھتے — کہ میں ناقص ہوں اور کامل یہاں ہر فن کے بیٹھے ہیں — امیر

۹۴ منصب و جاگیر و دولت کی نہیں پروا — باعثِ عزت ہے میری شاعری میرے لئے

۹۵ سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنا اپنے طور پر سامع — اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا — آتش

۹۶ غیب سے ہوتے ہیں یاں مضمونِ الہامی عطا — کرتے ہیں گویا زُبانِ یار سے تقریر ہم — رند

۹۷ اے سحر قدرداں نہ ہو کوئی جو شعر کا — تو زندگی ہے موت سخنور کے واسطے — سحر

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے — مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا — غالب

جامِ خالی کو چھلکتے کبھی دیکھا ہے اثر — شعر میں جوش کہاں دل میں اگر جوش نہیں — اثر

کُھلا بے مایہ کے مضمونِ بستہ باندھ لینے سے — پسر کو غیر کے بھی لاولد فرزند کرتے ہیں — آتش

زور سے اُن کے لیا ہے ہم نے میدانِ سخن — اور نیزہ ہاتھ میں غیر از قلم رکھتے نہیں — انیس

کام آسان نہیں فنِ سخن دُنیا میں — شعر ہوتا ہے سحر خُونِ جگر سے پیدا — سحر

دن رات ہے یہی سفرِ خشکی و تری — رکھتا ہوں کام شعر کی بحر و زمیں سے میں — ناسخ

اے کلکِ فکر ایسی غزل اِس زمیں میں لکھ — چھانٹا نہ جائے شعر کوئی اِنتخاب میں — ناسخ

دِل شکستوں کا سخن ہووے نہ کیونکر نادرست
ساز بگڑے سے تو نکلے ہے صدا بگڑی ہوئی

مُشکرِ مالک
دیوان چند گڈھوک

غلط نامہ کتاب باغِ خیال

نوٹ

لکھائی چھپائی کے کام سے واسطہ رکھنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ اس کام میں غلطیاں کسی نہ کسی وجہ سے ضرور ہی پڑ جایا کرتی ہیں باوجود بہت دیکھ بھال کے یہ کتاب بھی اس نقص سے نہیں بچ سکی ہے۔ ایک تو یہ کتاب ہے ہی سرتاپا نظم کی۔ جس میں لفظی غلطیاں تو درکنار معمولی زیر زبر کا تفاوت بھی شعر میں سقم کا باعث ہو جاتا ہے۔ دوسرے اس کا ہر ایک شعر بجائے خود ایک علیحدہ مضمون ہے اس لئے بہت بہتر ہوگا۔ کہ کتاب کا مطالعہ شروع کرنے سے قبل اس غلط نامہ کے مطابق اول تمام غلطیوں کی اصلاح کیجاوے۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے کا آپ کو وہ لطف آوے۔ جو اسکی خاص خصوصیت ہے ۔

نمبر صفحہ	نمبر شعر	مصرعہ	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	نمبر شعر	مصرعہ	غلط	صحیح
۹	۲۶	اوّل	ہے	سے	۳۴	۲۰	اول	خدا	فناہ
۱۰	۳	اوّل	..	کب	۳۸	۳۰	اول	آتی ہے	ہے آتی
۱۱	۳۱	دوم	ہے ہر اک	ہے یہ ہر اک	۳۹	۳	اول	مقبول مستجاب	مقبول و مستجاب
۱۲	۳۵	اوّل	گگن	افگن	۴۶	۱۶	دوم	قالب	قابل
۱۵	۵۵	اول	گند	گُنہ	״	۱۸	اول	کیا غضب ہے نہیں	کیا غضب ہے نہیں انسان کو
۲۲	۵	اول	شستِ	شُستہ	۴۷	۴۰	دوم	لفظ ثمر زاید ہے	کاٹ دیا جاوے
״	۱۵	دوم	گناہ دل	گنہگار دل	۴۸	۸	اول	ہے آزادی	ہے یہ آزادی
۲۷	۵۷	اول	مالک	طالب	۴۹	۱۴	اول	ایک	لیک
۲۹	۸۷	اول	کے	کاٹ دیا جائے زاید ہے	۵۰	۲۷	اول	تُوہی واللہ	تُوہی تو واللہ
۳۰	۱۱	اول	ایک سے	ایک سے ہے	۵۱	۲۹	دوم	یارب طرحدار	یارب یہ طرحدار
۳۳	۷۸	اول	کھڑی	کھڑے	۵۲	۱	دوم	نہاں	مہماں
״	۷	اول	کثرت اُٹھا	کثرت جو اُٹھا	۵۳	۶	دوم	تنگ سماتے	تنگ ہیں سماتے

نمبر صفحہ	نمبر شعر	مصرعہ	غلط	صحیح
۵۵	۵۲	دوم	کسی یاد	کسی کی یاد
۵۶	۱۳	اول	نہ لجوئی	دلجوئی
۵۷	۳۱	اول	دل بازی	دلسازی
۵۸	۲۱	دوم	تیرا	ترا
۵۹	۳۷	اول	دکھائے	دکھلائے
۶۰	۸	اول	اُسکا	جسکا
//	۱۷	اول	آیا موسٰی کو	موسٰی کو آیا
۶۱	۲۹	دوم	کیونکر	کیونکہ
۶۴	۲۲	اول	میں	ہیں
۶۶	۷۳	حاشیہ اول	دلبر	امیر
//	۷۸	اول	آزماتا	آزمایا
۶۷	۸۴	اول	اُس	اِس
//	۹۱	دوم	جوش	جھوش
۶۸	۸	اول	آئی	لائی
۶۹	۲۰	دوم	بستی	ہستی
۷۰	۵۰	اول دوم	ادھر۔ ادھر	اِدھر۔ اُدھر
//	۵۵	دوم	مہمان	مہماں
//	۵۶	اول	مرے	مِرے
۷۱	۶۷	اول	سے	سمٹے
۷۲	۸	دوم	ہیں	ہے
//	۱۶	دوم	کُتا ئے	کُتائے
۷۳	۳۷	اول	لُوں کا	لُوں گا
۷۳	۴۵	اول	یکھا	دیکھا
۷۴	۵۰	دوم	کیونکہ	کیونکر
۷۶	۲۲	دوم	رگ وجاں	رگِ جاں
//	۲۵	دوم	چھلے	سُپلے
//	۳۳	اول	ایں	ہیں
//	۳۸	دوم	جگہ	جگر
۷۸	۶۷	دوم	ہلتے	کُلتے
۷۹	۲۳	اول	ہٹی	مٹّی
//	۲۴	دوم	تو ہے انگشت کہ جسکو یہ دیاں رکھتی سے شمع	تو ہے انگشت کہ جسکو یہ وہاں رکھتی ہے شمع
۸۰	۳۶	دوم	ہی	کاٹ دیا جائے
۸۲	۲۴	اول	عدسم	عدم
۸۴	۱۲	اول	بھر	پہر
۸۷	۴۰	دوم	پھر کیا	پر کیا کریں
//	۵۳	اول	تردو جبتک	تردد تب تک
۹۳	۵۷	اول	کو	کاٹ دیا جائے
۹۸	۶۴	دوم	ٹھکانے	ڈھکانے
//	۷۸	دوم	پہ	یہ
۱۰۰	۹	دوم	ہوکی	ہوگی
//	۴۰	اول	اسلا	اصلا
//	۲۳	اول	سمجھیں	سمجھے
۱۱۰	۴۶	اول	جو۔ وہ	وہ۔ جو
۱۱۲	۴۵	اول	سیرم	مبرم

نمبر صفحہ [cut off]	نمبر شعر	مصرع	غلط	صحیح
۱۱	۱	اول	خلدتِ تقسیم	خلعت ۔ تقسیم
۱۱	۲۶	اول	درمیان مسگروزیتو	تہ ڈالی جاوے
۱۱	۴۸	اول	پڑھ	پڑ
۱۲	۱۰	اول	ہو	ہوں
۱۲	۲	اول	پُرشکر	پہرہ ۔ شُکر
۱۳۱	۲۴	دوم	جو نہ مارا	جو مارا
۱۳	۷۰	دوم	گھبرائیں	گھبرائیں
//	۷۲	دوم	گذری ہیں تلخیں	گذری ہیں مدتیں
۱۳	۱۰	دوم	چھبر کھٹ	چھپرکھٹ
//	۱۱	دوم	سارا مصرع غلط ہے	گواد اس قول کا ہے حال ابراہیم ادھم کا
۱۳	۳۸	اول	فاقہ	ناز
//	۳۹	اول	جان	جاں
۱۳	۶۱	دوم	وہ	زائد ہے کاٹ دیا جائے
۱۳	۷۸	دوم	تسمیں	تسمے
۱۴۰	۱۷	اول	غاں	ناں
۱۴۱	۲۷	دوم	کوئی	کوسے
//	۴۳	دوم	تانبے	تاسنے (حاشیہ پیر بالاسنح)
۱۴۳	۲۲	اول	مالائے	بالائے
//	۳۱	دوم	بھر آیا	پھر آیا
۱۴۴	۸	دوم	پر	سے
۱۴۶	۴۸	اول	مٹھی	مٹھی
۱۴۷	۵۳	اول	اپنی	اپنے

نمبر صفحہ	نمبر شعر	مصرع	غلط	صحیح
۱۴۸	۱۴	دوم	کام	طفیل
//	۲۰	دوم	گلی	گلی
//	۲۱	اول	کہوں	کیوں
۱۴۹	۳۹	اول	جلد	چلا
۱۵۰	۵۳	اول	نا	تو
۱۵۴	۱۱	اول	ہو	ہوں
//	۲۲	دوم	خیال	کمال
۱۵۷	۳	اول	حیوان	حیواں
۱۶۷	۳۵	اول	دل چلوں	دل جلوں
۱۷۰	۱۹	اول	علم	حلم
//	۳۴	دوم	صدف	خذف
۱۷۱	۳۴	دوم	کم	سَم
۱۷۲	۶	اول	گم	کم
۱۷۶	۲۲	دوم	کا بلیس	ابلیس
//	۲۳	اول	بھی نہ چاہیے	بھی چاہیے
۱۷۷	۲۶	اول	غرہ اوج	غرہ بر اوج
//	۳۹	اول	//	//
۱۷۹	۲۳	دوم	کوسنا	کوٹنا
//	۲۷	اول	خوردے	خود
۱۸۰	۴۷	دوم	جس سے	جیسے
۱۸۱	۱۰	دوم	حظِ	خطِ
۱۸۸	۵	اول	ہے	ہم

نمبر شمار	نمبر شعر	مصرعہ	غلط	صحیح
۱۸۹	۱۳	دوم	واہ وا	واہ واہ
۱۹۰	۳۶	اول	بتلا شیخ	مبتلائے شیخ
۱۹۲	۱۶	دوم	بھی	ہی
〃	۱۸	اول	نغرش	لغزش
۲۱۸	۱۰۵	اول	سُنیے	سُنے
۲۱۹	۱۲۷	اول	کہ	کاٹ دیا جاوے
۲۲۰	۳۴	اول	گور	گُریز
۲۲۰	۱۴۷	اول	اور	کاٹ دیا جاوے
۲۲۱	۱۴۴	دوم	جانکا	جانکاہ
۲۲۴	۴۵	اول	جہاں	جہان
۲۲۶	۸۱	اول	سیما	مسیحا
〃	۹۰	دوم	کاجو	کا ہے جو
۲۲۸	۲۴	اول	مریضِ عشق	مریضِ محبت
۲۲۹	۵۰	اول	نام محبت	انجامِ محبت
۲۳۱	۱۰۶	اول	کا روگ	کا ہے روگ،
۲۳۲	۱۴	اول	جو	ہے
〃	۴۳	دوم	ہو	ہُوا
۲۳۶	۱۰۸	دوم	حشر	سحر
〃	۱۰۹	دوم	بھی	ابھی
۲۳۷	۱۷	اول	یار	یار سے
〃	۳۰	دوم	نیں	ہیں
۲۳۸	۳۳	اول	ہول ہجر	ہول میں ہجر

نمبر شمار	نمبر شعر	مصرعہ	غلط	صحیح
۲۳۸	۴۱	اول	آ تا	آتا
〃	۴۶	دوم	انسان	انساں
۲۳۹	۵۶	اول	محر	ہجر
۲۴۰	۹۴	دوم	ہوانہ	ہُوا جو نہ
〃	۹۹	اول	مصیبت	مصیبتیں
۲۹۷	۵۶	دوم	گمر	کمر
〃	۶۰	اول	سے گریہ	سے اے گریہ
۲۹۹	۲۱	دوم	کی والی ہے	کے ذاتی ہے
۳۰۸	۴۵	اول	جہاں سرنج	جہاں ہیں
۳۰۹	۵۷	دوم	نشہ	یہ نشہ
۳۱۵	۳۲	دوم	پر کٹے	پر گئے
〃	۴۲	اول	جھوٹیں	چھوٹیں
۳۲۳	۱۴	اول	ہو	کاٹ دیا جائے
۳۳۵	۶۵	اول	دیکھتے دیکھتے	دیکھتے ہی دیکھتے
۳۴۹	۱	اول	اغتیا	اغنیا
۳۶۱	۱۷	اول	گل	کل
۳۶۳	۴۸	دوم	پیروں کے پیر	پیروں کے پر
۳۶۴	۴۱	اول	کو	کے
〃	۴۴	دوم	کہ یسے	ایسے
〃	۷۱	اول	نمازیں	نمازی
۳۶۵	۹۸	دوم	دورہیں	دور ہیں
۳۶۷	۲۰	دوم	ہی	ہے

دیوان جیند گڈ موک

غلط نامہ

نمبر صفحہ	نمبر شعر	کالم	غلط	صحیح
۸	۲	اول	ہے بیہودہ	ہے یہ بیہودہ
۲۲	۸	دوم	ہے جو	ہے وہ جو
۳۴	۱۳	اول	سکتا ہے	سکتا
۶۲	۹	دوم	وہی ہے	وہی ہوتا ہے
۷۰	۵۶	اول	تعجب شہ	تعجب کہ ہے
۷۹	۲۴	دوم	سے	ہے
۸۱	۱۸	اول	ہے	×
۸۴	۱۱	دوم	کیا ہے	ہے کیا
۸۵	۳۲	اول	جار	جاء
۱۱۸	۳۷	اول	کہ	کے
۱۹۲	۷	دوم	حاصل	حاصل ہے
۲۰۸	۱	اول	خیبر	خَیر
۲۱۷	۸۰	دوم	سووہ دہری	سو دہری
۲۱۹	۱۳۵	دوم	کی۔کے	کے
۲۳۲	۵۲	اول	سے	اے
۲۳۶	۱۰۸	دوم	تا ابد ہی نہ حشر ہو	تا بہ ابد بھی نہ سحر ہو
〃	۱۰۹	دوم	بھی	ابھی
۲۳۶	۱۱۵	دوم	چاک	چاک کو
۲۳۳	۴۶	اول	وصل گردوں	وصل میں گردوں
۲۳۷	۲۲	اول	ہجر تار	ہجر یار
۲۳۹	۷۹	اول	ہجر ہونے	ہجر کی ہونے
۲۵۷	۶۰	دوم	خدا خدا کو	خدا خدا خدا کو
۲۵۹	۴۹	دوم	سارا فقرہ غلط ہے	گویا بیٹھے رہتے ہیں کبوتر سامنے دیوار کے
۲۶۸	۸	دوم	رواں	جواں
۳۰۴	۳۵	اول	تجھے کہتے ہیں	کہتے ہیں تجھے
۲۸۳	۳	اول	تدبیر	تقدیر
۳۶۱	۱	دوم	شیر شیر	شیر و شیر
۳۷۰	۷۰	دوم	بیاں بیاں	بیاں
۳۷۱	۱۰۰	اول	معنوں	مضمون
۳۷۱	۹۴	اول	×	حفیظ

نمبر شمار	نمبر شعر	مصرعہ	غلط	صحیح	نمبر شمار	نمبر شعر	مصرعہ	غلط	صحیح
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	واہ واہ	۲۳۸	۴۱	اول	آتا	آتا

مرثیہ

از

شاعرِ شیریں زُبان۔ فخرِ پنجاب لالہ تلوک چند صاحب محرومؔ بی۔ اے عیسیٰ خیل (میانوالی)

باغ میں دَورِ طرب ہے جاں فزا دو چار دِن
دیکھتے ہیں لالہ و گل کی ادا دو چار دِن

اہلِ گلشن کے مُقدّر میں بھی۔ ہے داغِ فراق
بُلبُل و گُل میں ہے پیمانِ وفا دو چار دِن

جس پہ ہوتا ہے نسیمِ صبحِ جنّت کا گُماں
چلتی ہے باغِ جہاں میں وہ ہوا دو چار دِن

آکے صحرا سے بگولے خاک اُڑاتے ہیں وہیں
جس روش پہ [illegible] نکلتی ہے صبا دو چار دِن

بعد اسکے برہمی۔ بے چارگی۔ درماندگی
سرو و ریحان و سمن کا جمگھٹا دو چار دِن

کَونسا گلزار تاراجِ خزاں ہوتا نہیں
پھُول کھِل کر کَونسا وقفِ زیاں ہوتا نہیں

بے خزاں ہے باغ اگر کوئی تو ہے باغِ خیال
جسکو خالق نے عطا کی ہے بہارِ لازوال

کھِلتے آئے ہیں ازل سے پھُول جو اس باغ میں
رنگ و بُو میں آجتک ہیں بینظیر و بے مثال

تازگی اِن میں وہی۔ ہے۔ دِلرُبائی ہے وہی
صفحۂ گیتی پہ ابتک نقش ہے اُن کا جمال

بے ضرر ہے گردشِ دورِ زمان اِن کے لئے
بے اثر ہیں نگئے لیل و نہار و ماہ و سال

آبیاری چشمۂ فیضِ ازل سے ان کی ہے
باغبانی پر مقرر شاعرانِ باکمال

ذوقِ سیرِ گُل اگر ہے سیر کر اس باغ کی
سیر کر اے صاحبِ ذوقِ نظر اس باغ کی